فقیہ عصر آقای السید محمد باقر الصدر
(نجف اشرف)

اسلامی بینک

غیر سودی بینک

کا

مکمل نظام

ترجمہ :- علامہ السید ذیشان حیدر جوادی

جمالی پبلیکیشن،
جیل روڈ نارتھ ۔ عمر کھاڑی بمبئی ۹

کتاب . . . . اسلامی بینک

مولف . . . . فقیہ عصر السید محمد باقر الصدر

مترجم . . . . علامہ جوادی

ناشر . . . . جمالی پبلیکیشن بمبئی

تعداد اشاعت . . . . . . ۲ ہزار (۲۰۰۰)

مطبع . . . . . (رپورٹر آفسٹ پریس مورلینڈ روڈ بمبئی ۸

جون سنہ ۱۹۷۴

کچھ اپنی باتیں

عرصہ دراز سے جدید " ترقی یافتہ " دنیا میں یہ پروپگنڈا سننے میں آرہا ہے کہ اسلام مسجد و محراب کا مذہب ہے اس کے پاس کوئی مستقل دستورِ حیات اور نظام زندگی نہیں ہے۔

معاشیات کے نئے رجحانات نے اس پروپگنڈے کو اور بھی ہوا دی ہے۔ اور اب ہر پڑھا لکھا آدمی یہ اعلان کرنا " فیشن " سمجھتا ہے کہ اسلام کے دامن میں ترقی کے جدید ترین رجحانات نہیں ہیں۔

وہ عبادات اور اخلاقیات کے سلسلے میں تو راہنمائی کرسکتا ہے لیکن معاشیات کے معاملے میں اس کی تعلیمات صفر کا درجہ رکھتی ہیں۔

ان بیچاروں کا خیال یہ ہے کہ معاشیات کا سنگ بنیاد غیر مسلم مفکرین نے رکھا ہے اور اس کے مسائل انھیں کے افکار کا نتیجہ ہیں۔

دھیرے دھیرے اسلامی معاشیات کا چرچا شروع ہوا تو یہ کہا جانے لگا۔ کہ اسلام میں جزئی طور پر معاشیات کا تذکرہ ضرور ہے۔ لیکن معاشیات کے تازہ ترین افکار کا وجود نہیں ہے۔

معاشیات کی دنیا سود کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔ اور اسلام نے نظام جاہلیت کی ضد میں سود کو حرام کردیا ہے۔ ایسا نظام جاہلی دور میں تو کام آسکتا تھا۔ لیکن دور حاضر کے لئے قطعی " بے سود " ہے۔

ضرورت تھی کہ کوئی " مرد مہم آزما " اٹھتا اور اس موضوع پر قلم اٹھا کر دنیا پر واضح کردیتا کہ اسلام کے دامن میں کسی شے کی کمی نہیں ہے۔ وہ ہر شعبۂ زندگی کا جامع اور ہر پہلوئے حیات پر حاوی ہے۔ اگر

کمی ہے تو صرف مسلمانوں کی توجہ اور ان کے التفات کی۔

ہندستان کا مزاج ان مضامین کے لئے سازگار نہیں تھا۔ یہاں اختلافی مسائل اور انتشاری موضوعات ذہنوں کا اوڑھنا بچھونا بن چکے ہیں۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے سود کے موضوع پر قلم اٹھایا تو بینک کے تذکرے سے پہلے ہی قلم رکھ دیا — اور آخر میں ایک ہمعصر مولانا سے مناظرے ومباحثے میں الجھ گئے

خدا آباد رکھے سرزمین نجف اشرف کو — کہ وہ ایسے ابطال علم پیدا کرتی رہتی ہے اور مشکلکشا کے جوار میں اسلام کے مشکلات کا حل پیش کرتی رہتی ہے۔

اس سرزمین سے ایک "مجاہد" اٹھا اور اس نے موضوع پر پوری تفصیل کے ساتھ بحث کی کتاب مقبول عام بھی ہوئی — اور دشمنان اسلام کے منہ پر طمانچہ بھی بنی۔

لیکن افسوس کہ وہ کتاب عربی زبان میں تھی۔ اور یہاں اس کے سمجھنے والوں کا فقدان ہے جمالی پبلیکیشن کو یہ شرف حاصل ہے، کہ اس نے کتاب کے ترجمے کی طرف توجہ کی اور سرکار علامہ جوادی کو اس کی زحمت دی۔

سرکار موصوف کا احسان ہے کہ انتہائی عدیم الفرصتی کے باوجود ایک ماہ کے اندر ترجمہ مکمل کرکے دیدیا اور کتاب پر ایک مبسوط مقدمہ بھی لکھ دیا۔ جس نے کتاب کی عظمت کو چار چاند لگادئے

کتاب کی اشاعت ہمارا کام ہے — اور ہمارے نقائص کی طرف متوجہ کرنا آپ کی ذمہ داری۔

ہم ہیں آپ کے خادم

ادارہ "جمالی پبلیکیشن"

نقوشِ راہ

ابتدائیہ

علامہ جوادی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقار خانۂ دنیا

مثل مشہور ہے "نقار خانے میں طوطی کی آواز" ——— اور یہ صحیح بھی ہے ——— جو کان ہنگاموں کے عادی ہوتے ہیں ان پر طوطی کی نرم و نازک آواز کا اثر نہیں ہوتا ——— زاغ و زغن کی پکار کے خوگر صوتِ ہزار کا لطف حاصل نہیں کر سکتے۔ طوفانوں سے لطف لینے والے موجوں کی لطافت کو محسوس نہیں کر سکتے ——— کانٹوں میں الجھنے والے پھولوں کی نزاکت کیا جانیں ——— آندھیوں سے دل بہلانے والے صبا کی سبک رفتاری کا کیا اندازہ کریں گے۔ ؟

لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ جیسے جیسے احساس بشر کی قوت میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ جذبات و عواطف کی لطافت بڑھتی جائے گی ——— سماج و ماحول کے دباؤ سے دبی ہوئی فطرت اپنا پیغام سنا رہی ہے گی وہی وقت ہو گا جب صوت ہزار کی نغمگی کا بھی احساس ہو گا ——— اور موجوں کی لطافت کا بھی ——— پھولوں کی نزاکت بھی محسوس ہو گی اور صبا کی سبک رفتاری بھی۔

اب یہ کب ہو گا ——— ؟ اس کا جواب تاریخ کے صفحات دیں گے۔ تاریخ کا ایک مسلم قانون ہے "جبر تاریخ" یعنی تاریخ اپنے مخصوص قوانین کے تحت آگے بڑھتی ہے ——— اس کے قوانین پر کسی بشر کی حکومت نہیں ہے ——— وہ کسی کے خواہشات کا پابند نہیں ہے ——— اس پر کسی جابر و قاہر کا جبر نہیں ہے۔ وہ خود اپنے جبر سے ہر طاقت کو دبا لیا کرتی ہے۔

"جبر تاریخ" کے کرشمے تاریخ کے ہر موڑ پر دیکھے گئے ہیں ——— جہاں کہیں بشریت پر ضرورت سے زیادہ زور ڈالا گیا اور انسان کو اس کے امکان سے زیادہ مجبور کیا گیا ——— تاریخ نے فی الفور کروٹ بدلی اور

جذبۂ نو جو اٹھا وقت کے دھارے کی طرح
تخت سیلاب میں بہنے لگے تختے کی طرح

سلاطین زمانہ نے "ظل اللہ" کے عنوان سے زندگی گذارتے ہوئے ایک لمحہ کے لئے یہ سوچا تھا کہ یہ سلطنت جا بھی سکتی ہے۔ اس حکومت کو زوال بھی آسکتا ہے ــــــ "یہ سایۂ الٰہی" ڈھل بھی سکتا ہے ــ نہیں۔ ــــــ اس دور میں جمہوریت جیسی آواز کیسی ایسا تصور بھی جرم تھا ــــــ حریت کا نام لینے والا قابل گردن زدنی اور آزادی کا پیغام دینے والا لائق دار و رسن تھا۔

اطاعت سلطان سے روگردانی کرنے والا آیت "اولی الامر" کا منکر ــــــ اور "عوام کی آواز" کا اعلان "دفتر بے معنی" تھا۔ دیکھتے دیکھتے جبر تاریخ نے اپنا کرشمہ دکھلایا ــــــ اور تاج سلطانی ٹھوکروں میں آگیا ــــــ شاہی کا نام "نقش کردار" اور سلطنت کے آثار نقش کہن بن گئے۔

سلطانیٔ جمہور کا آتا ہے زمانہ
جو نقش کہن تم کو نظر آئے مٹادو

ہمارے ملک کی ۲۵ سالہ تاریخ گواہ ہے کہ کسی آواز کو ضعیف یا کسی طاقت کو کمزور سمجھنا انتہائی جہالت ہے۔ آواز میں سنجیدگی اور طاقت میں متانت ہو تو ایک نہ ایک دن انسان اس کی حمایت کے لئے ضرور کمربستہ ہو جائے گا ــــــ وہ عوام جن کا مقدر غلامی تھا، وہ پست طبقات جن کی قسمت بادشاہوں کی جوتیوں سے ٹنگی ہوئی تھی ــــــ آج قوم کی قسمت کے مالک بنے ہوئے ہیں۔ عوام ہور کے "تقدیر ساز" اور پست طبقات ملک کی قسمت کا فیصلہ کرنے والے ہیں۔

غربت و فلاکت کو اپنا مقدر سمجھ کر کاہلی اور بے حسی کو قناعت کا نام دینے والے افراد بھی "غریبی ہٹاؤ" کا نعرہ دینے لگے ہیں اور ملک تاریخ کے اس موڑ پر آکر کھڑا ہو گیا ہے کہ اگر ۵۰ سال پہلے کے کسی مردہ کو زندہ کر دیا جائے تو فرط وحشت سے دوبارہ موت کی گود میں چلا جائے گا۔

مستقبل

ایسے حالات کا موجودہ انداز کتنا ہی پریشان کن اور وحشت ناک کیوں نہ ہو ــــــ مستقبل انتہائی تابناک اور امید افزا ہے۔ ان حالات نے بہر حال یہ ثابت کر دیا ہے کہ تاریخ کے دور حاضر کا مزاج "بت پرستی" کے قطعی منافی ہے۔ اب کسی کی عظمت کا بت نہیں نہیں پوجا جا سکتا۔ اب کوئی انسان بلا جہت اپنی بالاتری نہیں منوا سکتا ــــــ اب زمانہ عقل و ہوش کا ہے ــــــ نسل نو دعوت فکر و نظر چاہتی ہے لفظوں میں الجھنا یا نعروں سے بہلنا قصۂ پارینہ بن چکا ہے۔

اشتراکیت کے طوفان نے ایک اور مسئلہ بھی واضح کردیا ہے کہ دولت کا رعب و داب بھی کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ مزدور کی زندگی سرمایہ دار کے رحم وکرم پر نہیں ہے۔ سرمایہ دار کی حیات و کائنات مزدور کے دست وبازو سے وابستہ ہے۔

آج کون تصور کرسکتا ہے کہ کل یہی مزدور سرمایہ دار کو اپنے مقدر کا مالک سمجھتا تھا ـــــ اور اس کے ہاتھوں سے ملنے والی مزدوری کو "براہ راست دستِ خدا ملنے والا رزق سمجھتا تھا"

کون اندازہ کرسکتا ہے کہ کل سرمایہ دار کے خلاف آواز بلند کرنا کارخانہ سے نکال دئے جانے کے مرادف ـــــ اور بالآخر موت کی آغوش میں پناہ لینے کے ہم معنی تھا ـ ؟

لیکن آخر کار یہ سب کچھ ممکن ہوگیا ـــــ مزدوروں کی آواز نے سرمایہ داروں کا ناطقہ بند کردیا ـــــ اور ان کی آہوں نے دولت مندوں کی راتوں کی نیند حرام کردی۔

اب لفظ "سرمایہ دار" گالی ہو تو ہو ـــــ لفظ مزدور گالی نہیں ہے۔

رن میں ضیغم، کھیت میں مزدور، منبر پہ حکیم
اللہ اللہ کتنے رخ ہیں ایک ہی تصویر میں

ان حالات میں یہ سوال کتنا مہمل ہے کہ آج کے دور میں "بلا سود کے بینک" کی بات کرنے کا حاصل کیا ہے ـــــ ؟ دنیا سود کے سمندر میں ڈوب چکی ہے۔ سود انسانی زندگی کا اوڑھنا بچھونا بن چکا ہے ـــــ سود پر اقتصادی ترقی اور تجارتی کاروبار کا دارومدار ہے ـــــ سود زندگی کا پورا بوجھ سنبھالے ہوئے ہے۔ سود کو ہٹا دیا جائے تو زندگی کا سہارا کیا ہوگا ـــــ سرمایہ دار کیا کرے گا ـــ ؟ غریب اپنی دولت کو کیسے بڑھائے گا ـــــ بینک کیسے چلیں گے۔ اور بالآخر معاشی ارتقاء کے دست وبازو کی طاقت کہاں سے آئے گی ـــــ ؟

ان سوالات کا جواب تو بعد میں دیا جائے گا ـــ اس وقت تو صرف "مایوس ذہنیت" کا تجزیہ کرنا ہے جو ہر سنجیدہ گفتگو پر ایک ہی تبصرہ کرنا جانتی ہے "اُسے کون سُنے گا اور اس پر کون عمل کرے گا" ؟

ظاہر ہے کہ یہی ذہنیت کل ملوکیت کے حق میں بھی کام کررہی تھی ـــــ اور اس ذہنیت نے برسہا برس سرمایہ داری کو بھی زندہ رکھا ہے۔ اور یہی ذہنیت آج سرمایہ داری کو بھی سہارا دئے ہوئے ہے۔

لیکن اب تاریخ کے پے درپے انقلابات نے اس سوئے ہوئے ذہن کو جھنجھوڑ دیا ہے اور اس قنوطیت کے منہ پر طمانچہ لگا دیا ہے ـــــ اب ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ بات سنجیدہ اور معقول کہی جائے۔ کام متوازن اور پرمغز کیا جائے ـ سننے والے تو پیدا ہی ہوجائیں گے۔

ابھی نہ چھیڑ محبت کے گیت اے مطرب
ابھی حیات کا ماحول سازگار نہیں!

قنوطیت اور مایوسی کا پیغام ہے — "مردانِ کار" اور "اربابِ ہمت" کا نعرہ کچھ اور ہوتا ہے۔

جگا دے بزم کو مطرب سنا کے نغمۂ دل
یہ کیا کہ زیست کا ماحول سازگار نہیں

ضرورت؟

یہ سوال کسی حد تک سنجیدہ اور معقول ہے کہ بینکوں کے اس طوفان میں ایک غیر سودی بینک کی ضرورت ہی کیا ہے —— اور یہ بینک کون سا کارِ نمایاں انجام دے سکے گا، جو دوسرے بینک انجام نہیں دے سکتے —؟

لیکن اس کا جواب عام فلسفہ کی روشنی میں بھی دیا جا سکتا ہے اور خالص اسلامی انداز میں بھی! اسلامی انداز سے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ غیر سودی بینک کی تھیوری ان تمام شر پسند، اسلام دشمن عناصر کا جواب ہے جو اسلام کے دینِ کامل ہونے کا مذاق اڑایا کرتے تھے —— اور ان کا خیال تھا کہ اسلام صوم و صلوٰۃ کا نظام ہونے کے باوجود ایک عالمگیر دستور اور جامع ضابطۂ حیات ہونے کا دعویدار ہے۔ اس کے پاس نہ مارکس جیسا معاشی فلسفہ ہے — اور نہ مغربی مفکرین جیسا فلسفۂ حیات۔

یہ فارمولا اس حقیقت کو بے نقاب کرنے کے لئے پیش کیا گیا ہے — کہ جہالت پر پردہ ڈالنے کے بجائے علم کی روشنی پیدا کرنا ضروری ہے۔ کسی نظامِ زندگی پر اعتراض کرنے کے بجائے اس کی خوبیوں اور خرابیوں کی تحقیق کرنا لازمی ہے۔ اسلام کے دامن میں ہر شعبۂ زندگی کا حل موجود ہے۔ اس نے زندگی کی ہر بیماری کا علاج مہیا کیا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اس کی اطلاع اکثر "اطباء عصر" کو بھی نہیں ہے تو مریضوں کو کیا ہوگی؟۔

سچی بات تو یہ ہے کہ اسلام کو بدنام کرنے کے بجائے کفر و شرک کے فتوے ارشاد کرنا شروع کر دیئے —— نسلِ جوان کی بدگمانیوں میں اضافہ ہوتا گیا اور اسلام مسجد و محراب کا مذہب بن کر رہ گیا۔

اب دورِ حاضر کو یہ باور کرانا مشکل ہو گیا ہے کہ اسلام کے دامن میں بہت کچھ ہے۔ صرف تنگیٔ نظر اور کوتاہیٔ دامن نے مفکرین کو ان حقائق سے محروم رکھا ہے اور وہ ان گہرائیوں تک پہنچنے سے قاصر رہے ہیں جن کی طرف اسلام اشارہ کرنا چاہتا تھا۔

فلسفی اعتبار سے اس سوال کا جواب یہ ہے کہ جس طرح سیاسی دنیا میں ملوکیت کے ہوتے ہوئے جمہوریت کی ضرورت تھی۔ اقتصادی دنیا میں سرمایہ داری کے ہوتے اشتراکیت کی ضرورت تھی — اسی طرح

سودی بینکوں کے ہوتے ہوئے ایک غیر سودی بینک کی ضرورت ہے۔

کسی جمہوریت نواز سے پوچھئے کہ شہنشاہی کے ہوتے ہوئے جمہوریت کی کیا ضرورت تھی ــــ کسی اشتراکیت کے پرستار سے پوچھئے کہ سرمایہ دارانہ نظام کے ہوتے ہوئے اشتراکیت کی کیا ضرورت تھی؟ تو ہر ایک کا جواب یہی ہوگا کہ ملوکیت کے مفاسد و مظالم نے جمہور کو اپنی آواز بلند کرنے پر مجبور کر دیا ــــ اور سرمایہ داری کی لوٹ مار نے مزدور کو اپنے حقوق کے مطالبہ پر آمادہ کر دیا ــــ وہ مظالم اور فسادات نہ ہوتے تو جمہوریت نہ ہوتی اور یہ لوٹ مار نہ ہوتی تو اشتراکیت کا وجود نہ ہوتا۔

دنیا کو لفظ ملوکیت یا لفظ سرمایہ داری سے نفرت نہ تھی ــــ دنیا کو ان مفاسد سے نفرت تھی جو ان کی آغوش میں پرورش پا رہے تھے ــــ ایک مدت تک ان مفاسد کی پرورش ہوتی رہی اور کسی کو احساس بھی نہ ہوا۔ جب حالات نے احساس کو ایڑ لگائی تو سماج کی کراہیں اور آہیں نعروں میں تبدیل ہو گئیں۔

بعینہ یہی حالات عہد حاضر کے ہیں ــــ سرمایہ داری کے مفاسد کا احساس کرنے والا سود کی تباہ کاری کو باقاعدہ محسوس کر رہا ہے۔ لیکن اس کے پاس اس درد کا علاج نہیں ہے۔ اشتراکیت کے دامن میں پناہ لینے کی واحد وجہ یہ ہے کہ اس کے علاوہ کوئی سایہ پیش نظر نہیں ہے۔

اب کوئی وجہ نہیں ہے کہ اگر کوئی ایسا سایہ مل جائے جہاں "شخصی ملکیت" کے جذبے کی تسکین بھی ہوتی رہے اور بڑھتی ہوئی دولت کی روک تھام بھی ہو جائے تو انسان اس سایہ سے صرف اس لئے فرار کرے کہ اس کا نام مرغوب خاطر نہیں ہے۔ ڈوبنے والا تنکے کا سہارا ڈھونڈتا ہے۔ تنکے کے مقابلے میں انسانی عظمت کا لحاظ نہیں کرتا ــــ ٹھوکر کھا کر گرنے والا ہاتھ ٹیک دیتا ہے سر پر بلا نہیں آنے دیتا۔ مطلب یہ ہے کہ انسان نجات و فلاح کی راہ میں نام و نشان نہیں دیکھا کرتا ــــ کام اور منزل پر نگاہ کیا کرتا ہے ــــ!

مسلم پرسنل لا

اس ذیل میں دور حاضر کے اہم ترین مسئلے کی طرف بھی اشارہ نامناسب نہیں ہے ــــ اس تھوڑے عرصے سے یہ دیکھنے میں آ رہا ہے کہ حکومت کے بعض عناصر مسلمانوں کے بعض مخصوص قوانین میں ترمیم کر کے ان کی جگہ مشترک قوانین نافذ کرنا چاہتے ہیں اور مسلمانوں کا ایک جوشیلا طبقہ اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کر رہا ہے۔ جلسے ہو رہے ہیں۔ بیانات جاری ہو رہے ہیں ــــ آتش بار اور دھواں دھار تقریروں کا ایک لامتناہی سلسلہ قائم ہے ــــ اور

مخالف عناصر اسی ایک کلمہ کی رٹ لگائے ہوئے ہیں کہ "سیکولر حکومت میں کسی مذہب کا مخصوص قانون نافذ نہیں ہو سکتا۔"

میرا خیال ہے کہ اس پورے ہنگامے میں مسلمانوں نے مسئلہ کی روح کو نظر انداز کر دیا ہے۔ اور صرف جذباتیت کی بنیاد پر مسئلہ کو حل کرنا چاہتے ہیں۔

یاد رکھئے جب تک مسئلہ میں مسلم غیر مسلم کا تفرقہ باقی رہے گا۔ حزب اختلاف کو سیکولرزم کا حوالہ دیکر صدائے احتجاج کو صدا بصحرا ثابت کرنے کا موقع ملتا رہے گا۔

ضرورت ہے کہ مسئلہ کی روح کو سمجھا جائے۔ اور اُسے حکومت وقت کے سامنے نئے انداز سے پیش کیا جائے — ارباب اقتدار نزاکت وقت کا احساس کریں اور عالمی فساد کو ٹالنے کی کوشش کریں

گذشتہ دور غلامی نے مسلمانوں کے ذہن کو اس قدر مسخ کر دیا ہے کہ مسلمان حکومت وقت کے جملہ قوانین پر عمل کرنے کے بعد صرف نکاح و طلاق و میراث کے جیسے مسائل کو مخصوص اسلامی قانون سمجھ کر احتجاج کر رہا ہے — اُسے یہ بھی ہوش نہیں ہے کہ اس طرح لاشعوری طور پر اسلام کے ایک محدود نظریۂ زندگی ہونے کا اعلان کیا جا رہا ہے۔ اور اس ہمہ گیری کو خاک میں ملایا جا رہا ہے۔

احتجاج کا سنجیدہ راستہ یہ ہے کہ ایوان حکومت کے سامنے یہ مسئلہ پیش کیا جائے کہ اسلام کے ضابطۂ حیات کو مسلمانوں کا مخصوص قانون قرار دینے کے بجائے ایک عام دستور زندگی سمجھا جائے — اور زندگی کے ہر شعبہ پر اسی طرح منطبق کیا جائے جس طرح دوسرے قوانین منطبق کئے جاتے رہے ہیں اور کئے جا رہے ہیں اگر انگریزی قوانین سے ملک انگریزی نہیں ہو گیا — کمیونزم کے اصولوں سے ملک کمیونسٹ نہیں بنا — سرمایہ دار نظام اپنانے سے حریت و جمہوریت پر کوئی اثر نہیں پڑا — تو ایک اسلامی نظام کے رائج کرنے سے سیکولرازم کیونکر تباہ ہو جائے گا — ؟

اسلام کا دوسرے مذاہب سے امتیاز یہی ہے کہ دوسرے مذاہب کے پاس زندگی کا مکمل فلسفہ نہیں ہے ورنہ ہم اُن کا تجربہ کرنے کی بھی تجویز رکھتے۔

اسلام کے پاس ایسا مکمل دستور حیات موجود ہے — تقاضائے انصاف یہی ہے کہ ایک مختصر ترین دور کے لئے سہی — اس کے قوانین کو سماج پر منطبق کیا جائے — اور پھر دیکھا جائے کہ نتائج کیا برآمد ہوتے ہیں؟ اگر نتائج حسب توقع برآمد ہوں تو اس کو آخری قانون قرار دیدیا جائے — اور اگر ایسا نہ ہو تو موجودہ شکل پر اکتفا کی جائے۔ اور اس نظام کو میدان سے ہٹا دیا جائے۔

مذہبی نقطۂ نظر سے دنیاوی سماج کی سب سے بڑی ابتری و تباہی یہی ہے کہ اس نے مذہب کو

ایک "ہوّا" سمجھ کر میدان عمل سے دور کر دیا ہے اور اس کے بعد اپنے خود ساختہ اصولوں ہی کو انسانیت کا معیار نجات بنا دیا ہے — نتیجہ سامنے ہے۔ ع

اب آبروئے شیوۂ اہل نظر گئی

کاش اس مصیبت کو بالائے طاق رکھ دیا گیا ہوتا — اور سنجیدگی سے کشادہ دل اور کشادہ دماغ کے ساتھ مسائل پر غور کیا جاتا تو آج دنیا کا نقشہ کچھ اور ہوتا۔

امن عام کی حکومت ہوتی اور شر و فساد اپنا بستر لپیٹ چکے ہوتے — مگر حیف کہ

سکّے کھنک رہے ہیں دیار خیال میں
خنجر چھپے ہوئے ہیں نیام ہلال میں

پہلی منزل

تعارف کسی کتاب پر مقدمہ لکھتے ہوئے انسان کو چند منزلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ سب سے پہلے کتاب اور اس کی اہمیت پر تبصرہ کیا جاتا ہے اس کے بعد دیگر اہم مسائل کی طرف اجمالی اشارہ کیا جاتا ہے۔

کتاب کی اہمیت کے لئے یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ کسی تالیف یا تصنیف کی اہمیت اس کے اوراق وصفحات اور کتابت وطباعت کی بنا پر نہیں ہوا کرتی۔ یہ عناوین اصل کتاب کی جوہریت سے الگ ہیں۔ انھیں کتاب کی خوبی یا خرابی کا معیار نہیں قرار دیا جا سکتا۔

کتاب کی اہمیت اس کے موضوع، مؤلف، اسبابِ تالیف اور اثرات ونتائج کے اعتبار سے ہوا کرتی ہے۔ موضوع اہم ہے تو کتاب پڑھنے کے لائق ہے — مؤلف باعظمت ہے تو کتاب توجہ دینے کے قابل ہے — اثرات ونتائج مفید اور سودمند ہیں تو کتاب کی زندگی کے امکانات پائے جاتے ہیں۔

زیر نظر کتاب کا تعارف کرانے کیلئے ان تمام موضوعات پر اجمالی بحث ضروری ہے اس کے بغیر اہم مسائل بھی نظر کے سامنے نہیں آ سکتے

موضوع اصطلاحی اعتبار سے موضوع اس اہم مرکزی نکتہ کا نام ہے کہ جس کے گرد کتاب کے سارے مسائل گھوما کرتے ہیں۔ بحث موضوع سے ہٹنے کے بعد اتنی ہی بے وقعت ہو جاتی ہے جتنی مرکز محور سے ہٹنے کے بعد کوئی بھی شے بے ارزش ہو سکتی ہے

زیر نظر کتاب کا موضوع ایک ایسا حساس اور باارزش موضوع ہے جس کی اہمیت کا احساس لاکھوں من سود کے بوجھ سے دبی ہوئی انسانیت ہی کر سکتی ہے ——— آزاد فضا میں زندگی گذارنے والا کسی گھٹن کا کیا اندازہ کر سکتا ہے ——— پرسکون ماحول میں سانس لینے والا ذہنی کابوس کو کس طرح محسوس کر سکتا ہے ——— ؟

یہ احساس اس کے مقدر میں آیا ہے جسے فطرت نے درد اور بشریت نے درد کا احساس دیا ہے ۔۔۔ یہ اندازہ اس کا حصّہ ہے، جسے حالات نے تڑپ اور تڑپ نے قوت اظہار دی ہے۔

سود کیا ہے؟ اور اس کے مفاسد اثرات کیا ہیں ۔۔۔؟ اس پر آئندہ صفحات میں تبصرہ کیا جائے گا اس وقت صرف یہ تذکرہ کرنا مقصود ہے کہ عرصۂ دراز سے دنیائے انسانیت اس مصیبت کا احساس کر رہی ہے۔ لیکن کسی ذہن نے ایسا حل تلاش کیا جس کے سہارے اس بلائے بے درماں سے نجات حاصل کی جاسکے؟ بینکوں کے وجود کے بعد سے سود زندگی کی ایک ضرورت بن گیا ہے اور سرمایہ دار نظام یہ محسوس کرانے میں بڑی حد تک کامیاب ہو گیا ہے کہ سود کے بغیر کوئی کاروبار نہیں چل سکتا ۔۔۔ اور سود کو الگ کر دینے کے بعد بڑے سے بڑا سرمایہ دار بینک بھی فیل ہو جائے گا۔

مؤلف کتاب نے اس خود ساختہ مفروضہ کے خلاف قلم اٹھایا ہے اور یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ سود کی لعنت سے بچتے ہوئے بھی بینک قائم ہو سکتا ہے۔ اور کامیاب بھی ہو سکتا ہے۔

اسلامی قانون بینک کے اصول و مسائل سے غافل نہیں ہے۔ اس کے پاس ایسے قواعد اور کلیات موجود ہیں جن کی روشنی میں دور آخر کی اہم ترین ایجاد بینک کے مسائل بھی حل کئے جا سکتے ہیں۔

مولف محترم نے بینک کے تمام اغراض و مقاصد خدمات و تسہیلات پر نظر کرتے ہوئے اسلامی قوانین کی روشنی میں یہ واضح کیا ہے کہ بینک کے کتنے اعمال کو اسلام نے قبول کیا ہے اور کتنے اعمال کو رد کر دیا ہے اور جن اعمال کو رد کر دیا ہے ان کی جگہ پر کون سا قانون رکھا ہے اس لئے کہ تردید کر دینا آسان ہے بدل تلاش کر لینا مشکل ہے۔

مؤلّف محترم نے ان تمام پہلوؤں کو اجاگر کر دیا ہے اور یہ بتا دیا ہے کہ صحیح اور صالح قوانین کی روشنی میں قائم ہونے والے بینک کو اپنی پالیسی میں ان تمام امور کو پیش نظر رکھنا چاہیئے جن کی طرف کتاب میں اشارہ کیا گیا ہے۔

مؤلّف

انظر الی ما قال ولا تنظر الی من قال

یہ بات بالکل صحیح ہے کہ آدمی کو قول کی طرف نظر کرنا چاہیئے قائل کی طرف نہیں ۔۔۔ لیکن اس کا مطلب ہرگز نہیں ہے کہ قائل کا قول پر کوئی اثر ہی نہیں پڑتا۔ کلام کی اہمیت متکلم ہی سے پیدا ہوا کرتی ہے ۔ قول کا وزن قائل کی شخصیت ہی سے بڑھتا ہے۔ "قال اللہ قال الرسول" اسی اہم نکتہ کی طرف اشارہ ہے۔

مذکورہ بالا ارشاد کا مقصد یہ ہے کہ کسی کلام کو صرف اس لئے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ اس کا متکلم

اچھا نہیں ہے، یا متکلم کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ کلام بہر حال کلام ہے اس پر توجہ دینا اہل تحقیق کا شیوہ ہے۔ — کبھی کبھی مزبلہ پر بھی ہیرا مل جایا کرتا ہے — اور گندے مقامات پر بھی سبزہ اُگ آیا کرتا ہے۔

مرسل اعظم حضرت محمد مصطفےٰ نے جنگ خندق کے موقع پر عملی طور پر اس نظریہ کا اظہار کیا تھا۔ جب حضرت سلمانؓ نے عرض کی کہ ہمارے ملک میں جنگ کے مواقع پر خندق کھودی جاتی ہے تو سرکار دو عالمؐ نے اسے طریقۂ اغیار قرار دیکر رد نہیں کیا بلکہ بات کی معقولیت پر توجہ دیتے ہوئے اسی طریقۂ کار کو اپنا لیا۔

"اطلبوا العلم و لو بالصین" (علم دین حاصل کرو چاہے چین ہی میں کیوں نہ ملے) اسی نکتہ کی تائید ہے کہ تحصیل علم میں شخصیات پر نظر نہیں کرنی چاہیئے اور صرف چین ہونے کی بنا پر اسے رد نہیں کرنا چاہیئے۔

انسان اپنی فطرت میں جو ذوق تحقیق اور شوق علم لیکر آیا ہے اس کا تقاضا یہی ہے کہ بات کے جملہ احتمالات و مفروضات پر توجہ دی جائے اور ان کے درمیان سے حقائق کا استخراج و استنباط کیا جائے۔

زیر نظر کتاب کی سب سے بڑی اہمیت یہی ہے کہ یہ ایک ایسے محقق کے افکار و آراء کا نتیجہ ہے جو اپنے عہد میں فرد فرید اور اپنی علمی منزل میں یکہ و تنہا ہے۔

آیتہ اللہ السید محمد باقر الصدر دام ظلہٗ عالم کے اہم ترین علمی مرکز نجف اشرف عراق کے فکری قائد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ کے بارے میں "علماء اسلام" کا متفقہ فیصلہ ہے کہ آپ صدر اوّل سے اب تک عالم اسلام کے چوتھے فلسفی ہیں اور دور حاضر میں آپ کی فکری صلاحیتوں کا کوئی جواب نہیں ہے۔

امت اسلامیہ کے پاس دینی تعلیم کے دو اہم ترین مرکز تھے "جامعہ ازہر مصر" — اور "حوزۂ علمیہ نجف اشرف" دونوں نے اپنے اپنے انداز سے مذہب کی خدمت کی ہے اور دونوں نے اپنے اپنے معیار کے مطابق اسلامی علوم کا نام روشن کیا ہے۔ مگر افسوس کہ "جامعہ ازہر" کی عظمت دست برد زمانہ سے محفوظ نہ رہ سکی۔ اور اب وہ ایک عام یونیورسٹی کی شکل میں تبدیل ہو گیا ہے۔ دینی علوم ضمنی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔ اور طلاب علوم "کسی رخ" سے دینی طلاب نہیں معلوم ہوتے۔

یہ انجام ہر اس درسگاہ کے لئے ناگزیر ہے جس نے اپنے پیروں کے بجائے حکومت و اقتدار کے پیروں پر کھڑے ہونے کی کوشش کی ہے۔ مصر کے قدیم علمی ارتقاء اور جدید حالات کا موازنہ کیا جائے تو حیرت ہوتی ہے کہ اس قدر علمی خدمات اسی جامعہ نے انجام دیئے ہیں جو آج ایک دانش گاہ بن کر رہ گیا ہے۔

میں نے اپنے ثقافتی دورے میں "جامعۂ ازہر" کا مشاہدہ کیا تو میرا دل خون کے آنسو رونے لگا — افسوس کہ جس درسگاہ کو ہم اہل ہندستان عظمت و تقدیس کی نظر سے دیکھا کرتے تھے اس کی فضاؤں میں تقدس کا دور تک پتہ نہیں ہے۔ صرف چند مخلصین رہ گئے ہیں جو اپنے انداز سے اپنے دین کی خدمت کر رہے ہیں — باقی رہے نام اللہ کا

حوزۂ علمیہ نجف اشرف کی حیثیت اس سے بالکل مختلف ہے۔ یہ ادارہ ہمیشہ حکومت کی امداد سے بے نیاز اور اقتدار کی جکڑ بند سے آزاد رہا ہے ـــ اس نے پرآشوب زمانوں میں بھی کسی کا احسان نہیں لیا اور کسی کے منت کش ہونے پر مسلسل فاقوں کو مقدم کیا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ مذہبی وسائل اور قومی امداد کے سہارے یہ ادارہ آج بھی اپنی روحانیت اور تقدس کی ساری روایات کو محفوظ کئے ہوئے ہے اور عظیم حساس مسئولیت کی بھی ضرورت ہے۔

اس کے قائد کو جب "فیلسوف" یا "مفکر" کہا جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ وہ صرف ایک علمی مقام کا حامل ہے ـــ بلکہ اس کا مفہوم یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ عظیم تقدس اور پاکیزگی کے جوہر بھی رکھتا ہے۔

حوزۂ علمیہ کے قائد اکبر کو "اعلم" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ جو پوری امت اسلامیہ کے لئے اسلامی فقہ کا محور اور علوم شریعت کے لئے آخری سند ہوتا ہے۔ اس کی علمی عظمت اور شرعی حیثیت کا اندازہ ہر فرد بشر کے امکان میں نہیں ہے۔

استاذ اعظم حضرت آقائے سید صدر دام ظلہ اپنی علمی حیثیت میں ایک منفرد مقام کے حامل ہیں۔.........

آپ عصر حاضر میں "دانش گاہ" کے ماحول میں اعلم کا عنوان نہیں رکھتے ـ لیکن میں نے خود "اعلم دوراں" کا یہ فقرہ سنا ہے کہ اگر کوئی میرے شاگرد آقائے صدر کو مجھ سے جامع کہے تو مجھے کوئی تکلیف نہیں ہوگی، بلکہ مسرت ہوگی۔

یہ ارشاد گرامی اس نکتہ کی طرف اشارہ ہے کہ "اعلمیت" صرف علوم شریعت میں بلند ترین درجہ کی علامت و نشانی ہے اور آقائے صدر دام ظلہ مقام اعلمیت سے قریب ترین ہونے کے بعد دیگر علوم میں ایسی کامل دستگاہ رکھتے ہیں کہ ارباب دانش آپ کی صلاحیتوں کو دیکھ کر حیران و ششدر رہ جاتے ہیں۔

زیر نظر کتاب سے پہلے آپ کی چند کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں جن میں اہم ترین کتابیں حسب ذیل ہیں:

فلسفتنا ـــ اس کتاب میں دنیا کے دوسرے فلسفوں کے مقابلہ میں اسلامی فلسفہ کی برتری اور اس کی واقعیت پر مکمل بحث کی گئی ہے۔ اس کتاب کی اشاعت پر بغداد کے ایک علمی جریدہ نے آپ کو عالم اسلام کا چوتھا فلسفی قرار دیا تھا۔ اور اپنے تبصرہ میں لکھا تھا کہ "کاش میں اس کے مصنف سے روشناس ہوتا اور ایک مرتبہ اس کی زیارت کر لیتا.........."

اقتصادنا ـــــــــ علم معاشیات پر اس سے زیادہ جامع اور علمی کتاب آج تک تالیف نہیں کی گئی۔ اس کی پہلی جلد میں جدید ترین اقتصادی نظریات پر بحث کی گئی ہے اور دوسری جلد میں اسلامی اقتصادیات کی بنیادوں پر سیر حاصل تبصرہ کیا گیا ہے۔

میں نے چند سال پہلے اس کتاب کا ترجمہ کیا تھا اور دوسرے ممالک میں اس کی اشاعت بھی ہوئی تھی

لیکن اب اس ترجمہ تک دسترس ممکن نہیں ہے۔ حالات نے اجازت دی تو بہت جلد اس ملک میں دوبارہ اشاعت کی جائے گی۔

الاسس المنطقیہ للاستقواء ـــــــــ یہ کتاب اپنے موضوع کے اعتبار سے بھی منفرد ہے۔ ـــــــــ اس میں علم منطق کے جدید ترین قواعد مرتب کئے گئے ہیں اور ثابت کیا گیا ہے کہ ارسطو کی رائج الوقت منطق میں جن بنیادوں کو مسلم قرار دیا گیا ہے ان کی اصلیت کیا ہے ـ؟

دوسری لفظوں میں یوں کہا جائے کہ سرکار محترم نے ارسطو کی شکلی منطق کو واقعی بنانے کے لئے جدید ترین اصول مرتب فرمائے ہیں۔ اور اس منطق کی صحیح حیثیت واضح کرکے اس کے دقار میں چار چاند لگا دیئے ہیں۔ حالات اور استعداد ہمراہی کرتی تو اس کتاب کا ترجمہ بھی منظر عام پر لے آتا۔

ان کے علاوہ فقہ واصول فقہ میں متعدد تصانیف ہیں جو حوزۂ علمیہ کا علمی محور اور تشنگان علوم کے لئے "چشمۂ حیات" بنی ہوئی ہیں۔ ان کتابوں پر تفصیلی تبصرہ اس لئے مناسب نہیں ہے کہ یہ "نجف اشرف" کی آب وہوا کے اثرات ہیں ـــــــــ حوزۂ علمیہ ایک مخصوص فضا کا حامل ہے جس میں ان موضوعات پر کتاب لکھنا کوئی زیادہ دشوار کام نہیں ہے۔ ـــــــــ یہ اور بات ہے کہ سرکار محترم کے قلم نے اس میدان میں بھی اپنی انفرادیت کا سکہ جما دیا ہے ـــــــــ اور آپ کے جدید نظریات نے علم اصول فقہ کو ایک نیا موڑ دیدیا ہے۔

زیر نظر کتاب ناظرین کے سامنے ہے۔ ـــــــــ کتاب کی عظمت کا فیصلہ پڑھنے کے بعد ہی کیا جاسکتا ہے۔ قبل از وقت کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں ہے۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے میں اپنے اس خیال میں حق بجانب معلوم ہوتا ہوں کہ مولف کتاب کو "حوزۂ علمیہ" کی مخصوص اصطلاح کے زیر سایہ دیگر علوم وفنون کی جامعیت کا لحاظ کرتے ہوئے "اعلم عصر" کے لقب سے یاد کیا جائے۔

تحریک ونتائج

کسی کتاب کی تالیف کے اسباب ومحرکات بھی کتاب کی اہمیت میں چار چاند لگا دیا کرتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ چند کلمے سبب تالیف کے بارے میں بیان کر دیئے جائیں۔

آج سے چار پانچ سال پہلے حکومت "کویت" کے بعض ذمہ دار افراد کو یہ احساس پیدا ہوا کہ ملک کا اتنا عظیم سرمایہ بیکار ہو رہا ہے۔ اور اس کے اجتماعی طور پر کاروبار میں لگانے کا کوئی سہارا نہیں ہے۔ بینک کا عصری نظام سود میں گھرا ہوا ہے۔ اور سود اسلامی شریعت میں حرام ہے۔

اسلام کسی قیمت پر یہ اجازت نہیں دیتا کہ سرمایہ کی فراوانی کی خاطر حرام وحلال کے امتیاز کو مٹا دیا جائے

اور خیال آخرت کو نظر انداز کر کے دنیا میں ترقی کی جائے

اس احساس نے ان افراد کو اس بات کی طرف متوجہ کیا کہ دنیائے اسلام کے عظیم ترین مفکرین کو دعوت نظر دی جائے اور بینک کا کوئی ایسا نظام تلاش کیا جائے جس میں بینک کے جملہ خصوصیات بھی موجود ہوں اور سود کا بھی کوئی گذر نہ ہو۔

مختلف ممالک اسلامیہ کے ۲۰۔ ۲۲ مفکرین کو خطوط لکھے گئے اور سب نے حسب صلاحیت جواب بھی دیئے ——— لیکن اکثر جوابات صرف فتوؤں اور سود کی خرابیوں پر مشتمل تھے۔ مستقل بینک کی اسلامی تفسیر میں کوئی مفکر کامیاب نہ ہو سکا۔

سرکار علامہ السید باقر الصدر دام ظلہ نے یہ کتاب اسی استفسار کے جواب کے طور پر مرتب کی تھی جو اس قدر پسند کی گئی کہ انھیں ذمہ داران حکومت کی طرف سے اس کی اشاعت کا بھی انتظام کیا گیا۔ اور اس کی روشنی میں بینک بھی قائم کیا گیا۔ جو بحمد اللہ کامیابی کے ساتھ چل رہا ہے اور سود کے پرستاروں کو دعوت نظر دے رہا ہے۔

دنیائے امروز دیکھ لے کہ اسلام کے قوانین میں کس قدر جامعیت اور ہمہ گیری ہے۔ اور امت اسلامیہ ہوشیار ہو جائے کہ ابھی اس کے خزانۂ عامرہ میں ایسے جواہر موجود ہیں جن کے ہوتے ہوئے کوئی بھی شخص اسلامی افکار کو چیلنج نہیں کر سکتا۔

سرکار محترم کی ذات انھیں جواہر روزگار اور نوادر عصر میں ہے جن پر ملت اسلامیہ کو بجا طور پر ناز کرنے کا حق ہے ——— اور اس سے زیادہ اس دانش گاہ پر ناز کرنے کا حق ہے جو آج بھی ایسے رجال فکر ——— اور ابطال عمل کی پرورش کر رہی ہے۔

تازہ ترین اطلاعات سے معلوم ہوا ہے کہ لبنان میں بھی ایسے ہی بینک کا تجربہ کیا جا رہا ہے۔ خدا نے چاہا تو یہ تجربہ بھی کامیاب ہوگا۔ اور دنیا دیکھ لے گی کہ اس کے محالات کیونکر ممکن بنائے جاتے ہیں۔ اور اس کے ع

ستاروں کے آگے جہاں اور بھی ہیں

جوابِ شکوہ میرے اکثر احباب یہ شکایت کیا کرتے ہیں کہ آپ کی تحریریں خشک اور غیر دلچسپ ہوتی ہیں ـــــ مجھے ان کی شکایت سے کوئی شکوہ نہیں ہے۔ جو شخص بھی کسی کتاب کے مطالعہ پر اپنا عزیز وقت صرف کرے گا ـــ وہ اس کے نقائص پر بھی تبصرہ کرے گا ـــ میں تو ان حضرات کا بھی شکر گذار ہوں کہ وہ ایسی خشک تحریروں کو بھی اپنے مطالعہ میں جگہ دیتے ہیں اور اپنی نگاہ کرم سے محروم نہیں رکھتے ـــ ورنہ آج کے دور میں ناولوں میں ڈھلا ہوا مزاج اور افسانوں کا تراشا ہوا ذہن ایسی خشک اور غیر دلچسپ تحریروں کو کس جذبہ کے تحت ملاحظہ کرے گا۔

معاشی حالات نے انسان کو اتنا ضعیف اور کاہل بنا دیا ہے کہ مشکل کام کرنا تو بڑی بات ہے مشکل بات سننا بھی ناگوار ہے۔ نفس کی تسکین اور نظر کا فریب زندگی کا آخری ارتقاء ہے۔ ایک ناول میں پوری رات صرف کی جا سکتی ہے ـــ ایک فلم پر کئی کئی گھنٹے برباد کئے جا سکتے ہیں لیکن ایک علمی کتاب کو دو گھنٹوں کا وقت نہیں دیا جا سکتا ـــ یہ اس لئے نہیں کہ ذہن سمجھنے سے قاصر اور دماغ فکر و فہم سے عاجز ہو گئے ہیں۔ بلکہ اس کا واحد راز یہ ہے کہ حالات سے تھکا ہوا انسان "بہلاؤں" کی چھاؤں میں پناہ لینا چاہتا ہے ـــ وہ محنت کرنے کے بجائے راحت و آرام کا طالب ہے۔

کاش میرے کرمفرما احباب عبارت کی دشواریوں کے ساتھ موضوعات کی نزاکت پر بھی نظر رکھتے تو انہیں اندازہ ہوتا کہ علمی مسائل افسانہ نہیں بنائے جا سکتے۔ زندگی کے مشکلات کا حل جنسیاتی لطیفہ نہیں بن سکتا ـــ دونوں الگ الگ دنیائیں ہیں۔ اور دونوں کے لئے الگ الگ زبانِ اظہار ہے۔

ترسیل و ابلاغ کی دشواریوں سے باخبر حضرات جانتے ہیں کہ اپنی نگاہوں کے سامنے پیش آنے والے واقعات کے جملہ خصوصیات کے بیان میں کیا دشواری ہوتی ہے اور انسان مناسب الفاظ کے انتخاب میں کس قدر ٹھوکریں کھاتا ہے ـــ چہ جائیکہ دوسری زبان کے سانچے میں ڈھل جانے والے واقعہ کو دوسرے سانچے میں ڈھالنے کا عمل ـ کہ جوئے شیر لانے سے کسی طرح کم نہیں ہے۔

ترجمہ اور وہ بھی اردو میں ترجمہ ـــــــ جس کی تنگ دامانی ہمیشہ سے مسلّم رہی ہے ـ اور پھر عربی زبان سے ترجمہ جس کی وسعت و پہنائی اور گیرائی و گہرائی کا کوئی اندازہ نہیں ہو سکتا ـــ جہاں ہاتھ کی ایک ایک انگلی ـ اور پھر انگلی کے ایک ایک پور کے الگ الگ نام ہوتے ہیں

اس کے مطالب کو ایک ایسی زبان کی طرف منتقل کرنا جس میں انگلیوں کے نام میں بھی صرف "برائے نام" ہی فرق کیا جاتا ہے کس قدر دشوار کام ہے۔ اس کا اندازہ اربابِ بصیرت ہی کر سکتے ہیں۔

سرکار صدر دام ظلہ کی زبان کے خصوصیات کیا ہیں ـــ اور عربی ادب میں آپ کا کیا مرتبہ ہے؟

اس کا اندازہ اصل کتاب کے مطالعہ سے ہی کیا جاسکتا ہے ۔ لیکن اس سے قطع نظر کرنے کے بعد بھی یہ کہا جاسکتا ہے کہ وسعت و تنگ دامانی کے علاوہ عربی اور اردو زبان کے مزاج میں ایک بنیادی اختلاف پایا جاتا ہے۔ جو ایک زبان کے مسائل کو دوسری زبان کی طرف منتقل کرنے کی راہ میں مستقل طور پر سد راہ ہے۔

ایک ادبی دامن نظر

عربی ادب کی تاریخ جاننے والے حضرات اس حقیقت سے باخبر ہیں کہ آغاز کار میں عربی کا کوئی مرتب ادب نہیں تھا۔ نثر نگاری کا رواج صرف خطبوں تک محدود تھا ۔ اور وہ بھی نہایت ہی معمولی طریقہ پر ـــــــ عربی زبان کی ساری وسعت اور اس کے ادب کی ساری جامعیت میدان جنگ کی ممنون کرم ہے ـــ جہاں "پیدائشی قسم" کے شاعر اپنے نتائج فکر کو بطور فخر پیش کیا کرتے تھے اور پھر اسی کی روشنی میں چھوٹے بڑے ادیبوں کا ادبی مقام متعین ہوا کرتا تھا ـــــــ "بازار عکاظ" کے قصے تاریخ میں بھرے پڑے ہیں۔

اس کے برخلاف اردو ادب کی نشو و نما کا حال یہ ہے کہ اس نے ایک دور بازاروں میں گزارا ـــ پھر صوفیوں کی خانقاہوں میں معتکف رہی ۔ اور وہاں سے نکل کر شمالی ہندستان میں آئی تو ع

پردے کا تھا خیال محل میں چلی گئی

محلات کا ماحول اور بیگمات کی رنگین مزاجی نے اس کی ساری تمکنت خاک میں ملادی ـــ اب نہ میدان کے لائق رہ گئی اور نہ بازار کے ـــ نزاکت اس کا شعار بن گئی اور رنگینئ بیان اس کا اوڑھنا بچھونا حد ہو گئی کہ عرب شاعر کل، اپنے معشوق کی مدح بھی مجاہدانہ انداز سے کیا کرتا تھا ـــ اور آج اردو کا ادیب گھوڑے کی تعریف میں کہتا ہے

پاؤں رکھنے لگا تھم تھم کے زمیں رہوار

یہاں تلوار کی تعریف اس انداز سے کی جاتی ہے۔

کاٹھی سے اسطرح ہوئی وہ شعلہ رُ جدا ۔۔۔ جیسے کنارِ شوق سے ہو خوبرو جدا
مہتاب سے شعاع جدا گل سے بُو جدا ۔۔۔ سینے سے دم جدا رگِ جاں سے لہو جدا

گرجا جو رعد ابر سے بجلی نکل پڑی
محمل میں دم جو گھٹ گیا لیلیٰ نکل پڑی

ان تشبیہات کو دیکھنے کے بعد یہ اندازہ کرنا دشوار ہے کہ میدان میں گھوڑا آرہا ہے یا کوئی معشوق نازنین ـــ نیام سے تلوار نکل رہی ہے یا حجلہ سے عروس نو ۔

محلات کے اس ذوق نے زبان وبیان پر مکمل اثر ڈالا اور نتیجہ کے طور پر اردو میدانوں سے محروم ہوگئی۔

بے پناہ ترقی اور گوناگوں انقلابات کے بعد بھی شاعر انقلاب اس انداز سے سوچتا ہے ؎

جیسے مُلّا کا عمامہ، جیسے بنیئے کی کتاب
جیسے مفلس کی جوانی، جیسے بیوہ کا شباب

انقلابی نظمیں اور مرثیوں کے رجز اس بات کے گواہ ہیں کہ اردو نے رجز کا رنگ پیدا کرنے کے لئے عربی الفاظ اور فارسی بندشوں کا سہارا لیا ہے — ورنہ ذاتی طور پر معرکہ آرائی بھی خانگی مکالمہ سے زیادہ کوئی حیثیت نہ رکھتی تھی۔

اس مقام پر میرا مقصد عربی اور اردو ادب کا موازنہ کرنا نہیں ہے — اور نہ میں ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا چاہتا ہوں، مجھے صرف اس قدر محسوس کرانا ہے کہ اس قدر مختلف المزاج زبانوں کے بیانات کو ایک دوسرے کی طرف منتقل کرنا کس قدر دشوار کام ہے۔ کاش میرے احباب ان مشکلات پر توجہ دیں اور زخم جگر دیکھنے کے بجائے دردِ جگر دیکھیں — زخم دیکھنا تماشائیوں کا کام ہے اور درد کا محسوس کرنا ہمدردوں کا شیوہ۔

میں نے اس کے قبل بھی اپنے تراجم میں اس بات کا لحاظ رکھا ہے کہ زبان کے خصوصیات گرفت میں نہ آسکیں تو کم از کم مطالب ضرور گرفت میں آجائیں۔ اور اس کتاب میں تو خصوصیت کے ساتھ اس نکتہ پر توجہ دینا پڑی — اس لئے کہ اس کا موضوع کسی طرح ادبی اور روایتی نہیں ہے۔ یہ ایک دردِ دل کا علاج اور مشکل زندگی کا حل ہے — اس کے مطالعہ کے لئے ذوق فن کے بجائے "فکرِ زمن" درکار ہے "یہ غم جاناں" کا مسئلہ نہیں ہے "غم دوراں" کا مرحلہ ہے۔

مقدمہ کیوں؟

یہ سوال ضرور ہو سکتا ہے کہ اتنی وقیع اور قیمتی کتاب پر مقدمہ لکھنے کی ضرورت کیا ہے؟ — مقدمہ کتاب کے شایان شان نہ ہو تو کتاب کی اہمیت بھی گھٹ جاتی ہے — یہ اعتراض اس سے پہلے بھی میری بعض کتابوں پر کیا گیا ہے۔ لیکن میں اس سلسلے میں بھی اپنے قارئین کرام سے معذرت خواہ ہوں۔ میرا مقدمہ کسی فن یا قابلیت کا اظہار نہیں ہوتا — اس میں صرف دو باتیں پیش نظر رکھی جاتی ہیں

(۱) اگر کوئی مطلب کتاب میں رہ گیا ہے تو اسے بیان کر دیا جائے

(۲) اگر کوئی بیان واضح نہیں ہوا ہے تو مقدمہ میں فہم کتاب کے لئے زمین ہموار کر دی جائے۔ اس کے علاوہ میرا کوئی مقصد نہیں۔

اس مقدمہ کا محرک بھی یہی ہے کہ سرکار مولف نے سود کی حرمت کو ایک مسلّمہ قرار دے کر بحث کا

آغاز کیا ہے جبکہ آج کے دور میں یہ موضوع خود بھی اختلافی بنا دیا گیا ہے۔ اور اسمیں طرح طرح کی شقیں نکالی جارہی ہیں ظاہر ہے کہ اگر اس مسئلہ کی وضاحت نہ کی گئی اور سود کو عقلی اور نقلی اعتبار سے مذموم اور حرام نہ قرار دیا گیا تو کتاب کی ساری محنت بیکار ہوجائے گی۔ اور اس کا کوئی محل نہ رہ جائے گا۔

ضرورت ہے کہ ابتدائی طور پر ان مباحث کی طرف بھی ایک اجمالی اشارہ کر دیا جائے تاکہ اصل کتاب کے سمجھنے میں کوئی دشواری پیدا نہ ہو۔

یہ بھی یاد رہے کہ سرکار محترم نے اپنی کتاب کو ان تمام تالیفات سے بلند کر دیا ہے جو بینک کے نام پر صرف سود کی حرمت کی وضاحت کر کے خاموش ہوگئی اور بینک موضوع کو تفصیلاً نہیں بیان کر سکیں۔

یہ کتاب وہاں سے شروع ہوتی ہے۔ جہاں دوسری تالیفات کی زندگی ختم ہوجاتی ہے۔ اور ان تالیفات کی حیثیت اس کتاب کے لئے ایک مقدمہ سے زیادہ کچھ نہیں ہے —————— !

دوسری منزل

تحقیق ربا

یوں تو عربی، فارسی اور اردو میں "سود" کے موضوع پر بیشمار رسالے اور کتابیں تالیف کی گئی ہیں لیکن انصاف یہ ہے کہ غیر منقسم ہندستان میں جس تفصیل کے ساتھ اس موضوع پر مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے روشنی ڈالی ہے کسی دوسرے صاحب قلم نے ایسا بنیادی کام انجام نہیں دیا۔

یہ اور بات ہے کہ مولانا کی تحریروں میں دو قسم کی کمزوریاں باقی رہ گئی ہیں اور یہ ہر اس شخص کی تحریر کے لئے ضروری ہے جس نے کسی موضوع پر "نقش اول" کے طور پر قلم اٹھایا ہو۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ مولانا نے موضوعات کی تنقیح میں پورے فن سے کام نہیں لیا اور اکثر مقامات پر موضوعات آپسمیں گڈمڈ ہو کر رہ گئے ہیں۔ پوری کتاب پڑھنے کے بعد یہ اندازہ مشکل ہوتا ہے کہ اسلام میں سود کی حرمت اخلاقی ہے یا معاشی —— ؟

ایک مقام پر معاشیات پر زور دیا جاتا ہے تو دوسرے مقام پر معاشیات کی تشریح میں قلم کی جولانی اخلاقیات کے حدود میں داخل ہوجاتی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ مولانا نے سود کے مفاسد و عیوب کا تذکرہ کرتے ہوئے یکدم رخ افراط زر کی طرف موڑ دیا ہے اور اسلام کے زکوتی نظام کی ترویج کرنے کے لئے افراط زر کو نشانۂ تنقید بنایا ہے۔ حالانکہ کھلی ہوئی بات ہے کہ اسلام میں سود کی حرمت کا فلسفہ افراط زر کی برائی نہیں ہے۔ افراط زر ایک

نتیجہ ہے اور سود ایک طریقہ کار ہے ـــــــــ افراطِ زر حلال کسب کے بعد بھی ہو سکتی ہے اور اس پر کوئی پابندی نہیں عائد کی جا سکتی۔

زکوٰتی نظام بھی "جمع مال" پر پابندی عائد نہیں کر سکتا ورنہ زکوٰۃ کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔ حلال و حرام کا سلسلہ تو بعد میں شروع ہوگا۔

زیرِ نظر "مقدمہ" اسی ضرورت کے تحت تحریر کیا جا رہا ہے کہ موضوعات کی مکمل تنقیح کر دی جائے اور جن مقامات پر مولانا نے اپنی "مجبوریوں" کی بنا پر قلم روک لیا ہے وہاں بھی شریعت کا فیصلہ دریافت کیا جا سکے مولانا مودودی کی ایک مجبوری یہ بھی ہے کہ وہ بہر حال ایک مجتہد کے قول کے زیرِ سایہ اپنی تحقیق کو آگے بڑھانا چاہتے ہیں اور خود صاحبِ صلاحیت ہونے کے باوجود اپنے بیانات میں کسی نہ کسی طرح سابق مجتہدین کے افکار کا پرتو تلاش کرنا چاہتے ہیں۔

حالانکہ اگر انھوں نے مذہبِ شیعہ کی طرح بابِ اجتہاد کے مفتوح ہونے کا اعلان کر دیا ہوتا تو امتِ اسلامیہ ان افکار سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا سکتی ـــــــ لیکن ان موضوعات پر تبصرہ میرا کام نہیں ہے ان کا مذہب کے بنیادی نظریات سے ہے اور ان کا طے کرنا اس کتاب کا موضوع نہیں ہے۔

ربا عربی زبان میں "سود" کو ربا کہا جاتا ہے اور اسی مناسبت سے اس کتاب کا اصلی نام "البنک اللاربوی" یعنی غیر سودی بینک رکھا گیا ہے۔ ربا کے لئے اہلِ لغت نے مختلف استعمالات درج کئے ہیں لویس معلوف مسیحی اپنے لغت "المنجد" میں ربا کے بارے میں یوں رقم طراز ہیں کہ ـــــ

"الرّبا - الفضل - الزیادۃ - او الربح الذی تیناوله المرابی من مدینہ"

ربا کے معنی اضافہ، زیادتی اور وہ فائدہ جو قرض دینے والا اپنے مقروض سے وصول کرتا ہے

صاحب لسان العرب کے الفاظ یہ ہیں۔

"تکرر ذکر الربا فی الحدیث والاصل فیہ الزیادۃ علیٰ راس المال من غیر عقد تبایع۔

ربا کا ذکر بکثرت احادیث میں وارد ہوا ہے اور اس کی اصل یہ ہے کہ بغیر کسی بیع شرا کے سرمائے سے زیادہ رقم وصول کی جائے

مذکورہ تمام استعمالات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ "ربا" زیادتی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے ـــــ اور زیادتی کا صحیح مفہوم یہی ہے کہ اس کے مقابلہ میں کوئی شئے نہ ہو وہ نہ کسی مال یا عمل کے مقابلہ میں وصول

وصول کی جانے والی رقم کو کسی اعتبار سے بھی زیادتی نہیں کہا جاسکتا۔

علماء لغت نے شرح حدیث کے طور پر اس کا مصداق قرض کو ضرور قرار دیا ہے۔ لیکن یہ ایک مخصوص اصطلاح ہے جس کا کوئی تعلق لغوی مفہوم سے نہیں ہے۔ لغت کے اعتبار سے "ربا" صرف بلا معاوضہ اضافہ کا نام ہے۔ قرض کے معاملہ میں ہو یا کسی اور معاملہ میں — !

اور شاید اسی لغوی تصور کی بنا پر جاہل عرب نے یہ اعتراض کیا تھا "انما البیع مثل الربوا" بیع بھی تو ربا کی ایک قسم ہے۔ زیادتی یہاں بھی ہے اور وہاں بھی —— پھر کوئی وجہ نہیں ہے کہ ایک قسم کو جائز قرار دیا جائے اور دوسری کو حرام۔

یہ اور بات ہے کہ یہاں "الربا" سے مراد سود کا اصطلاحی مفہوم ہے جس نے بیع کو سود کی صنف میں لاکھڑا کر دیا ہے۔

اقسام ربا

شریعت اسلام میں سود کی دو قسمیں کی گئی ہیں۔ معاملاتی سود اور قرضی سود معاملاتی سود سے مراد وہ زیادتی ہے جو دو ہم جنس چیزوں کی خرید و فروخت میں وصول کی جاتی ہے — اور قرضی سود سے مراد وہ اضافہ ہے جو سرمایہ کے علاوہ مدت کے مقابلہ میں وصول کیا جاتا ہے۔

دور حاضر کے بعض مفکرین کا خیال ہے کہ صدر اسلام میں سود کی صرف ایک قسم رائج تھی "قرضی" سود۔ اور اسلام نے اسی کی حرمت کا اعلان کیا ہے۔ تجارتی سود اس دور میں رائج نہیں تھا۔ اس لئے اس کی حرمت پر استدلال نہیں کیا جاسکتا۔

مجھے اس بات پر استدلال نہیں کرنا ہے کہ یہ انداز فکر اساس شریعت کو منہدم کر دیگا۔ اور جدید الخیال حضرات ہر حکم شریعت کی یہی تاویل کریں گے۔ کہ اس دور کی شراب ہے آج کی وہسکی۔ بیر وغیرہ نہیں —— اس کا مقصود اس دور کا طریقۂ زنا ہے آج کا ترقی یافتہ معاشقہ نہیں —— اس سے مراد اس دور کی چوری ہے آج کا فریب و مکر نہیں ہے —— وغیرہ

مجھے صرف یہ کہنا ہے کہ آیت شریفہ میں انما البیع مثل الربوا اور اس کے ساتھ احل اللہ البیع وحرم الربوا اس بات کا ثبوت ہے کہ دور قدیم میں بھی "ربا" کا استعمال بیع و شرا کے ساتھ ہوا کرتا تھا اور قرض کی کوئی تخصیص نہیں تھی۔

یہی وجہ ہے کہ معترض قوم نے "ربا" کو بیع کے مانند قرار نہیں دیا بلکہ بیع کو "ربا" کے مانند قرار دیا ہے۔ یعنی اگر اضافہ کوئی عیب ہے تو تجارت میں قیمت کا اضافہ بھی عیب ہونا چاہیئے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اور جب اضافہ میں کوئی مضائقہ نہیں تو ہم جنس اور قرض و غیر قرض کے فرق کے کیا معنی ہیں — ؟

اس مسئلہ کی تفصیلی بحث آئندہ منازل پر کی جائے گی ——— اس مقام پر صرف یہ وضاحت مطلوب ہے کہ شریعت کے نقطۂ نظر سے دونوں قسم کے سود میں ایک بنیادی فرق ہے۔

تجارتی سود میں مال اور قیمت کا ناپ تول کے لائق ہونا ضروری ہے۔ اور ان کے علاوہ دیگر اجناس کی کمی زیادتی میں سود نہیں ہوتا۔ اور قرض میں ایسی کوئی شرط نہیں ہے۔ وہاں ہر شے کی زیادتی ضرر رکھتی ہے۔ اور معاملہ کو سرحد حرمت تک پہنچا دیتی ہے۔

شاید اس کا ایک فرق یہ بھی ہو کہ قرض میں اضافہ کی بنیاد مدت ہے۔ اور اسلام مدت کی کوئی قیمت لگانے کے لئے تیار نہیں ہے۔ یہ کاہلی کا بہترین وسیلہ ہے جو اسلام جیسے دین عمل کے لئے ناقابل برداشت ہے۔

مدت کے غیر دقیع ہونے کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ اسلام نے مدت پر اضافۂ مال کے بجائے مزید ٹیکس عائد کر دیا ہے۔ اور یہ اعلان کر دیا ہے کہ اگر مال سال بھر رکھا رہ جائے تو زکوٰۃ و خمس کی ذمہ داریاں بھی عائد ہو جاتی ہیں۔

کھلی ہوئی بات ہے کہ جو مذہب مال کے روک لینے کو ایک جرم تصور کرتا ہو وہ ایک 'روک لینے' پر اضافہ کو کیونکر برداشت کرے گا۔ رہ گیا یہ مسئلہ کہ تجارت میں سودی اجناس کے لئے ناپ تول (والی جنس ہونا) کیوں شرط ہے۔ گن کر فروخت ہونے والی چیزوں کی زیادتی کو سود کیوں نہیں شمار کیا گیا ——— ؟

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ دور قدیم میں بلکہ آج بھی اہم تجارتی اجناس کا کاروبار ناپ اور تول کے ذریعہ ہی ہوا کرتا ہے۔ شمار وغیرہ کا ذریعہ شاذ و نادر ہی استعمال کیا جاتا ہے۔

اسلام کا منشا یہ تھا کہ بازاروں سے سود کا خاتمہ کر دیا جائے اور انسانی سماج کو اس لعنت سے نجات دلا دی جائے ——— اور کھلی ہوئی بات ہے کہ سودی کاروبار کا زیادہ حصہ قرض کے ذریعہ چلا کرتا ہے۔ وہیں معقول شرح سود ملتی ہے۔ وہیں سود کا فائدہ بھی ہوتا ہے۔ تجارت میں قیمت یا جنس کو سامنے رکھنے کے بعد سودی کاروبار کرنے سے کیا فائدہ ؟

لیکن ساتھ ساتھ خطرہ یہ تھا کہ سودی قرض پر پابندی لگنے کے بعد لوگ تجارت کو ذریعہ بنائیں گے اور اُدھار خرید و فروخت کے ذریعہ سودی قرض کو پورا کریں گے ——— اس لئے اس نے تجارت پر بھی پابندی لگا دی اور اہم اجناس میں سود حرام کرنے کے بعد کسی حد تک آزادی باقی رہنے دی۔ تاکہ ذہن بشر میں یہ بغاوت نہ پیدا ہونے پائے کہ اسلام سماجی ترقی کا دشمن اور بشری ارتقا کا حریف ہے۔

لیکن یہ واضح رہنا چاہیئے کہ اس مسئلہ میں اسلام بیحد محتاط ہے وہ صرف شکل معاملہ پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ معاملات کی تہہ میں اتر کر اس کی روح کا اندازہ کرنا چاہتا ہے ——— وہ ان معاملات کو بھی پسند نہیں کرتا

جن کی شکل تجارت کی ہوتی ہے اور حقیقی اعتبار سے قرض کا مرتبہ رکھتے ہیں۔

مثال کے طور پر بعض ارباب نظر نے سودی قرض کے لئے یہ پہلو بھی نکالا ہے کہ اسلام ناپ تول کے علاوہ دیگر اشیا کی تجارت میں سود کا قائل نہیں ہے اور کمی وزیادتی کو جائز سمجھتا ہے۔ اور کھلی ہوئی بات ہے کہ آج کے نوٹ نہ ناپنے کی چیز ہیں نہ تولنے کی ۔ تو کیوں نہ ایسا کیا جائے کہ سو روپیہ ادھار دے کر دو سو روپے لینے کے بجائے سو روپیہ کو اُدھار دو سو روپیہ کے عوض سال بھر کے وعدہ پر بیچ دیا جائے اور نتیجہ میں سال بھر کے بعد جائز طریقہ سے سو روپے کا اضافہ وصول کر لیا جائے۔

ان حضرات نے یہ غور نہیں کیا کہ یہ معاملہ شکل وصورت میں تجارت ضرور ہے ـــــ لیکن روح وجوہر کے اعتبار سے قرض ہے۔ اور اسلام ان مسائل میں کسی حیلہ اور بہانہ کو برداشت نہیں کرتا ـــــ وہ روح معاملہ کو دیکھ کر حرمت کا حکم لگا دیتا ہے۔ اور ایسے کسی معاملہ کو پسند نہیں کرتا۔

نوٹ کا یہ تبادلہ قطعی حرام ہے۔ حیلہ و بہانہ سے اسے حلال نہیں بنایا جا سکتا۔

یہیں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام نے ناپ تول والی اشیاء میں زیادتی کو شکلی اعتبار سے حرام کر دیا ـــــ اور سکوں میں سود کو روح و جوہر کے اعتبار سے حرام قرار دیدیا۔ اب اگر اس کے بعد کوئی معمولی چیز باقی رہ بھی جاتی ہے تو اس کے سود سے انسانی سماج یا معاشرتی معاملات پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

فلسفۂ قرض

ایک بنیادی سوال یہ ضرور رہ جاتا ہے کہ اسلام سودی قرض کے معاملے میں اس قدر محتاط کیوں ہے۔ اور دیگر مسائل کی طرح صرف ظاہر پر اکتفا کیوں نہیں کرتا۔ قرض پر سود لینا اتنا بڑا جرم ہے کہ جس معاملہ میں یہ روح پیدا ہو جائے وہی معاملہ حرام ہے چاہے اس کی شکل تجارت اور مصالحت ہی کیوں نہ ہو ـــــ ؟

اس کا جواب اسلام کے پورے نظام کی روحانی قدروں پر توجہ دینے کے بعد ہی واضح ہو سکے گا۔

اسلام صرف ایک عبادتی دستور یا معاشیاتی نظام نہیں ہے۔ وہ ایک مکمل ضابطۂ زندگی ہے۔ جس نے اپنے دامن میں زندگی کے ہر شعبہ کو سمیٹ لیا ہے ـــــ انسانی فطرت کا کوئی اُلجھاؤ اور بشری زندگی کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں ہے جس کا حل اسلام کے قوانین میں موجود نہ ہو۔

قرض بھی اسلامی احکام میں ایک تاکیدی حکم ہے اور قرض کا سود بھی اسلامی محرمات میں بدترین حرام ہے۔ قرض کا فلسفہ تلاش کرنا ہے تو اسلام کے اجتماعی قوانین پر نظر کرنا پڑے گی۔ اجتماعیت ہی اس مسئلہ کا حل اور سماجی زندگی ہی اس حکم کی بنیاد ہے۔

اجتماعیات کا مسلم مسئلہ ہے کہ انسان فطری طور پر اجتماع پسند پیدا ہوتا ہے وہ انتہائی وحشی اور مضطرب ہونے کے بعد بھی تنہا زندگی گذارنے پر قادر نہیں ہے۔ خالق فطرت نے اس کی فطرت میں ایک مخصوص لچک رکھی ہے جس کے ہوتے ہوئے وہ تنہائی پر صبر نہیں کر سکتا ——— روز اول سے بشری تاریخ کا جائزہ لیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ انسان نے ضروریات زندگی کے انتہائی محدود ہونے کے دور میں بھی تنہا زندگی نہیں گزاری اور اسے ایک امر دشوار تصور کیا ہے۔ چہ جائیکہ آج کے دور میں جبکہ زندگی کی بنیادی ضرورتوں نے بھی حیات بشر کو بیحد پیچیدہ بنا دیا ہے اور ہر مرحلۂ زندگی ایک مستقل الجھاؤ بن کر رہ گیا ہے۔

انسان کی فطری اجتماعیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ تمام لوازم زندگی کو تنہا فراہم نہیں کر سکتا۔ ایک انسان اپنی زندگی میں روٹی بھی چاہتا ہے اور کپڑا بھی۔ مکان کا طلبگار بھی ہے اور اطمینان کا بھی ——— اور یہ ناممکن ہے کہ تن تنہا زراعت کر کے روٹی بھی فراہم کرے اور اسی لمحہ میں کپڑا بھی تیار کرے مکان بھی بناتا رہے اور دیگر اسباب اطمینان بھی تلاش کرتا رہے۔

ضرورت ہے کہ دیگر ابناء نوع سے مدد مانگے اور پوری برادری کے سہارے سامان حیات مہیا کرے اسی کا نام اجتماعیت ہے اور یہی انسانی زندگی کی حقیقی بنیاد ہے۔

(آپ تصور کر سکیں تو کریں۔ اس پہلے انسان کے بارے میں جس نے روئے زمین پر اس عالم میں قدم رکھا ہوگا جب انس والفت کا کوئی سامان نہ رہا ہوگا۔ اور ہر طرف ایک ہو کا عالم اور عدم کا سناٹا رہا ہوگا۔ ایسے وقت میں کسی غیبی ہستی کا سہارا نہ ہوتا تو انسان کا دم گھٹ جاتا اور وہ روز اول ہی موت کے گھاٹ اتر جاتا۔ مجھے اس مقام پر توحید کے مسائل کا تذکرہ مقصود نہیں ہے۔ یہ ایک جملہ معترضہ تھا جس کا ہر آغاز حیات کی بحث میں آجانا ناگزیر ہے۔)

انسانی زندگی کے فطری طور پر اجتماع پسند اور باہمی تعاون کی پابند ہو جانے کے بعد تازہ مسئلہ یہ سامنے آتا ہے کہ اس تعاون کی بنیاد کیا ہے۔ ——— ؟ اور انسان کیونکر ایک دوسرے سے ہمدردی کرے گا۔؟

اس کا سیدھا سا جواب تو یہ ہے کہ فطرت نے پوری نوع انسان کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کر کے ہر شخص کے دل میں جذبۂ اخوت و برادری پیدا کر دیا ہے۔ تاکہ اس کے سہارے ایک دوسرے کی مدد کرتا رہے۔

اس کے بعد ہر ایک کو دوسرے کا محتاج بنا دیا ہے تاکہ بے نیازی غرور و تکبر کی بنیاد نہ بن سکے ——— ایک آدمی دوسرے کے کپڑے کا محتاج ہے تو وہ اس کی روٹی کا ——— یہ تعمیر مکان میں غیر کا محتاج ہے تو وہ سامان اطمینان میں۔

لیکن اس کے بعد بھی یہ امکان ہے کہ اگر ایک شخص کے ضروریات زندگی دوسرے سے زیادہ ہوں اور وہ اپنے ضروریات میں غیر معمولی طور پر محتاج ہو جائے اور جس کی احتیاج پیدا ہوئی ہے وہ اس کا محتاج نہ ہو —— تو ایسے حالات میں وہ دوسرے کی امداد سے انکار کر دے گا۔ اور تکبر کے مفاسد و نتائج سامنے آجائیں گے۔

مذہب کا فرض ہے کہ فطرت سے بچے ہوئے مسائل کا حل خود تلاش کرے اور جن مسائل کے علاج میں فطرت خود کفیل نہیں ہے ان کا مداوا کرے۔

اسلام نے اسی نکتہ کو پیش نظر رکھ کر انسانی سماج میں قرض کے بنیادی مسئلہ کو اہمیت دی۔ اور یہ بتایا کہ جب بھی کوئی شخص اپنی ضروریات کا خود کفیل نہ ہو سکے تو دوسرے کا فرض ہے کہ وہ اس کی پوری پوری مدد کرے۔

قرض اسلامی نظام کی ایجاد نہیں ہے اسلام کے پہلے بھی مختلف سماجوں میں اس کا وجود پایا جا رہا تھا لیکن اسلام نے اس کا جدید فلسفہ معین کر کے اسے دنیا کے دوسرے نظاموں سے الگ کر لیا۔

عرب سماج میں قرض ایک کاروبار کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس کی نوعیت زیادہ سے زیادہ تعلقات برقرار رکھنے کی تھی اس کا شمار کسی اعتبار سے انسانی حقوق میں نہ تھا —— اسلام نے قدم رکھتے ہی انسان کی اجتماعی احتیاج کے پیش نظر قرض کو ایک اخلاقی فرض اور بنیادی حق قرار دیدیا۔

اس کا کھلا ہوا اعلان ہے۔ فویل للمصلین الذین ھم عن صلوٰتھم ساھون الذین ھم یراؤن ویمنعون الماعون (ان نماز گذاروں کے لئے ویل ہے جو نماز سے غافل رہتے ہیں۔ ریاکاری کرتے ہیں۔ اور دوسروں کو ظروف دینے سے انکار کر دیتے ہیں۔

نماز جیسی عبادت کے ساتھ ظروف نہ دینے کا تذکرہ اسلامی اجتماعیت کا کھلا ہوا ثبوت ہے اور ظاہر ہے کہ جو اسلام عاریت نہ دینے پر "ویل" کا قائل ہے وہ قرض نہ دینے کو کتنا بڑا عیب سمجھتا ہوگا۔

قرض کے انسانی حق ہونے کا ایک بڑا ثبوت یہ بھی ہے کہ اس نے قرض کے ساتھ عام معاملات جیسا برتاؤ برداشت نہیں کیا ہے اس کا قانون ہے وان کان ذوعسرۃ فنظرۃ الیٰ میسرۃ (اگر مقروض تنگ حال ہو تو وسعت حال کا انتظار کرنا چاہیئے اور اسے اتنی مہلت دینی چاہیئے۔)

جس کا مطلب ہی یہ ہے کہ کوئی کاروبار نہ تھا۔ صرف ایک انسانی حق تھا جسے صاحب استطاعت نے ادا کر دیا۔ اب جب دوسرا شخص صاحب استطاعت ہو جائے گا تو وہ اپنے سماجی حق کو ادا کرے گا

اسلام نے قرض کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ خیرات میں دس گنا ثواب ملتا ہے اور قرض میں ۱۸ گنا۔" اور اس کا فلسفہ یہ بیان کیا گیا کہ خیرات کا مال صرف ایک صاحب ضرورت کے ہاتھ میں جاتا ہے اس کے بعد خرید و فروخت کی راہوں میں لگ جاتا ہے ضرورت مند کی قید نہیں رہ جاتی

لیکن قرض کے مال میں یہ احتمال رہتا ہے کہ پلٹ کر کسی صاحبِ ضرورت کی جیب میں جائے گا اور دوبارہ بطور قرض دے دیا جائے گا۔

اس کے بعد یہ کہنے کی ضرورت نہیں رہ جاتی کہ جس مذہب نے قرض کو انسانی حق اور اخلاقی فرض کا درجہ دیا ہے وہ یہ کیونکر برداشت کر سکتا ہے کہ اسے کاروبار کی حیثیت دے کر سود پہ اٹھایا جائے اور غرضمند کی ضرورت سے ناجائز فائدہ حاصل کیا جائے۔

اسلام کی نظر میں دوسرے کی مجبوری سے فائدہ اٹھانا انسانیت سوز اور انتہائی غیر اخلاقی جرم ہے۔ یہ مادیت پرست نظاموں میں تو جائز ہو سکتا ہے لیکن اخلاق پرست مذہب میں قطعی جائز نہیں ہو سکتا۔

حکومت کا طرزِ عمل

حیرت کی بات ہے کہ آج کی حکومتیں ایک طرف اپنے عوام کو سود قرضہ دینی اور جنگ وغیرہ کے مواقع پر ان سے سود پر قرضہ لینی ہیں اور دوسری طرف سماجی ہمدردی اور اجتماعی تعاون کی باتیں کرتی ہیں۔

یہ بات انتہائی مہمل اور بے معنی ہے۔ سود کی بنیاد خود غرضی اور مفاد پرستی پر ہے۔ سود خوار سے کسی ہمدردی یا تعاون کی امید رکھنا "خیال است و محال است و جنوں" کے مرتبہ میں ہے۔ سماج کو سود کا عادی بنا دینے کے بعد اس سے ہمدردی کی توقع نہیں کی جا سکتی۔

یہی وجہ ہے کہ ملک پر حملہ ہو جانے کے باوجود عوام سود ہی کی امید میں قرضہ دیتے ہیں اور یہ سوچنے کی زحمت نہیں کرتے کہ ملک اپنے وطن سے ہٹ کر کوئی چیز نہیں ہے۔ اس کی تباہی اپنی تباہی ہے اور اس کی شکست اپنی شکست۔

یہ اسلام ہی کا اعجازی طریقہ تعلیم تھا کہ اس نے ہر مرحلہ پر اجتماعی تعاون کو پیش نظر رکھتے ہوئے "ملکی دفاع" کو واجب عینی قرار دیدیا اور اس کے لئے کوئی فوج یا لشکر کی قید نہیں رکھی۔

مسیحیت کی تاریخ گواہ ہے کہ صلیبی جنگوں کے دوران جب فوج کی حالت تباہ ہونے لگی اور مزید تیاریوں کے لئے دولت و سرمایہ کی ضرورت محسوس ہوئی تو گرجا والوں نے بھی سود کے بغیر کوئی امداد نہیں کی۔

سوچنے کی بات ہے کہ ایک طرف یہ دنیاوی یا "نام نہاد" سماوی نظام ہیں اور ایک طرف اسلام کا الٰہیاتی دستور ہے جس میں اس قسم کے کسی فساد کا امکان نہیں ہے۔ اس نے روز اوّل ہی سے سود

خوار کی جڑوں کو اکھاڑ کر پھینک دیا ہے — تاکہ انسانی قلب کی گہرائیوں میں یہ بیماری جڑ نہ پکڑنے پائے۔ ورنہ شدید ترین مواقع پر عظیم ترین دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔

زیر نظر کتاب کی تحریک اسی اسلامی لاشعور کا نتیجہ ہے۔ جو امت اسلامیہ کو ایک ایسے طریقۂ عمل کی دعوت دے رہا ہے جسے اختیار کرنے کے بعد دنیا کی ترقی کی دوڑ میں کسی ملک یا قوم سے پیچھے بھی نہ رہ جائے اور اجتماعی حقوق پر اثر بھی نہ پڑے۔

بات کے غیر متوازن ہو جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں یہ کہنے کی بھی جرأت کرتا کہ سودی اور غیر سودی معاشرہ در اصل انسانی اور غیر انسانی معاشرہ ہے — انسانی معاشرہ میں باہمی تعاون اور سماجی ہمدردی ہے اس میں سود کا گذر نہیں ہے۔ اور غیر اسلامی سماج میں خود غرضی، مفاد پرستی ہے۔ اس لئے اس کا کام جمع مال — افراط زر — سود خواری — اور احتکار کے بغیر نہیں چل سکتا۔

تیسری منزل

سُود اور اسلام

سود کا مفہوم اور اس کی حرمت کا اجمالی فلسفہ بیان کرنے کے بعد ان فرامین وارشادات کا تذکرہ ضروری ہے جن سے اسلام میں سود کی نوعیت کا صحیح اندازہ ہوتا ہے۔ اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ سود کی حرمت معاشی ہے یا اخلاقی — ؟ اس کے نتائج دنیوی ہیں یا اخروی — ؟ اس کا دائرہ محدود ہے یا وسیع تر — ؟

قرآن مجید میں سود کی حرمت کا تذکرہ مختلف مقامات پر بالتفصیل ملتا ہے۔ اس تذکرے سے ایک طرف حکم کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اور دوسری طرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ عرب سماج میں یہ طریقۂ کسب کس طرح جڑیں پکڑے ہوئے تھا کہ اس لعنت کو مٹانے کے لئے ایک دو اعلان کافی نہیں ہوئے بلکہ مسلسل اعلانات کی ضرورت ہوئی اور سخت سے سخت تر لہجہ اختیار کرنا پڑا۔

آیات کے ساتھ احادیث کا اضافہ کر لیا جائے تو حکم کی اہمیت اور بھی دوبالا ہو جاتی ہے — احادیث میں لہجہ کی شدت قرآن مجید کے لہجہ سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے — اس لئے کہ

آیات کا اعلان پروردگار اپنے نام سے کراتا ہے۔ اور احادیث کی نسبت اپنے حبیب کی طرف دیتا ہے۔

آیات کو سنا دینا اتنا دشوار کام نہیں ہے جتنا ظاہری حالات کی بنا پر ناشناس قوم کے سامنے احادیث کا پیش کرنا ہے۔ احادیث کے لہجے کی شدت اس بات کی دلیل ہے کہ اس مرحلہ پر رب العالمین ظاہری حالات کو بھی قابل اعتنا نہیں بنانا چاہتا۔ اور مشیت کا تقاضا ہے کہ اس حکم کا صریحی اعلان کیا جائے چاہے اس راہ میں بے پناہ مصائب ہی کا سامنا کیوں نہ کرنا پڑے۔

آیات کریمہ درج ذیل ہیں۔

(۱) الذین یاکلون الربوا لا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطان من المس ذالک بانھم قالوا انما البیع مثل الربوا واحل اللہ البیع وحرم الربوا فمن جاءہ موعظۃ من ربہ فانتھی فلہ ما سلف وامرہ الی اللہ و من عاد فاولئک اصحاب النار ھم فیھا خالدون ہ (بقرہ)

سود کھانیوالے (بروز قیامت) اسی طرح اٹھیں گے جس طرح شیطان کے مس کر دینے خبطی انسان اٹھتا ہے۔ اسلئے کہ ان لوگوں نے تجارت کو بھی سود جیسا کہدیا ہے حالانکہ خدا نے سود کو حرام کیا ہے اور تجارت کو حلال۔ اب جو بھی الٰہی نصیحت کے آنے کے بعد باز آجائے اس کے لئے گذشتہ مال حلال اور بازگشت خدا کی طرف ہے اور جو دوبارہ ایسا اقدام کرے گا وہ جہنمی ہے اور اس میں ہمیشہ رہنے والا ہے۔

آیت مبارکہ میں سود خوار کی خبط الحواسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ وہ جس طرح اس دنیا میں سود کے پیچھے خبطی ہو جاتا ہے اسی طرح روز قیامت بھی خبطیوں کی شکل میں اُٹھے گا۔ اس کے بعد سود کے فرق کو واضح کرتے ہوئے بخشش اور جہنم کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ اسلام کی نظر میں سود اور تجارت کے فرق کو محسوس نہ کرنا ایک قسم کی خبط الحواسی ہے۔ اور خبط الحواسی بھی ایسی جس کا اثر دنیا سے آخرت تک پہونچ جاتا ہے۔

آیت کے فقرات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ سود کی حرمت کا پہلا اعلان نہیں ہے بلکہ اصل مسئلہ قوم کے سامنے پیش کیا جا چکا ہے جس کے جواب میں اُن لوگوں نے یہ بات کہی ہے کہ تجارت بھی سود ہی جیسی ایک چیز ہے جس میں نفع کمایا جاتا ہے۔ اور اب قرآن کریم نے ان کی خبط الحواسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے واضح کر دیا ہے کہ اب بھی باز آجانا بہتر ہے ورنہ اس کے بعد دائمی عذاب کے سوا کچھ نہیں ہے۔

یہ آئندہ واضح کیا جائے گا کہ اسلام میں سود اور تجارت میں کیا فرق ہے؟ اور سود کی حرمت کی واقعی بنیادیں کیا ہیں۔؟

(۲) یاایہا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ وذروا مابقی من الربوٰا ان کنتم مومنین ہ فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ وان تبتم فلکم رؤس اموالکم لاتظلمون ولاتظلمون ہ

اے ایمان والو: اللہ سے ڈرو اور اگر صاحب ایمان ہو تو مابقی سود چھوڑ دو۔ ایسا نہ کرو تو خدا و رسول سے جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اور توبہ بھی کرنا چاہو تو صرف سرمایہ لو نہ ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے

آیت شریفہ میں سودی سماج کی طرف بھی اشارہ ہے اور سودی قانون کی طرف بھی۔ سماج کا یہ عالم ہے کہ ایمان لاچکے ہیں لیکن سود کا سلسلہ باقی ہے۔ اور قانون یہ ہے کہ توبہ کرنے کے بعد بھی گذشتہ سود چھوڑ دینا پڑے گا۔

سود خواری کے خدا و رسول سے اعلان جنگ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ سود خواری صرف ایک معاشی عمل نہیں ہے بلکہ اسلام کے بنیادی اصولوں کی تباہی ہے اور خدا و رسول سے نبرد آزمائی کے مرادف۔!

(۳) یاایہا الذین اٰمنوا لاتاکلوا الربوٰا اضعافا مضاعفۃ واتقوا اللہ لعلکم ترحمون۔

اے ایمان والو: دگنا چوگنا سود مت کھاؤ اور اللہ سے ڈرو شاید وہ تمہارے حال پر مہربان ہو جائے

"دگنا چوگنا" کا لفظ سن کر بعض لوگوں کو یہ توہم ہوتا ہے کہ معمولی مقدار میں سود لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور دور حاضر میں جو سود رائج ہے وہ دس پانچ فیصدی ہی ہوتا ہے۔ "دگنا چوگنا" کبھی نہیں ہوتا۔ ایسے افراد کو یہ سوچنا چاہئے کہ اگر آیت کا تصور یہی ہے تو اس کا شمار "نعوذ باللہ" مہملات میں ہو جائے گا۔ اس لئے کہ اس میں ایک ایسے امر کی ممانعت کی گئی ہے جو نہ کبھی واقع ہوا ہے اور نہ واقع ہونے کا ظاہری امکان ہے۔ اس کا حال تو وہی ہو گا کہ کوئی حاکم اپنے ملک میں انتہائی شدت سے قانون نافذ کرے کہ "جو شخص بھی بلا وسیلہ کے ہوا میں پرواز کریگا اسے واپسی پر پھانسی دیدی جائے گی"۔ "جو اندھا بھی کتاب کے نقطے شمار کرلے گا اُسے انعام دیا جائے گا"۔ "جو زمین گیر بھی ۲۰ میل کی دوڑ لگائے گا اسے گورنر بنا دیا جائے گا"

صاحبان عقل ایسے قوانین کا مذاق اڑائیں گے۔ اتنی بڑی بڑی سزائیں، اتنے عظیم انعامات ایسے اعمال پر مقرر کئے گئے جن کا امکان بھی نہیں ہے۔

سود کی تاریخ گواہ ہے کہ وہ کبھی اصل مال سے زیادہ نہیں ہوا۔ دنیا کے ہر ملک میں ہر دور میں سود کی ایک شرح مقرر رہی ہے۔ ایک فیصدی سے لیکر ۵۰ فیصدی تک سود دیکھا اور سنا گیا ہے لیکن کسی

دور میں سو روپیہ پر دو تین سو روپیہ نہیں سنا گیا۔ اور قرآن حکیم اتنی شدت سے منع کر رہا ہے کہ العیاذ باللہ
یہ خدا اور رسولؐ سے اعلانِ جنگ ہے۔ یہ جہنم کا مستوجب ہے۔ یہ تقویٰ کے خلاف ہے۔ یہ
نحوست کی علامت ہے۔ اسے ترک کر دو۔ اسے وصول نہ کرو۔ وغیرہ۔
اور نتیجہ میں جب پوچھا گیا کہ یہ شدت کس کام کے لئے ہے۔؟ تو معلوم ہوا کہ اس کام کا سارے
سماج میں کہیں وجود نہیں ہے۔
یہ بھی واضح رہے کہ آیت کا لہجہ یہ ہے کہ ایسا کام سماج میں جاری ہے اور دو تین سو فیصدی سود
کا رواج عرب سماج کے کسی دور میں نہیں رہا ہے اور نہ آج ہے۔
اس کا مطلب یہ ہے کہ آیت کی ممانعت کا تعلق ان ظاہری معانی سے نہیں ہے جن کا تحت اللفظی
استخراج کر کے اہل غرض فریب دینا چاہتے ہیں۔ بلکہ اس آیت میں بھی دیگر آیات کی طرح سود کے انجام
کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔ فرق یہ ہے کہ دیگر مقامات پر سود کے مذہبی انجام کو بتایا گیا ہے اور اس مقام پر
سود کے دنیاوی انجام سے بھی باخبر کیا گیا ہے کہ آج جسے چند فیصدی سمجھا جا رہا ہے۔ کل یہی دُگنا چوگنا بن جائیگا
اور دھیرے دھیرے اس کی مقدار اس قدر بڑھ جائیگی کہ اصل مال کم نظر آئے گا اور سود کی مقدار زیادہ۔
یہی وہ نقطۂ امتیاز ہے جہاں سے تجارت اور سود کے راستے الگ ہو جاتے ہیں۔ تجارت کا فائدہ وقتی
ہوتا ہے اس لئے لینے والا بھی اس کی مقدار میں شرم محسوس کرتا ہے اور دینے والا بھی اس کی زیادتی کا اندازہ
کر لیتا ہے۔ لیکن سود کا فائدہ تدریجی ہوتا ہے اس لئے نہ لینے والے کو صحیح اندازہ ہوتا ہے اور دینے والا ہی
محسوس کر پاتا ہے کہ کتنی مقدار میں ادا کر رہا ہے اور نتیجہ میں کتنی مقدار ادا کرنا پڑے گی۔
حقیقت امر یہ ہے کہ قرآن کریم نے اپنے اس ارشاد میں سود کے انجام کی طرف توجہ دلائی ہے وہاں
بالواسطہ طور پر اس اعتراض کی بھی نفی کر دی ہے جو مخالفین نے حکم حرمت پر وارد کیا تھا۔ اور تجارت کو
سود جیسا قرار دیا تھا۔
قرآن کریم کا مقصد یہ ہے کہ تجارت کو سود جیسا نہیں کہا جا سکتا۔ تجارت میں دونوں کو مال دینا
پڑتا ہے اور عام طور سے دونوں غرضمند ہوتے ہیں اسلئے زیادہ فائدہ کا امکان نہیں ہے۔ اور سود میں
ایک بے نیاز ہوتا ہے اور ایک غرضمند۔ اس لئے بدنفسی کے امکانات زیادہ پائے جاتے ہیں۔
دوسری طرف تجارت کا فائدہ محسوس ہوتا ہے اور سود کا فائدہ غیر محسوس۔ اسلام اپنے قوانین
میں انہیں نازک مسائل کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہے جن کی طرف عام طور سے ذہن متوجہ نہیں
ہوتے۔

حرمت سود کی نوعیت

سود کی حرمت کے آیات پر نظر کرنے کے بعد ایک نظر ان ارشادات پر بھی ڈالنا پڑے گی جن میں سود خواری کے انجام اور سود سے حاصل ہوئی رقم کے نتیجے سے باخبر کیا گیا ہے۔

(۱) یمحق اللہ الربوا ویربی الصدقات واللہ لا یحب کل کفار اثیم ٥ (بقرہ)

اللہ سود کو مٹا دیتا ہے اور صدقہ کو بڑھا دیتا ہے۔ وہ کسی بھی کافر اور گنا ہگار کو دوست نہیں رکھتا۔

(۲) فبظلم من الذین ھادوا حرمنا علیھم طیبات احلت لھم وبصدھم عن سبیل اللہ کثیراً ٥ واخذھم الربوا وقد نھوا عنہ واکلھم اموال الناس بالباطل ٥ واعتدنا للکافرین منھم عذابا الیما ٥ (نساء)

یہودیوں کے ظلم کرنے اور راہ خدا سے روکنے اور ممنوع ہونے کے باوجود سود لینے اور ناحق لوگوں کے ناحق مال کھانے کی بنا پر ہم نے ان پر پاکیزہ چیزوں کو حرام کر دیا ہے اور کافروں کے لئے دردناک عذاب مہیا کر دیا ہے۔

(۳) وما اتیتم من ربوا لیربوا فی اموال الناس فلا یربوا عند اللہ وما اتیتم من زکوۃ تریدون وجہ اللہ فاولئک ھم المضعفون ٥ (روم)

تم لوگ جو زیادتی دیتے ہو کہ لوگوں کے مال میں اضافہ ہو جائے تو خدا کے یہاں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ اور جو زکوٰۃ دیتے ہو اللہ کے لئے اس کو خدا دُگنا چوگنا کر دیتا ہے۔

مذکورہ آیات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ پروردگار کی نظر میں مال سود انتہائی ذلیل، برباد ہونے والا اور طیبات کی حرمت کا باعث یعنی منحوس ہے اس کا شمار راہِ خدا سے روکنے اور حرام خوری کے ذیل میں ہوتا ہے بلکہ آیات کے تتمہ میں اسے ایک قسم کا کفر شمار کیا گیا ہے۔

کفر کا ضمیمہ اور کافرین کے انجام کی طرف اشارہ اس امر کی تائید کرتا ہے کہ اسلام میں سود کی حرمت ایک اخلاقی حیثیت کی حامل ہے۔ اس کی بنیاد معاشیاتی نہیں ہے۔ اس کے پیش نظر وہ اہم اخلاقی مفاسد ہیں جو سود دینے اور سود لینے سے پیدا ہوتے ہیں اور جن سے نفس انسانی خباثت کی اس منزل پر پہونچ جاتا ہے جو سرحد کفر سے قریب تر ہے۔

ان آیات کا معاشیات پر انطباق ممکن ضرور ہے لیکن اس سے حکم کی اہمیت بڑھنے کے بجائے گھٹتی نظر آتی ہے۔ بعض معاصرین نے زور بیان صرف کر کے اس حرمت کو معاشی بنانا چاہا ہے اور سود کے آخری

معاشی انجام کی طرف توجہ دلائی ہے۔ لیکن واضح سی بات ہے کہ ایسی تشریحات بلاسبب زبان اعتراض کو وا کر دیتی ہیں اور ہر آدمی اپنا ذاتی اجتہاد شروع کر دیتا ہے۔

اسلام نے نہایت وضاحت کے ساتھ اس کے اخروی انجام اور اخلاقی فساد کی طرف متوجہ کیا ہے اور اس منزل پر کوئی بھی ایسا انسان اعتراض نہیں کر سکتا جو اخلاقیات سے اتفاق رکھتا ہو یا اسلام کے نظام اخلاق سے باخبر ہے۔

آخری آیت کے بارے میں ایک احتمال یہ بھی دیا گیا ہے کہ اس کا تعلق باہمی تعلقات سے ہے اور سود سے مربوط نہیں ہے۔ اسلئے کہ آیت مکّی ہے اور سود کا حکم مدینہ میں نازل ہوا ہے۔ لیکن یہ کوئی خاص بات نہیں ہے۔ اولاً تو اس لئے کہ سورۂ روم کے مکّی ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کی تمام آیات مکّی ہوں۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ لفظ "ربا" عام طور سے ان تعلقات کے لئے استعمال نہیں ہوا ہے جن کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ یہی تعلقات مراد ہوتے تو صاف صاف کہا جاتا کہ جو مال تم لوگ باہمی تعلقات کی بنا پر دیتے ہو وہ اللہ کے یہاں نہیں بڑھتا۔ اور جو زکوٰۃ اللہ کے لئے دیتے ہو اُسے خدا بڑھا دیتا ہے۔ مال کے بجائے "ربا" کا لفظ نہ ہوتا۔ یہ لفظ اشارہ کر رہا ہے کہ اس سے ایک خاص مفہوم کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور دھیرے دھیرے سماج کو سود کے نتائج سے باخبر کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ جن آیات سے سود کی حرمت پر استدلال کیا گیا ہے ان کا لہجہ خود ہی وضاحت کر رہا ہے کہ حکم اس کے پہلے سنایا جا چکا ہے اور اب قوم کے عمل نہ کرنے کی بنا پر تاکید کی جا رہی ہے اور عمل کی دعوت مکرر دی جا رہی ہے جیسا کہ آیت نمبر ۱ و ۲ میں وضاحت کے ساتھ موجود ہے۔

آیات کریمہ کے بعد احادیث سے استدلال کی کوئی ضرورت نہیں رہ جاتی لیکن بعض اہم نکات کے پیش نظر چند احادیث کا نقل کر دینا بھی مناسب ہے۔

احادیث ربا

(۱) لیس الربا الا فیما یکال او یوزن ودرھم ربا اعظم من سبعین زنیہ کلھا بذات محرم۔ (ہدایہ صدوق)

سود صرف ناپ تول والی چیزوں میں ہوتا ہے۔ سود کا ایک درہم ستر زنا سے بدتر ہے جن میں سب کے سب محرم عورتوں کے ساتھ کئے جائیں۔

(۲) عن النبی ان اللہ عز وجل لعن اکل الربا وموکلہ وکاتبہ وشاھدیہ (امالی)

حضور کا ارشاد ہے کہ خدا سود کھانے والے کھلانے والے، کاتب، گواہ، سب پر لعنت کرتا ہے۔

(٣) یمحق اللّٰہ الربا ویربی الصدقات قال
قیل للصادقؑ قد نری الرجل یربی ویکثر
مالہ فقال یمحق اللّٰہ دینہ وان کان
مالہ یکثر (تفسیر قمی)

(۴) قد روی عن العالمؑ انہ قال انما
حرم اللّٰہ الربا لئلا یتمانع الناس المعروف

(۵) سیر برسول اللّٰہ فرای نہراً احمر
مثل الدم واذا فی النہر رجل سابح
یسبح واذا علی شاطئ النہر رجل عندہ
حجارۃ کثیرہ واذا ذلک السابح یسبح ما
یسبح ثم یاتی عند ذلک الرجل لیغفرلہ
فاہ فیلقمہ حجراً فینطلق فیسبح ثم یرجع
الیہ وکلما رجع الیہ فغرلہ فاہ فالقمہ
حجراً فسئل النبیؐ فقیل انہ اکل الربا
(دعوات الراوندی)

امام صادقؑ سے آیت کے بارے میں سوال کیا گیا کہ اکثر آدمی کا مال سود سے بڑھ جاتا ہے اور قرآن مجید نے مال سود کی تباہی کا اعلان کیسے ہے تو آپ نے فرمایا کہ مال بڑھتا ہے اور دین مٹ جاتا ہے۔

امام سے روایت کیگئی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ سود کے حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ لوگ باہمی خیر کو نہ روک سکیں۔

مرسل اعظم معراج میں تشریف لے گئے تو آپ نے خون جیسی ایک سرخ نہر دیکھی۔ نہر میں ایک شخص پیر رہا تھا۔ اور کنارے ایک شخص پتھر لئے کھڑا تھا۔ جب بھی وہ شخص کنارے آکر منہ کھولتا تھا تو اس کے منہ میں ایک پتھر مار دیا جاتا تھا۔ اس واقعہ کو مسلسل دیکھ کر آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ کیا قصہ ہے؟

جواب قدرت ملا:۔
"یہ سود خوار ہے"

مذکورہ روایات سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اسلام نے سود کو حرام کرتے وقت انسانی نفس کی اصلاح اور اس کے خیالات کی پاکیزگی کو پیش نظر رکھا تھا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ مرد مسلم کے دل ودماغ سے دو قسم کے جذبات کا قلع قمع ہوجائے ایک مفت خوری اور ایک خود غرضی۔

سود انھیں دونوں جذبات کا بہترین مظہر ہے۔ سود خوار ایک طرف تو محنت کئے بغیر رقم وصول کرنا چاہتا ہے اور دوسری طرف اس قدر خود غرض اور مفاد پرست ہوتا ہے کہ اسے صرف اپنے سود سے غرض ہوتی ہے ضرورت مند کی ضرورت سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔

اس مسئلہ کے تفصیلات آئندہ منزل میں پیش کئے جائیں گے۔ اس مقام پر اخلاقی جذبہ پر صرف اس لئے زور دیا گیا ہے کہ جو شخص اسلام کے نظام اخلاق سے اتفاق کرنا چاہے یا اس دنیا میں اخلاقی زندگی گذارنا چاہے اس کا فرض ہے کہ سود کو ترک کرے اور سود کو ترک کرنیکا لازمی نتیجہ دولت کی کمی کی شکل میں ظاہر ہوگا۔ جو ایک طرف نفس کی اصلاح کریگا تو دوسری طرف خدا اور آخرت پر اعتماد پیدا

کرائے گا۔

حبِ دولت اور خواہش مال انسان کے ذہن سے آخرت کا خیال نکال دیتی ہے جس کو قرآن حکیم نے کفر۔ عذاب الیم وغیرہ سے تعبیر کیا ہے۔

زیر نظر کتاب کے غیر سودی فارمولے میں یہ بات پہلے سے فرض کرلی گئی ہے کہ اسلام ایک نظام اخلاقیات ہے۔ وہ نفس انسانی کو طیب وطاہر بنانے کے لئے آیا ہے۔ اس نے سود کو اسی جذبہ کے تحت حرام قرار دیا ہے۔ اب اگر اس راہ میں تھوڑا بہت نقصان بھی ہوجائے تو اخلاق پرست اور سماج پرور دنیا کو یہ قربانی برداشت کرنا پڑے گی۔ مفاد پرست سے قربانی کا مطالبہ غلط ہے لیکن حیات بعد الموت پر ایمان لانے والے سے یہ مطالبہ سو فیصدی صحیح ہے۔ اس کے نقصان کی تلافی کا ایک محل موجود ہے جہاں سود در سود کے طور پر آخرت مل سکتی ہے۔

غیر سودی بینک کے فارمولے پر نظر کرتے ہوئے اس نکتہ کو پیش نظر رکھنا پڑے گا اگر اس بینک میں دنیا کے دوسرے بنکوں کے مقابلے میں کچھ نقصان بھی برداشت کرنا پڑے گا۔ اس کے بغیر اخلاقی اقدار کا پروان چڑھنا مشکل ہے اور ایک "اجتماع پرست" "آخرت نظر" سماج کا وجود میں لانا تقریباً ناممکن ہے۔

آیات واحادیث بالا پر نظر کرنے سے یہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ ان میں سود کی کوئی خصوصیت بیان نہیں ہوئی بلکہ حکم مطلق رکھا گیا ہے اور سود کو "اکل بالباطل" کے ساتھ ملا کر مفت خوری کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ وہ تجارت میں زیادتی ہو یا قرض میں۔ مہاجنی سود ہو یا تجارتی سود کسی قسم کو الگ نہیں کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ سود اور تجارت میں ایک بنیادی فرق ہے۔ تجارت ایک معاوضہ کا نام ہے اور سود بلا معاوضہ (بالباطل) رقم کمانے کا نام ہے۔ دونوں کا ایک منزل پر اجتماع ناممکن ہے۔ جہاں بھی تجارت ہوگی سود نہ ہوگا اور جہاں بھی سود ہوگا تجارت نہ ہوگی۔ حد یہ ہے کہ تجارت میں بھی اگر سود کا انداز پیدا ہوجائے تو وہ حرام ہے۔

ایک کلو گندم دیکر دس روپیہ وصول کرنا معاوضہ ہے۔ لیکن ایک کلو گندم دے کر ۲ کلو گندم وصول کرنا معاوضہ نہیں ہے۔ پہلی صورت میں ایک شئے بائع کے پاس تھی اور ایک خریدار کے پاس۔ دونوں نے اپنے اپنے مال کا معاوضہ کرلیا۔ صاحب گندم کی پیسے کی ضرورت پوری ہوگئی۔ اور صاحب رقم کی گندم کی ضرورت کا علاج ہوگیا۔ لیکن دوسری صورت میں ایسا کچھ نہیں ہے دونوں کے پاس گندم موجود ہے اور دونوں اپنی ضرورت کا علاج کرسکتے ہیں۔ اب ایک کلو مزید گندم کے مقابلہ میں نہ کوئی مال ہے اور نہ کوئی بنیادی حاجت جس کے لئے اضافہ دیا جاسکے یہ اضافہ صرف مفت خوری اور قساوت قلب ہے، جسے اسلام برداشت

نہیں کرسکتا اس لئے اس نے بیع کو ربا سے الگ کر کے ایک کو حلال قرار دیا ہے اور ایک کو حرام۔

قرض میں سود کے حرام ہونے کی وجہ بھی یہی ہے کہ معاوضہ میں ایک مال جاتا ہے اور ایک آتا ہے اور یہاں اضافہ کے عوض میں کوئی شے نہیں ہے صرف مدّت ہے جس کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ مدت کی قدر وقیمت ذاتی ہے معاشی نہیں ہے اور معاوضہ معاشیات کا مسئلہ ہے اس کا ذاتی قدر وقیمت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

چوتھی منزل

سود اور عقل

عقلی نقطۂ نظر سے سود کی حیثیت واضح کرنے کے لئے ان دلائل پر بھی نظر کرنا پڑے گی جو سود کے پرستاروں نے اس کے جواز کے سلسلے میں فراہم کئے ہیں اور جن کی روشنی میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ "سود معاشی زندگی کی ایک اہم ضرورت اور سماجی ارتقار کا بہترین وسیلہ ہے" یہ دلائل شمار کرنے کے لئے تو بہت سے ہوں گے لیکن ان کی روح دو لفظوں میں ہے۔

(۱) سود نقد رقم یا مال کا کرایہ ہے۔ انسان کو جس طرح یہ اختیار پہونچتا ہے کہ ایک مکان کسی کو دیکر اس سے کرایہ وصول کرتا رہے اور آخر میں مکان بھی واپس لیلے اسی طرح یہ اختیار بھی ہے کہ ایک من گیہوں دیکر سال بھر تک اس کا کرایہ جوڑتا رہے اور آخر میں اصل مال کے ساتھ دونوں کو وصول کر لے۔ ایک کا جائز ہونا اور دوسرے کا حرام قرار دیدینا غیر عاقلانہ اقدام ہے۔

اس دلیل کا تجزیہ کرنے کے لئے کرایے کے اصولوں پر غور کرنا پڑے گا۔ اور یہ دیکھنا ہوگا کہ تجارت اور کرایہ میں کیا فرق ہے اور دونوں کے معیار کیا ہیں۔؟ تفصیلی مباحث کا محل نہیں ہے مختصر یہ ہے کہ مادّی اموال کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) عین مال (۲) منفعت۔

مال ہر اس شے کا نام ہے جس کی طرف میلان قلب ہو۔ اب ان چیزوں کی دو قسمیں ہیں۔ اگر ان کا کوئی واقعی وجود ہے تو ان کا نام عین مال ہے جیسے مکان کے در و دیوار۔ اور اگر واقعی وجود نہیں ہے تو انہیں منفعت کہا جاتا ہے جیسے صلاحیتِ سکونت کہ اس کا کوئی وجود نہیں ہے البتہ انسان اس سے استفادہ کرسکتا ہے۔

دوسری لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ عین مال سے استفادہ اس کے کم ہوجانے پر موقوف ہے اور منفعت کے استفادہ میں مال کے کم ہونے کا کوئی سوال نہیں ہے البتہ استفادہ بہرحال جاری رہے گا۔

اس کے علاوہ تیسری قسم نہیں ہے۔

منفعت کا وجود بھی از خود نہیں ہو جایا کرتا بلکہ جب انسان ایڑی چوٹی کا پسینہ ایک کر کے مکان تعمیر کرتا ہے تو صلاحیت سکونت پیدا ہوتی ہے۔ مکان کے ایجاد کئے بغیر اس صلاحیت کے پیدا ہو جانے کا کوئی امکان نہیں ہے۔

تجارت اور اجارہ کا فرق یہ ہے کہ تجارت میں عین مال بکتا ہے اور اجارہ میں منفعت کرایہ پر دی جاتی ہے۔ اب اگر کسی مال میں عین بھی نہیں صرف ہوتا اور منفعت بھی ہاتھ نہیں آتی تو اس کا معاوضہ عقلاً درست نہیں ہے۔ نہ وہ تجارت ہے اور نہ اجارہ۔

سودی اموال کی بعینہ یہی نوعیت ہے کہ ان اموال سے نہ عینی اعتبار سے استفادہ ہوتا ہے اور نہ ان کی کوئی منفعت ہوتی ہے تو ان کے کرایہ کا کیا سوال ہے۔ عینی استفادہ کا سوال اس لئے نہیں ہے کہ مدت کے کے خاتمہ پر اصل مال کا حق محفوظ رہتا ہے اور منفعت اس لئے نہیں ہے کہ پیسہ کو خرچ کئے بغیر اس سے کوئی استفادہ ممکن نہیں ہے۔

نقد رقم کا مکان وغیرہ کے کرایہ پر قیاس کرنا بالکل غلط ہے۔ مکان میں اصل کے باقی رہتے ہوئے ایک منفعت پائی جاتی ہے اور رقم میں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اس کی منفعت ہی اس کا ختم ہو جانا ہے۔

ہاں اگر کسی آدمی نے رقم خرچ کرنے کے لئے نہیں بلکہ مکان سجانے کے لئے لی ہے تو اس کے کرایہ کا احتمال پیدا ہو سکتا ہے اس لئے کہ اب وہ رقم نہیں ہے بلکہ سامان آرائش ہے اور سامان آرائش کا کرایہ قطعاً صحیح ہے۔ اس کی منفعت خود اس کی آرائش کی صلاحیت ہے۔

(۲) سود کے جواز کی دوسری دلیل یہ ہے کہ سود کے ذریعے قوم کے معطل اموال باہر نکل آتے ہیں اور پھر انہیں تجارت کی راہ میں لگا دیا جاتا ہے۔ اس تجارت سے کاروبار کرنے والا بیشمار فوائد حاصل کرتا ہے اور کھلی ہوئی بات ہے کہ تاجر کے زحمات کے باوجود اس حقیقت سے انکار نہیں ہو سکتا کہ یہ سب صاحب مال کے مال کا کرشمہ ہے۔ مال نہ ہوتا تو یہ منافع بھی نہ ہوتے اور جب تجارت کرنے والے نے صاحب مال کے مال ہی سے اس قدر کمایا ہے تو اس کا فرض ہے کہ وہ اُسے بھی ایک حصہ دے۔

اس حصہ کا ایک فائدہ یہ بھی ہو گا کہ اس طرح آئندہ کے لئے حوصلہ افزائی ہو گی اور قومی ارتقاء معاشی خوشحالی کے راستے ہموار ہوتے جائیں گے۔

یہ دلیل اپنے مقام پر حسین اور خوبصورت ہے لیکن اس کا اصل مدعا سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس میں یہ کہیں نہیں واضح کیا گیا کہ تجارت کے فروغ کے لئے سود لازم ہے۔ یا سود ہی معاشی ارتقا کا سبب ہے۔ یہ تو سیدھے سیدھے ایک سماج کی ترجمانی کی گئی ہے کہ اس میں معطل اموال سود ہی کے ذریعے باہر آتے ہیں۔

ورنہ اگر ایک ایسا اسلامی سماج فرض کر لیا جائے جہاں سود حرام اور اس کا لین دین ہی سب کام بغیر سود کے انجام پائیں گے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس دلیل میں تجارت کے نفع کے ایک حصہ کا جواز پیش کیا گیا ہے۔ اس کا سود سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ سود اس رقم کا نام ہے جو اپنے وقت پر وصول کر لی جاتی ہے تجارت ہو یا نہ ہو۔ مال ترقی کرے یا ڈوب جائے۔ اور اس دلیل میں تجارت کے بعد کا فائدہ فرض کیا گیا ہے جو "ہماری" مضاربہ" کی تھیوری کی بنیاد ہے لہٰذا اس پر یہاں کوئی بحث نہیں کیجا سکتی۔

اس تمہید کے بعد سود کی عقلی حیثیت کو واضح کرتے ہوئے اس کی فلسفی اجتماعی اور معاشی نوعیت کا جائزہ لیا جائے گا۔

سود اور فلسفہ

فلسفی دنیا میں اس کائنات کی دو تفسیریں کی گئی ہیں۔ ایک مادی تفسیر۔ جس میں پوری کائنات صرف ایک مادّہ فرض کی گئی ہے۔ یہ ایک شعلہ ہے جو ایک دن بھڑک اٹھا تھا اور ایک دن خود بخود بجھ جائے گا۔ اس کے پیچھے نہ کوئی محرک ہے نہ سبب۔ مدبر ہے نہ متصرف۔

اور ایک معنوی تفسیر ہے جس میں مادہ کے ماسوا بھی اشیاء کا وجود ہے اور مادہ کی تحریک کا کام ایک غیر مادی ہستی انجام دے رہی ہے۔

یعنی درونِ پردۂ صد رنگ کائنات
اک کارساز ذہن ہے اک باشعور ذات

یہ دونوں تفسیریں انسان کی فکر اور اس کے نصب العین زندگی پر بیحد اثر انداز ہوتی ہیں۔ عالم کو مادّہ کا نتیجہ سمجھنے والا اسی مادہ کے لئے جیتا ہے اور اسی کے لئے مرجاتا ہے ان ھی الا حیاتنا الدنیا نموت و نحیٰی وما یھلکنا الا الدھر اور معنویت کا قائل اس حیات کو کسی کے اشارہ کرم کا نتیجہ سمجھتا ہے اور یہاں کی موت کو ایک نئی زندگی کا پیش خیمہ تسلیم کرتا ہے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

کھلی ہوئی بات ہے کہ جس کا مبدء و منتہیٰ یہی زندگی ہے اس کے تصورات تمام تر مادی ہوں گے۔ اس کے ہر عمل کا محرک مادہ ہوگا اور وہ کسی عمل سے اس وقت تک نہیں رکے گا جبتک مادی نقصان بھی پیش نظر نہ ہو۔

اور جس کا مبدء و منتہیٰ زندگی کے بجائے خالق زندگی ہوگا وہ ہر قدم ایک ایسے امانتدار کی طرح اٹھائے گا جس کے کاندھوں پر حیات کا پورا بوجھ لدا ہوا ہو اور وہ اسے منزل تک پہنچا کر اپنے بار سے سبکدوش ہونا چاہتا ہو۔ وہ ہر قدم پر ایک مسئولیت کا احساس کرے گا اور ہر قدم و سکوت میں مالک کی مرضی کو تلاش

کرے گا۔

مادی فلسفہ کا قائل حیات کو فانی سمجھنے کی بنا پر ہر لذت و آرام کو اسی دنیا میں حاصل کر لینا چاہتا ہے اور اُسے ہر آن یہ خطرہ رہتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ زندگی ختم ہو جائے اور حصول لذت و آسائش میں کوئی کسر باقی رہ جائے۔

اور روحانی اقدار و افکار پر ایمان رکھنے والا ہر لمحہ مطمئن ہے کہ اگر موت بھی آگئی تو کوئی نقصان نہ ہوگا۔ بعد الموت حیات میں ساری نعمتیں میسر آجائینگی اور عیش و عشرت کی وسیع زندگی فراہم ہو جائے گی۔

سود خواری جس مادہ پرستی کا نتیجہ ہے اور سود خوار کے ذہن میں جمع مال کی جو ہوس ہوتی ہے۔ وہ جس خود غرضی سے کام کرتا ہے اور جس انداز سے ضرورتمند کی ضرورت سے ناجائز فائدہ اٹھانا چاہتا ہے ان میں سے کوئی بات بھی روحانی فلسفہ سے ہم آہنگ نہیں۔ یہ سراسر ایک مادیت ہے جسے کسی باسواد فلسفی نے قبول نہیں کیا ہے اور صاحبان دانش نے ہمیشہ عالم کے روحانی تصور پر زور دیا ہے۔ اسلام نے بھی اس فلسفہ کو اپنایا ہے۔ اسی لئے اس نے سود کو کفر جیسی برائی سے یاد کیا ہے۔ اس کی نظر میں سود خوار اسلام کے بنیادی فلسفہ کا مخالف ہے اور بنیادوں کا مخالف باغی کہا جا سکتا ہے ہمنوا نہیں کہا جا سکتا۔

سود اور سماج

یہ واضح ہو جانے کے بعد کہ سود خواری عالم کے مادی مفہوم پر ایمان رکھنے کا نتیجہ ہے اور ہوسِ زر روحانیت سے دوری کا قہری اثر ہے۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ مادیت پر ایمان رکھنے والا ان تمام روحانی اقدار سے عاری ہوگا جن پر عالم اخلاق و تہذیبِ نفس کا سنگ بنیاد رکھا گیا ہے، وہ خود غرض بھی ہوگا اور مفاد پرست بھی۔ اس کے ذہن میں دوسروں کی مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھانا بھی ہوگا اور اپنی دولت کا بے تھاہ اضافہ بھی۔ اور یہ تمام باتیں وہ ہیں جو اچھے سماج کو جنم نہیں دے سکتیں۔ صالح سماج اور اچھا معاشرہ اسی وقت وجود میں آسکتا ہے جب خود سماج کا ڈھانچہ فطرت کا ترجمان ہو ہر شخص دوسرے کی مجبوری کا احساس کرتے ہوئے اس کے ضروریات کو پورا کرنے کی فکر کرے اور اپنے ضروریات کو پس پشت ڈال کر دوسروں کے کام آجائے۔ ایثار کا جذبہ ہو اور تواضع و انکسار کا احساس۔

سود اور معاشیات

دور حاضر میں یہ بات معاشیات کے ابتدائی مسائل میں داخل ہو چکی ہے کہ کسی شے کی قدر و قیمت کی دو قسمیں ہیں ذاتی قیمت اور قیمت مبادلہ۔

ذاتی قیمت سے مراد وہ منافع اور فوائد ہیں جو ہر شے میں ذاتی طور سے پائے جاتے ہیں لیکن انہیں تبادلہ کا معیار نہیں بنایا جاسکتا اور قیمت مبادلہ وہ خصوصیت ہے، جسے بنیاد بناکر اشیاء کا تبادلہ عمل میں لایا جاتا ہے۔

اس کے بعد یہ بات بھی تقریباً مسلمات میں شامل ہوچکی ہے کہ قیمت مبادلہ بنانے پر صرف ہوتی ہے۔ پہاڑوں کی تہ میں چھپے ہوئے جواہرات ذاتی قیمت کے حامل ہیں لیکن تبادلہ کی قیمت اسی وقت پیدا ہوگی جب انسانی محنت انہیں پہاڑوں کی تہوں سے نکال کر میدانوں میں لے آئے گی:

دریاؤں کی گہرائیوں میں رہنے والے موتیوں کی ذاتی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا لیکن ان کا تبادلہ انسانی کاوش کے بعد ہی ہوسکتا ہے۔ غرض دنیا کی ہر شے میں قیمت مبادلہ انسانی کاوش و کاہش سے پیدا ہوتی ہے۔ اور آگے بڑھ کر یہی قیمت مبادلہ ملکیت کا معیار بن جاتی ہے۔ جس نے جس قدر قیمت مبادلہ ایجاد کی ہے وہ اسی قدر مال کا مالک ہے۔ اور جو اس میدان سے جس قدر دور رہا ہے اسے ملکیت سے اتنا ہی بیگانہ کیا جائے گا۔

اشتراکیت کی نظر میں مالک اور مزدور کا سارا جھگڑا اسی ایک بنیاد پر قائم ہوا ہے۔ مالک مزدور کی محنت سے ایجاد ہونے والی قیمت اس کے حوالے نہیں کرتا اور مزدور اپنی پیدا کردہ قیمت کا مالک بننا چاہتا ہے۔ حق کس کے ساتھ ہے اور باطل پر کون ہے ۔ ؟ یہ فیصلہ اس محل کے لئے نہیں ہے۔ یہاں صرف یہ ذکر کرنا ہے کہ معاشی اعتبار سے یہ بات طے ہوچکی ہے کہ محنت کے بغیر کسی ملکیت کا تصور نہیں ہے۔

اسلام کا دائرہ ملکیت اس سے وسیع تر ہے لیکن اس نے عمل کی اہمیت کا کسی محل پر انکار نہیں کیا۔ بلکہ عمل اور محنت سے پہلو تہی کرنیوالوں کو ملعون قرار دیا ہے۔ رسول اسلام کا کھلا ہوا اعلان ہے کہ "قوم کی گردن پر بوجھ بن جانے والا مذہب کی نظر میں ملعون و مردود ہے"۔

اسلام اور اشتراکیت کے بنیادی امتیازات یہ ہیں کہ اشتراکیت محنت کے بغیر کسی قیمت مبادلہ کی قائل نہیں ہے اور اسلام میں قیمت کا معیار محنت یا اس کی مقدار نہیں ہے۔ وہ مال کی مالیت کا معیار میلان نفس ہے۔ جس شئے کی طرف جتنا نفس کا میلان اور رجحان ہوگا وہ شے اسی مقدار میں قیمتی ہوگی اور جو شئے جس قدر غیر مرغوب ہوگی وہ اتنی ہی بے ارزش اور غیر وقیع ہوگی۔

ملکیت کے بارے میں بھی اسلام کا نقطۂ نظر اشتراکیت سے الگ ہے۔ اشتراکیت قیمت ہی کو ملکیت کی بنیاد قرار دیتی ہے اور اسلام کا دائرہ ملکیت اس سے وسیع تر ہے۔ تاہم یہ مسلم ہے کہ وہ "اکل مال بالباطل" کو جائز نہیں سمجھتا اس کی نظر میں ملکیت تو بڑی چیز ہے باطل طریقہ پر کسی مال کا استعمال کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

باطل کی تفسیر کا دائرہ معاشیات کے حدود سے باہر ہو جائے گا۔ اس لئے یہاں اس کا تذکرہ

مناسب نہیں ہے۔ یہاں صرف اس قدر بیان کر دینا کافی ہے کہ باطل طریقہ پر مال کے استعمال کرنے کی سب سے نمایاں فرد ہے "بلامعاوضہ استعمال"

اِسلام کی نظر میں کوئی شئے اس وقت تک دائرہ ملکیت میں نہیں آسکتی جبتک اس کا معاوضہ نہ ادا کر دیا جائے۔ وہ محنت کی شکل میں ہو یا منفعت کی صورت میں۔ عین مال ہو یا مافی الذمہ ہو۔

معاوضہ کے بغیر معاشی حلّیت کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا۔

اس تفسیر کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ سود کسی بھی ایسے نظام میں جائز نہیں قرار پاسکتا جو عمل کی اہمیت اور محنت کی قدر و قیمت کا قائل ہو۔ سود ایک ایسی رقم کا نام ہے جس کے معاوضہ میں کوئی شئے نہیں ہوتی نہ منفعت اور نہ محنت۔

سود خوار صرف مدت کی قیمت وصول کرتا ہے جسے "اقتصادی علوم" نے ذاتی قدر و قیمت کا حامل تو تسلیم کیا ہے لیکن تبادلی قیمت کے قابل نہیں قرار دیا۔

پانچویں منزل

ختم سفر

گذشتہ صفحات میں سود کے دلائل پر تبصرہ کرتے ہوئے اس امر کی طرف اشارہ کیا جاچکا ہے کہ سود ہی سے ملتی جلتی ایک شئے اور ہے جو بظاہر سود جیسی معلوم ہوتی ہے لیکن حقیقت کے اعتبار سے اس سے بالکل مختلف ہے اور اس کا نام ہے "مضاربہ"۔

مضاربہ کا مقصد ہے کسی شخص کے مال سے کاروبار کرنا اور حاصل ہونے والے فائدہ کو فیصدی شرح کے اعتبار سے تقسیم کر لینا۔

بادی النظر میں یہ سوچا جاتا ہے کہ یہاں بھی کام کرنے والے کا حصّہ اس کی محنت کا نتیجہ ہوتا ہے لیکن صاحب مال کے حصّہ کو مال کے کرایہ کے علاوہ کیا کہا جاسکتا ہے۔؟ اور مال کا کرایہ سود کہلاتا ہے جسے اسلام نے پسند نہیں کیا۔

لیکن حقیقتًا ایسا نہیں ہے "سود" اثرات و نتائج سے بے نیاز ہو کر رقم کو کرایہ پر اٹھا دینے کا نام ہے اور "مضاربہ" میں صاحب مال اثرات و نتائج سے بے نیاز نہیں ہوتا بلکہ اسے اصل کاروبار کا جائزہ لینا ہوتا ہے۔ اس کی نوعیت، مدت، حیثیت، خصوصیت وغیرہ طے کرنا ہوتی ہے اور اس کے بعد مال دیا جاتا ہے۔

سود میں سود پر قرض لینے والا مال کا مالک ہو جاتا ہے۔ لیکن مضاربہ میں ایسا کچھ نہیں ہوتا۔ یہاں مال اپنے مالک کی ملکیت پر باقی رہتا ہے اور عامل (ایجنٹ) صرف وکالت کے طور پر عمل انجام دیتا ہے کھلی ہوئی بات ہے کہ کاروبار سے الگ ہو کر دولت کمانا اور ہے اور کاروبار میں وکیل مقرر کر کے منفعت حاصل کرنا اور۔

اثرات ونتائج کے اعتبار سے بھی سود اور مضاربہ بالکل مختلف ہیں۔ سود میں شرح منفعت محدود رقم کی شکل میں ہوتی ہے۔ ہونے والے فائدے سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ لیکن مضاربہ میں رقم نہیں طے کیجا سکتی۔ وہاں فیصدی شرح طے کی جاتی ہے تاکہ حصہ کا فیصلہ کاروبار کے خاتمہ پر کیا جائے کہ کس شخص کے حصے میں کس قدر رقم آتی ہے۔

اسلام نے مضاربہ کو سودی نظام کے بدل کے طور پر رائج کیا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ نہ اموال معطل رہنے پائیں اور نہ مفت خوری کو رواج حاصل ہونے پائے۔ درمیانی شکل یہی ہے کہ صاحب مال صرف کرے اور صاحب ہمت اپنی طاقت ومحنت صرف کرے اور نتیجہ میں حاصل ہونے والے فائدہ کو دونوں پر حسب قرارداد فیصدی کے اعتبار سے تقسیم کر لیا جائے۔

اسلام کی نظر میں یہ طریقۂ اکتساب اسقدر محبوب ہے کہ اس کے پہلے مبلّغ سرکار دو عالم حضرت محمد مصطفےٰ ؐ نے کسب معاش کے میدان میں سب سے پہلے اسی طریقۂ کار کو منتخب فرمایا ہے اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی دولت سے تجارت فرمائی ہے۔

حضور کے دست مبارک کی برکت سے یہ طریقۂ کار اسلام کو اس قدر راس آیا کہ امت کو لاکھوں کا سرمایہ بیک وقت مل گیا اور دولتِ خدیجہ اسلام کے رواج میں بڑے حصہ کی مالک ہو گئی۔

سود پر رقم اٹھانے والے اور مضاربہ میں مال دینے والے میں دو امتیازات اور بھی ہیں۔

پہلا امتیاز یہ ہے کہ سودی کاروبار کرنے والا لینے والے کے اقدامات سے آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ اسے اپنی رقم سے واسطہ ہے۔ لینے والے کو فائدہ ہو یا نقصان دولت جائز کام میں لگائی جائے یا ناجائز کام میں۔ لیکن مضاربہ میں ایسا کچھ نہیں ہو سکتا۔ یہاں صاحب مال کو فائدہ ونقصان کا لحاظ بھی کرنا پڑے گا جس کا اندازہ شرح فیصدی سے ہوگا اور عمل کی نوعیت کا جائزہ بھی لینا پڑے گا جس کا حساب ابتدائی شرائط میں کر لیا جائے گا۔

دوسرا امتیاز یہ ہے کہ سود خوار دوران مدت نگرانی سے بے نیاز ہوتا ہے اور اس کی زندگی ایک "کاہل مطلق" کی زندگی ہوتی ہے۔ لیکن مضاربہ میں یہ انداز نہیں ہے یہاں دوران مدت بھی نگرانی کرنا پڑتی ہے۔ جسے جنگ کے کلام میں بینک انجام دیتا ہے اور اس کی اجرت کے طور پر خود بھی حصہ دار بن جاتا ہے۔

بینک کے اعتبار سے بھی سودی اور غیر سودی بینک کا ایک بنیادی یہ فرق ہے کہ سودی بینکوں میں بینک ایک مستقل حیثیت رکھتا ہے جس کے نتیجہ میں صاحب مال اس کا غرضمند ہوتا ہے کہ اس سے منفعت حاصل ہو گی اور تاجر اس کا فرمانبردار ہوتا ہے کہ اسی کے قرض سے تجارت کر رہا ہے۔

لیکن غیر سودی بینک کی نوعیت اس سے بالکل مختلف ہے۔ یہاں بینک کی کوئی مستقل حیثیت نہیں ہر وہ صرف ایک واسطہ اور وکیل کی طرح کام کرتا ہے۔ نتیجہ میں صاحب مال اس کا محتاج نہیں ہوتا بلکہ وہ صاحب مال کا محتاج ہوتا ہے۔ کہ اس سے مال ملے تو وکالت کے فرائض انجام دے کر کچھ فائدہ حاصل کر سکے۔

اصطلاحات

کھلی ہوئی بات ہے کہ جب بینک کی ایک ایسی تھیوری پیش کی جائے گی جس کا وجود صفحہ ارض پر نہیں ہے تو اس کے ذیل میں ایسے الفاظ کا استعمال کرنا بھی ناگزیر ہو گا جن کا کوئی ذکر بینک کی کتابوں میں نہیں ہے۔

اس مقام پر انہیں شرعی اصطلاحات کی تشریح کی جا رہی ہے جن کا آج کی دنیا میں رواج نہیں ہے اور انہیں دریافت کئے بغیر غیر سودی بینک کی تھیوری کا سمجھنا غیر ممکن ہے۔

ثابت امانت۔ وہ اموال جنھیں فکسڈ ڈپازٹ کے طور پر جمع کیا جاتا ہے۔

متحرک امانت۔ وہ اموال جو عندالطلب رہا کرتے ہیں اور انہیں "چالو کھاتہ" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

عقد۔ وہ معاملہ ہے جس میں دو آدمیوں کا اختیار کام کرتا ہے جیسے تجارت، نکاح وغیرہ کہ ایک آدمی تاجر و خریدار۔ اور ناکح و منکوح نہیں ہو سکتا اور نہ یہ کام ایک آدمی سے انجام پا سکتا ہے۔ عقد کی دو قسمیں ہیں۔ عقد لازم اور عقد جائز۔

عقد لازم:۔ وہ عقد ہے جس کا فسخ کرنا مخصوص اسباب کے بغیر ممکن نہیں ہے جیسے نکاح تجارت وغیرہ۔

عقد جائز: وہ عقد ہے جسے بغیر کسی مخصوص سبب کے بھی فسخ کیا جا سکتا ہے جیسے وکالت وغیرہ کہ وکیل کو معاملہ تمام ہونے کے بعد بھی معزول کر سکتے ہیں۔

ایقاع۔ وہ معاملہ ہے جو صرف ایک آدمی کے اختیار سے انجام پاتا ہے جیسے طلاق کہ اسمیں زوجہ کی مرضی کی شرط نہیں ہے۔

شرط عام وہ شرط ہے جو انسان تمام معاملات سے الگ ہو کر طے کر لیا کرتا ہے۔ ایسی شرط پر عمل کرنا لازم نہیں ہے۔

شرط ضمن عقد۔ وہ شرط ہے جو کسی لازم عقد کے ذیل میں طے کی جاتی ہے۔ جیسے رومال بیچنے والا خریدار سے یہ شرط کرے کہ اس رومال کو ایک روپیہ میں فروخت کر رہا ہوں مگر شرط یہ ہے کہ ایک خط بھی لکھدیا جائے۔ اس شرط پر عمل کرنا اس وقت تک ضروری ہے جبتک عقد لازم کا سلسلہ باقی ہے۔

شرط فعل۔ ایسی چیز کی شرط کرنا جسے صاحب شرط اپنے اختیار سے انجام دے جیسے کپڑا سینے کی شرط۔

شرط نتیجہ۔ ایسی چیز کی شرط کرنا جو خود بخود شرط کرنیوالے کی طرف منتقل ہو جائے جیسے کپڑا اصل جانے کی شرط۔

حوالہ۔ مقروض کا اپنے قرض کو دوسرے شخص کی طرف منتقل کر دینا۔ حوالہ کی دو قسمیں ہیں۔ حوالہ بَرْ مقروض۔ حوالہ بَر غیر مقروض۔

حوالہ بر مقروض: کا مطلب یہ ہے کہ مقروض نے اپنے قرضخواہ کو جسکے حوالہ کیا ہے وہ خود اس مقروض کا مقروض ہو۔

حوالہ بر غیر مقروض: کا مطلب یہ ہے کہ جس کی طرف حوالہ کیا گیا ہے وہ خود مقروض نہ ہو۔ اہل شریعت کی زبان میں اسے "حوالہ علی البری" کہتے ہیں۔

وکالت۔ کسی دوسرے شخص کی طرف سے کام انجام دینا۔

اجارہ۔ کسی شئے کو کرایہ پر دینا۔ یا کسی آدمی سے مزدوری کرانا۔

جعالہ۔ کسی کام پر مخصوص رقم کا اعلان کر دینا کہ اس عمل کے انجام دینے والے کو اس مقدار میں رقم پیش کیجائے گی۔

کفالت۔ کسی مطلوب شخص کے بارے میں یہ ضمانت لینا کہ اسے بر وقت حاضر کر دیا جائے گا۔

ضمانت کسی مال کے بارے میں ادائیگی کی ضمانت لینا۔

ضمانت معاملہ وہ ذمہ داری جو کسی معاملہ کے ذیل میں آتی ہے جیسے قرض میں ادائیگی کی ضمانت یا خریداری میں قیمت کی ضمانت۔

ضمانت تلف۔ وہ ذمہ داری جو کسی کا مال تلف کر دینے کی بنا پر آتی ہے۔ یا کسی کو مال و عمل تلف کر دینے کا حکم دینے کی وجہ سے آجاتی ہے۔

مضمون القیمۃ والفائدہ۔ وہ مال جس کی اصل قیمت کی بھی ذمہ داری ہو اور فائدہ کی بھی۔ جیسے غاصب اگر وہ

مال کی قیمت کا بھی ضامن ہے اور درمیان میں تلف ہو جانے والے فوائد کا بھی۔

مضمون القیمۃ۔ وہ مال جس کی قیمت کی ضمانت ہو فائدہ کی نہیں۔

مضمون الفائدہ۔ وہ مال جس کے فائدہ کے تلف ہو جانے کی ذمہ داری ہو۔ اصل قیمت کی ذمہ داری نہ ہو

صاحب چک۔ وہ شخص جو کسی کے نام چک کاٹتا ہے۔

حامل چک۔ وہ شخص جسے نام چک لکھا جاتا ہے۔

مالک۔ وہ شخص جس نے چک یا پرونوٹ دیا ہے۔

مستفید۔ وہ شخص جس کے نام چک یا پرونوٹ لکھا گیا ہے۔

ایک وقفہ

جواز ربا سلسلۂ بحث میں "ختم سفر" سے پہلے چند لمحہ توقف کر کے ایک اہم مسئلہ پر توجہ دے لینا ضروری ہے۔

مسئلہ یہ ہے کہ مولف محترم دام ظلہ نے کتاب کے آغاز میں اس نکتہ کی طرف توجہ دلائی ہے کہ ہماری تھیوری کا تعلق کسی آسمانی بینک سے نہیں ہے اور نہ ہم اس تھیوری میں کسی "گمشدہ جنت" کی تلاش میں ہیں۔ ہمیں یہ بینک اسی سرزمین پر قائم کرنا ہے۔ اور اسی زمین پر قائم شدہ تمام بینکوں سے رابطہ کے ساتھ قائم کرنا ہے۔ ہمیں سودی سلسلے کا خاتمہ بھی کرنا ہے اور دوسرے بینکوں سے ملنے والے سود کو بھی وصول کرنا ہے۔

ضرورت ہے کہ اس مقام پر موجودہ بینکوں سے ملنے والے سود کے جواز۔ اور کچھ دیگر متعلقہ مسائل کے بارے میں بھی وضاحت کر دیجائے تاکہ ذہنوں میں کوئی الجھن نہ رہ جائے اور مسئلہ اپنے تمام فروعات کے ساتھ سامنے آجائے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جس اسلام نے سود کو محارم کے ساتھ زنا سے بدتر قرار دیا ہے جس اسلام نے سود پر عذاب الٰہی اور جہنم کی تہدید کی ہے۔ جس مذہب نے سود خوار کو کافر کے لفظ سے یاد کیا ہے۔ جس قانون نے سود خوری کے جملہ اقدامات پر پابندی عائد کر دی ہے۔ وہ کس طرح یہ برداشت کر سکتا ہے کہ سودی بینکوں سے سود لیا جائے۔ یا کفار سے سود لیا جائے۔ یا اولاد اور والدین کے درمیان حکم سود برطرف کر دیا جائے وغیرہ۔؟

اس سوال کا تحقیقی جواب یہ ہے کہ اسلام میں سود کی حرمت اپنے مقام پر مسلم ہے۔ اس کی نظر میں سود ایک ایسی نحوست اور خباثت ہے جو کسی وقت بھی مباح نہیں ہو سکتی۔ اس نے جن جن مقامات پر سود لینے کی اجازت دی ہے وہ صرف صوری اعتبار سے سود ہیں واقعیت کے اعتبار سے ان کا سود سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

تفصیل مسئلہ یہ ہے کہ سود مالک کی طرف سے وصول کئے جانے والے فائدہ کا نام ہے اور بینک کو قانونی طور پر مالک نہیں تسلیم کیا گیا ہے۔ بینک میں جمع ہونے والی رقم امانت کہی جاتی ہے اور امانت ہمیشہ اپنے مالک کی ملکیت پر باقی رہتی ہے۔ بینک کے پاس جس قدر بھی اموال آتے ہیں سب غیروں کے ہوتے ہیں اور ان

کے مالک الگ الگ رقم کے اعتبار سے مشکوک و مشتبہ ہو جاتے ہیں۔ اب کوئی بینک کا مینجر بھی یہ نہیں بتا سکتا کہ کون سا نوٹ کس کا ہے اور کون سا مال کس شخص سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ بہر حال مسلم ہے کہ ان اموال کے مالک بینک کے کھاتہ داروں کے درمیان ہی پائے جاتے ہیں۔ لیکن اس بھی کوئی شبہ نہیں ہے کہ ہر مال کا الگ الگ مالک غیر معلوم اور مشتبہ ہے۔

اور "مال مجہول المالک" کے بارے میں شریعت کا یہ فیصلہ ہے کہ اس کو جائز بنانے کے لئے ان تمام افراد سے مصالحت ضروری ہے جن کے درمیان ملکیت مشتبہ ہے۔ بینک کے اموال میں یہ بات ممکن نہیں ہے اور جہاں یہ بات ناممکن ہو جاتی ہے وہاں مال اپنے حقیقی مالک پروردگار یا اس کے نمائندہ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور نمائندہ الٰہی کے "سامنے" موجود نہ ہونے کی شکل میں اس کا اختیار حاکم شرع کو ہوتا ہے۔ اب اگر حاکم شرع نے اجازت دیدی ہے تو سارا مال مباح ہے ورنہ اصل کے جواز کا بھی کوئی امکان نہیں ہے چہ جائیکہ فائدہ۔

مقصد یہ ہے کہ بینک سے ملنے والا سود بعنوان سود نہیں لیا جاتا ورنہ شریعت کی نظر میں حرام ہوتا اور دنیا کی نگاہ میں مالک سے لیا جانے والا "ربا" ہوتا۔ یہ مال "مجہول المالک" کے عنوان سے لیا جاتا ہے۔ جسے حاکم شرع کی اجازت سے حلال کیا جاتا ہے۔ اور بینک سے اس کی مالکیت کے انکار کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ بینک مالک ہوتا تو "سود" اور حرام ہوتا۔ بینک مالک نہیں ہے تو سود بھی نہیں ہے اور حرام بھی نہیں ہے۔

بعینہ یہی کیفیت "کافر حربی" کے مال کی ہے کہ اسلام نے اسے عارضی طور پر معاملات کے باقی رکھنے کیلئے مالک تسلیم کرلیا ہے ورنہ کسی بھی قانون میں باغی کو مالکانہ حقوق نہیں دیئے جاتے۔

دنیاوی قوانین میں باغی بغاوت کے باوجود شہری حقوق کا مالک تصور کیا جاتا ہے۔ ورنہ نہ مقدمہ چل سکتا اور نہ سزا دی جا سکتی۔ شرعی قانون میں "کافر حربی" معاملات کی حد تک مالک تسلیم کر لیا جاتا ہے حقیقی اعتبار سے وہ "مالک" کا باغی ہے اور باغی کو واقعی ملکیت کا کوئی حق نہیں ہے۔

عارضی ملکیت کا فائدہ یہ ہے کہ جب تک وہ مال پر مالکانہ تصرف کرتا رہے گا شریعت اسے قبول کرتی رہیگی۔ اور جب وہ مال کو ملکیت سے خارج کر دیگا تو اس پر ہر مسلمان کا تصرف جائز ہو جائے گا اور یہ نہیں دیکھا جائیگا کہ جس سبب سے خارج ہوا ہے وہ سبب صحیح ہے یا غلط۔ اسلئے کہ یہ بات وہاں دیکھی جاتی ہے جہاں ملکیت مستقل ہوتی ہے اور ملکیت سے اخراج مخصوص اسباب کا تابع ہوتا ہے۔ لیکن جہاں ملکیت عارضی ہے وہاں ملکیت سے خارج فرض کر لینا بھی کافی ہے اس کے لئے کسی مخصوص شرعی سبب کی ضرورت نہیں ہے۔ حد یہ ہے کہ اگر کسی غیر اختیاری سبب کی بنا پر مال کافر حربی کے قبضہ سے نکل جائے اور وہ اسے صبر کر لے تو دوسرے انسان کو تصرف کرنے کا باقاعدہ حق ہے۔

مردِ مسلم اور کافر حربی کے اموال کا فرق یہی ہے کہ مسلمان کا مال مستقل ملکیت ہے اور کافر کا مال عارضی ملکیت۔ مستقل ملکیت اخراج کے لئے اسباب کی محتاج ہے لیکن عارضی ملکیت کو شرعی اسباب کی ضرورت نہیں ہے۔

مطلب یہ ہے کہ کافر کا مال بھی "بطور سود" حلال نہیں ہوتا بلکہ ملکیت سے خارج ہو جانے کی بنا پر حلال ہو جاتا ہے اور سود وہ مال ہے جو مالک کی طرف سے دیا جاتا ہے اور حرام ہونے کی بنا پر آخر تک مالک کی ملکیت پر باقی رہ جاتا ہے۔

پسر و پدر کے درمیان ربا نہ ہونے کا سبب اس سے کچھ مختلف ہے۔ یہاں ملکیت کے فقدان یا اس کی عارضیت کا سوال نہیں ہے۔ یہ در اصل طرفین کے کمال اتحاد کا اظہار ہے۔ گویا اسلام یہ ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ پسر و پدر عالم ظاہری میں دو ہونے کے باوجود اصل میں ایک وجود ہیں۔ پسر پدر کے وجود کی توسیع کا نام ہے اور پدر پسر کے وجود کا سنگ بنیاد ہے۔ ایسے عالم میں دونوں کو یوں الگ الگ سمجھا کہ دونوں کی ملکیت میں بھی جدائی باقی رہ جائے۔ مزاج شریعت پر بار ہے۔

شریعت اسلام کا منشا یہ ہے کہ یہ دونوں وجود متحد تسلیم کئے جائیں اور ایک کے احکام دوسرے پر بار کئے جائیں۔ باپ کا مال بیٹے کا مال ہے اور بیٹے کا مال باپ کا مال ہے۔ ان میں اضافہ و کمی کو تبادلہ کہنا ہی مناسب نہیں ہے کہ اس پر ربا کے احکام نافذ کئے جاسکیں۔

یہی حال زوجہ و شوہر کا بھی ہے۔ وہاں بھی کمال اتحاد اختلافِ ملکیت کو پسند نہیں کرتا۔ یہ مقامات اتحاد کی اخلاقی تعلیم کے موارد ہیں۔ انہیں سود کے جواز کی دلیل قرار دینا اور حرمتِ سود سے استثنار کا درجہ دینا کوئی مناسب بات نہیں ہے۔

ایک شبہ ؟

کافر سے سود لینے کے بارے میں بعض علماء اسلام نے یہ رائے قائم کی ہر کہ یہ حکم صرف کافر حربی کے لئے ہے اور آج کا کوئی کافر حربی نہیں ہے یہ زمانہ صلح و آشتی کا ہے۔ اس میں کوئی جنگ نہیں ہے اور جب کوئی جنگ نہیں ہے تو کافر کو حربی کیونکہ کہا جا سکتا ہے۔؟

لیکن یہ صرف "سابق علمار" کے آرار پر اعتماد کرنے کا نتیجہ ہے۔ باب اجتہاد کو مفتوح تسلیم کرنے کے بعد کشادہ ذہن سے سوچا جائے تو واضح ہو جائے گا کہ اِسلام میں کافر حربی کی اصطلاح ذمی کے مقابلہ میں استعمال ہوئی ہے اور جو کافر ذمی نہیں ہے اسے حربی تسلیم کیا گیا ہے۔

"ذمی" وہ کافر ہے جس سے اسلامی رہنما امام یا پیغمبر سے معاہدۂ امن ہو جائے اور وہ حسب

قرارداد عمل بھی کرتا رہے۔ اگر معاہدہ نہیں ہو سکا یا معاہدہ ہوا ہے لیکن کافر اس پر عمل پیرا نہیں ہے تو اس کافر کو بلا تردد حربی کہا جائیگا اور اس کے لئے وہ تمام احکام ہو جائیں گے جو ایک کافر حربی کے لئے ہوا کرتے ہیں۔

آج کے اہل کتاب - اہل کتاب ہونیکے رشتے سے مخصوص احکام کے حامل ہوں تو ہوں حربیت کے احکام کے اعتبار سے ان کا شمار کافر حربی کی صف میں ہی کیا جائے گا۔

اس کے خلاف باقی توہمات قابل اعتنا نہیں ہیں۔ اگرچہ بعض مفکرین نے اس مقام پر اوراق کے اوراق سیاہ کر دئے ہیں۔

والسلام علی من اتبع الہدیٰ

السیّد ذیشان حیدر جوادی

فقیہ عصر آیۃ اللہ السید محمد باقر الصدر دام ظلہ

اسلامی بینک

کا

غیر سودی نظام

— ترجمہ —

علامہ السید ذیشان حیدر جوادی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین وافضل الصلوٰۃ علی اشرف الخلق محمد وآلہ الطاہرین

بنیادی خطوط

غیر سودی بینک کی تھیوری کے خطوط معین کرتے ہوئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مقصد کے ایک اہم بنیادی نکتہ کی طرف اشارہ کر دیا جائے کہ ہمیں بحث شروع کرنے سے پہلے دو قسم کے مواقف میں امتیاز کرنا پڑے گا اور دونوں کی ذمہ داریوں کو الگ الگ رکھنا پڑے گا۔

۱۔ ایک موقف اس شخص کا ہے جو غیر سودی بینک کے خطوط کو پوری زندگی اور پورے سماج کے خطوط زندگی کے ضمن میں مقرر کرنا چاہتا ہے۔ اُس نے پورے نظام حیات کی قیادت سنبھال لی ہے اور زندگی کے ہر شعبہ پر قبضہ کر لیا ہے اب زندگی کے مختلف اسلامی شعبوں کے ذیل میں بینک کا بھی غیر سودی نظام تشکیل دینا چاہتا ہے۔ اس کے یہاں سماج بھی اسلامی ہے اور بینک بھی اسلامی۔

۲۔ دوسرا موقف اس شخص کا ہے جو غیر سودی بینک تو قائم کرنا چاہتا ہے لیکن پورے سماج کے قانون سے الگ۔!

اس کے ہاتھ میں سماج کا کوئی شعبہ اور کوئی اختیار نہیں ہے۔ اُسے اسی فاسد معاشرہ اور غیر اسلامی اجتماع میں زندگی گذارنا ہے۔ اور اسی ماحول میں بینک قائم کرنا ہے جہاں بینک اور غیر بینک ہر مقام پر سودی کاروبار چل رہا ہے اور سرمایہ دارانہ نظام، معاشیات، افکار، اخلاق بلکہ ہر شعبۂ زندگی پر چھایا ہوا ہے۔

ظاہر ہے کہ ان دونوں حالات میں بنیادی فرق پایا جاتا ہے۔

پہلی شکل میں پورے اسلامی سماج میں صرف غیر سودی بینک کے قوانین کا انطباق کرنا ہے۔ معاشرہ کی اصلاح سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ پہلے ہی سے اسلامی ہے۔

یہاں سود کی حرمت کا قانون وہ سارے فائدے پہونچا سکتا ہے جن کے لئے یہ قانون وضع ہوا تھا اور دوسرے شعبہ ہائے زندگی سے ٹکراؤ بھی نہیں پیدا ہو سکتا۔ ہر شعبۂ زندگی کا وہی مقصد ہے جو تحریم سود کا مقصد ہے اور سب کی روح وہی اسلام ہے جو اس قانون کی روح ہے۔ اور ہم اپنی کتاب "ہمارے اقتصادیات" میں واضح کر چکے ہیں کہ اسلامی قانون ایک ایسا مجموعہ ہے جسکے تمام اجزا باہمی ارتباط رکھتے ہیں اور ہر جزو دوسرے جزو کے لئے زمین ہموار کرتا ہے اور اس سے مکمل استفادہ کے مواقع بہم پہونچاتا ہے۔

اس کے برخلاف جس کے حصہ میں دوسرا موقف آیا ہے، اس کی دشواری یہ ہے کہ وہ حرمت ربا کو کسی ایک بینک پر منطبق کرنا چاہتا ہے۔ جبکہ دوسرے تمام مالیاتی ادارے اور بینک سود کی بنیاد پر قائم ہیں، اور زندگی کے تمام شعبوں میں اسلامی احکام معطل پڑے ہوئے ہیں۔

ظاہر ہے کہ احکام کی یہ تفریق ان تمام نتائج کو فراہم نہیں کر سکتی جو اسلامی سماج میں حاصل کئے جا سکتے تھے اور جن کی تحصیل اس وقت بیحد آسان تھی جب اسلامی احکام پورے سماج پر حکمرانی کر رہے تھے۔

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہر انسان اسلامی احکام کی تطبیق سے معذور اور آزاد ہو گیا ہے اور اب اُسے رائج الوقت نظام ہی پر اکتفا کر لینی چاہیئے۔

اِسلامی احکام کل کے کل واجب الانطباق ہیں اور مسلمان کا فرض ہے کہ وہ دین کے جملہ احکام کو سماج پر منطبق کرے۔ لیکن اگر کسی مقام پر معذور و مجبور ہو جائے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ باقی احکام کی ضرورت نہیں ہے۔

ضرورت بہر حال رہے گی اور بقدر امکان تطبیق کی فکر کرنا پڑے گی. شاید اسی طرح دوسرے احکام کے لئے زمین ہموار ہو جائے۔

یہاں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ پہلے موقف کو اختیار کرنے والے انسان کے لئے غیر سودی بینک قائم کرنے کی صورت میں یہ پورا پورا امکان ہے کہ وہ اس بینک سے تمام اسلامی فوائد حاصل کر لے اور اسی بینک سے اسلامی اقتصادیات کے اہم مقاصد" اجتماعی توازن"، "عادلانہ تقسیم" وغیرہ وجود میں آجائیں۔ اور دوسرے شعبہ ہائے زندگی سے کوئی تعارض بھی نہ ہو۔ اس لئے کہ ہر شعبۂ زندگی پر اسلامی قوانین ہی کی حکمرانی ہے اور پورا سماج اسی کے اشاروں پر چل رہا ہے۔

کھلی ہوئی بات ہے کہ ایک نظامِ حیات کے مختلف شعبوں میں تضاد و تعارض نہیں ہوا کرتا۔ یہ اور بات ہے کہ بعض دشواریاں دوسرے غیر اسلامی معاشروں سے ارتباط کی بنا پر ضرور پیش آئیں گی۔

لیکن یہ دوسرے موقف سے بالکل مختلف ہیں۔ وہاں تو خود موقف ہی نے حالات میں تنگی پیدا کر دی ہے اور سماج ہی رکاوٹیں پیدا کر رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے حالات میں غیر سودی بینک کی تھوری آسان نہیں رہے گی اور اس کے لئے یہ آسان ہوگا کہ اپنے انطباق کے لئے بہتر سے بہتر طریقے فراہم کر سکے۔ اس لئے کہ سارے طریقوں پر غیروں کا قبضہ ہو چکا ہے اور سماج پر سودی نظام حکومت کر رہا ہے۔ اب تو یہ اسلامی بینک بھی مجبور ہے کہ اپنی زندگی کے لئے وہ طریقۂ کار اختیار کرے جو اس ماحول اور اس سرزمین پر زندہ رہنے کے اسباب فراہم کر سکے اور اس کا تعلق دوسرے سودی بینکوں سے برقرار رہ سکے۔

سیاست فکر جدید

غیر سودی بینک کے فارمولے کے بارے میں ہماری گفتگو دوسرے موقف کے تحت ہوگی۔ اسلئے کہ زمانے کی صورت حال میں کوئی تغیر نہیں ہو سکتا۔ اور اقتصادیات۔ اجتماعیات اور فکر و سیاست کے میدانوں پر حالات اپنا پورا قبضہ جمائے ہوئے ہیں۔

ظاہر ہے کہ ہم اگر پہلے موقف میں ہوتے اور سماج ہمارے اختیار میں ہوتا تو ہمارا انداز ہی کچھ اور ہوتا لیکن! موجودہ صورت حال میں ہمارا فرض ہے کہ غیر سودی بینک کی معقول شرعی صورت کی جستجو کریں۔

اس جستجو میں کامیاب ہونے کے تین شرائط ہیں۔ ان شرائط کے بغیر صحیح صورت حال کی تشکیل ممکن نہیں ہے

۱۔ جدید بینک کو شریعت اسلامیہ کے احکام کے مخالف نہ ہونا چاہیئے۔

۲۔ بینک میں اتنی صلاحیت ہونی چاہیئے کہ اس بدترین سماج اور سودی معاشرے میں زندگی گذار کر کامیاب ہو سکے اسی کو راہ میں ایسے حالات نہ آنے پائیں جہاں اس کی شرعی صورت موجودہ نظام سے ٹکرا جائے اور اسے آگے بڑھنے کا موقع نہ مل سکے۔

ظاہر ہے کہ یہ دشواری پہلے موقف میں نہیں تھی۔ وہاں ہمارے اختیار میں تھا کہ تمام سودی ادارے بند کر دیتے اور ایسے نظام کا یکسر استیصال کر دیتے۔ سماج کے اقتصادیات۔ اجتماعیات اور فکریات ہمارے ہاتھ میں ہوتے اور ہم غیر سودی بینک کو نہایت اطمینان سے چلا سکتے۔ وہاں دوسرے قوانین کے سدّراہ ہونے کا بھی امکان نہیں تھا۔ ہر قانون امداد بہم پہنچاتا اور ہر شعبہ ترقی کے لئے زمین ہموار کرتا۔

اس بات سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ سارا مسئلہ غیر سودی بینک کی تشکیل اور اس کے اصول کی تحقیق و تفتیش کا نہیں ہے۔ اس سے بالاتر مسئلہ ایسے حالات کے پیدا کرنے کا ہے جو موجودہ نظام سے ٹکراؤ نہ پیدا ہونے دیں اور ایسے طریقۂ کار کے اختیار کرنے کا ہے جس کے بعد ترقی کی رفتار موقوف نہ ہونے پائے اور کامیابی ناکامی کا رخ اختیار نہ کر لے۔

۳۔ اسلامی شکل و صورت غیر سودی بینک کو صرف ایک تجارتی ادارہ نہ بنا دے جہاں کاروبار ہوتا رہے اور فائدہ آتا رہے۔ بلکہ ایک ایسا انداز اختیار کرے کہ بینک کو بینک کہا جائے۔ اس کی شکل و صورت اور اس کی روح بینک کی شکل و روح ہو۔ وہ اقتصادی زندگی میں وہ تمام فرائض انجام دے جو دنیا کے دوسرے بینک

انجام دیا کرتے ہیں۔ وہاں مال جمع بھی کئے جائیں۔ بڑے کاروبار کو قرض کے لون دیئے بھی جائیں۔ تجارتی صنعتی اداروں کی کمک بھی کی جائے۔ چک وغیرہ کا سلسلہ بھی رہے۔ اور ایسے حالات بھی پیدا کئے جائیں کہ لوگ اپنے اموال ایسے بینک میں جمع کرتے رہیں۔

ان سب کے علاوہ بینک ملک کے معاشیات میں نمایاں حصہ بھی لیتا ہو، اور صنعت کی ترقی میں برابر کی شرکت بھی رکھتا ہو۔ آج کی دنیا میں بینک حکومت کے مالیات میں بڑا اہم رول ادا کرتا ہے اور اسے ایک قسم کا بنیادی مالیاتی مصدر شمار کیا جاتا ہے۔

خلاصہ

شرائط و قواعد کی تفصیلات کا مختصر خاکہ یہ ہے:-

۱- بینک کو احکام شرعیہ کے خلاف نہ ہونا چاہیئے۔

۲- بینک میں اتنی طاقت ہونی چاہیئے کہ اس بدترین سماج میں زندہ رہ سکے اور اس کی حیثیت بینک ہی کی رہے۔

۳- اسلامی شکل و صورت اسے تجارتی ادارہ نہ بنا دے۔ بلکہ وہ بینک رہ کر ان تمام فرائض کو انجام دے جو دنیا کے دوسرے بینک انجام دیا کرتے ہیں۔ اقتصادی زندگی کو ترقی دے۔ صنعت کو فروغ دے۔ اور ہر ترقی پذیر ادارہ کی باقاعدہ کمک کر سکے۔

مذکورہ بالا سیاست کی بنا پر ہماری ذمہ داری یہ ہے کہ ہم اپنے فارمولے میں تینوں شرائط کا لحاظ رکھیں اور ایک ایسے بینک کا تصور قائم کریں جو مذکورہ بالا تینوں اعمال کو انجام دے سکتا ہو۔ اس کے بعد ہمارے اوپر کوئی پابندی نہیں ہے کہ ہم بینکوں کے اس طریقے کو اختیار کریں جو کمرشیل بینک اختیار کیا کرتے ہیں۔ یا اس انداز کو اپنائیں جسے کوآپریٹیو بینک اپنایا کرتے ہیں۔

ہمارا کام تقلید نہیں ہے۔ ہمارا کام ایک بینک کی تشکیل ہے۔ ایسے بینک کی تشکیل جو بینک کے جملہ ضروریات کو پورا کر سکتا ہو۔ اور سود کی لعنت سے آزاد ہو۔

سیاستِ جدید کے بنیادی خطوط

بینک کے جدید نظام کی جو سیاست طے کی گئی ہے اور جس کے شرائط سابق میں ذکر کئے گئے ہیں اس کے بنیادی خطوط ان نکات میں جمع کئے جاسکتے ہیں ۔

۱۔ بینک کے کاروبار میں انسانی عمل کی اہمیت کا اظہار کیا جائے اور یہ بتایا جائے کہ سرمایہ کی طرح انسانی محنت بھی آمدنی کا ایک مستقل ذریعہ ہے ۔

سودی بینک اپنے کو ایک سرمایہ دار شخصیت بنا کر پیش کرتا ہے اور اسی عنوان پر اپنی آمدنی کا انتظام کرتا ہے ۔ اور غیر سودی بینک اپنے کو ایک مزدور کی شکل میں پیش کر کے اس کے ذریعہ آمدنی کا اہتمام کرے گا ۔

یہ طرز فکر ایک طرف غیر سودی بینک کی آمدنی کو اجرت اور مزدوری کی شکل دیگا اور اسے اس بات پر آمادہ کریگا کہ اپنی آمدنی کے دائرہ میں اجرت کی بنیاد پر توسیع کرے ۔

اور دوسری طرف قرض کے فائدے کو سرمایہ کی اجرت قرار دیکر سود لینے سے پاک رکھے گا ۔

۲۔ اس بات کی کوشش کی جائے کہ بینک کی حیثیت مال جمع کرنے والوں اور کاروبار کرنے والوں کے درمیان ایک واسطہ کی رہے اور اس کی قانونی حیثیت ایک واسطے سے آگے نہ بڑھنے پائے ۔ رائج الوقت سودی نظام اکثر اوقات ان مساعی کی راہ میں حائل ہوگا اور بینک کو واسطہ کی حیثیت سے نکال کر طرف معاملہ بنانے کی کوشش کریگا ۔

لیکن یہ تمام باتیں مطلق طور پر ہماری تحریک کو ناکام نہیں بنا سکتیں اور غیر سودی بینک کسی نہ کسی شکل میں اسلامی جڑوں کو اپنے ساتھ قائم رکھے گا اور مسلمانوں کو آمادہ کرتا رہے گا کہ وہ غیر سودی نظام کی راہوں پر چلتے رہیں چاہے عمل کے بجائے نظری میدان ہی میں کیوں نہ ہو ۔ اس لئے کہ بینک کا غیر سودی ہونا خود بھی ایک شرف ہے جو مسلمانوں کو احکام الٰہیہ کی اطاعت کے صلہ میں ملتا رہے گا ۔

۳۔ بینک کے غیر سودی نظام میں اسلامی روح کی اشاعت کرنے والوں کو نئے تجربہ کی راہ میں قربانیاں بھی دینا پڑیں گی اور کچھ زحمتوں کا سامنا بھی کرنا پڑے گا ۔ ایسے لوگوں کو اس بات کیلئے بھی آمادہ ہونا چاہئے کہ اگر ایک مقدس نظام کی اشاعت میں کچھ فوائد کی قربانی دینا پڑے ۔ یا کچھ خطرات کا سامنا کرنا پڑے تو وہ اس کے لئے تیار رہیں ۔

دنیا کے سامنے نئے نظام کا پیش کرنا اور اس میں اسلامی پیغام کی روح پھونک دینا کوئی معمولی کام نہیں ہے۔
اس ذمہ داری کا بار سنبھالنے والے کا فرض ہے کہ وہ تجارتی رجحانات کے ساتھ "رسالتی روح" اور "عقائدی محرکات وعوامل" سے بھی آراستہ ہو۔ اور ہر آن یہ تصور کرے کہ میرا کام صرف ایک تجارتی کاروبار نہیں ہے جہاں صرف منافع پر نظر رکھی جاتی ہے۔ بلکہ پیغام الہیٰ کا بار اٹھانے اور امت کو کفر والحاد سے نجات دلانے کے سلسلے میں ایک عظیم جہاد بھی ہے۔ اور جہاد بہر حال قربانی چاہتا ہے۔ اس کے لئے مجاہد کو کچھ نہ کچھ دینا ہی پڑتا ہے۔

غیر سودی بینک کا فرض ہے کہ سود سے بھری ہوئی دنیا میں "عظیم الٰہی پیغام" کا بار اٹھانے کے لئے اس نکتہ کو بھی نظر میں رکھے کہ یہاں منفعت کا حساب صرف مالیاتی اعداد و شمار سے نہیں ہوتا بلکہ منفعت میں وہ عظیم فوائد بھی شامل ہیں جو بلند ترین "آسمانی پیغام" کو زمین پر منطبق کرنے کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں۔

یہ تصور اور یہ قربانی ایک مرد مسلم ہی سے متوقع ہوسکتی ہے۔ یہ کام ان کاروباری لوگوں کا نہیں ہے جو بینک کے "رسالتی" عنوان سے نا آشنا ہیں اور بینک کے پردے میں کسی عظیم نظام حیات کی ترویج سے ناواقف ہیں۔ انہیں وہ بلند ہمتی نصیب ہی نہیں ہے جس نے غیر سودی بینک کے پرستاروں کو اتنا بڑا تجربہ کرنے اور بینک کا جدید غیر سودی نظام پیش کرنے پر آمادہ کیا ہے۔

۴۔ غیر سودی بینک کو ایک ایسا راستہ بھی تلاش کرنا پڑے گا جس پر چل کر وہ اپنا انفرادی عمل انجام دے سکے اور سود بھری دنیا میں بلا فائدہ قرض دینے کا "مقدس" فرض انجام دے سکے۔

ظاہر ہے کہ اس راستے کی جستجو میں غیر سودی بینک کو اپنے معاملات میں امتیازی انداز اختیار کرنا پڑے گا اور عام بینکوں کے معاملات سے ہٹکر وہ جہتیں تلاش کرنا پڑیں گی جہاں ایسا کاروبار چل سکے۔

یہ راستہ اس اعتبار سے بیحد دشوار ہے کہ اس بینک کو ایک طرف سود کی لعنت سے بچنے کے لئے افراد اور جماعتوں کو فائدہ کے بغیر قرض دینا پڑے گا۔ اور دوسری طرف ان بینکوں میں سرمایہ بھی جمع کرنا پڑے گا جو اس اصول سے متفق نہیں ہیں اور غیر اسلامی ہونے کی بناپر ان کے یہاں سود کا کاروبار جاری ہے۔

گویا اس بینک کو ایسی روش اختیار کرنا پڑے گی جہاں قرض دے تو سود نہ لے لیکن دوسرے بینک میں سرمایہ جمع کرے تو سود لینے کا جواز باقی ہے اسلئے کہ وہاں تو سود لینا ہی ہوگا۔ انکا تو سارا کاروبار ہی سود پر چلتا ہے۔

اس روش کا عقلی جواز تو یہ ہے کہ غیر سودی بینک کی سود لینے کی مجبوری موجودہ بینکوں کے نظام سے پیدا ہوئی ہے اسلئے اس پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ اور اسے ہر وہ رقم لینے کا حق حاصل ہے جو طرف مقابل از خود دینے کیلئے تیار ہوجائے۔

لیکن شرعی اعتبار سے اسکے بہت سے اسباب ہیں جنہیں سب سے اہم سبب یہ فقہی مسئلہ ہے کہ غیر ذمی کافر سے معاملہ کرنے میں سود لینا جائز ہے اور اسمیں کوئی شرعی اشکال نہیں ہے۔ یہ وہ مسئلہ ہے جس پر تمام علماء شیعہ کے علاوہ علماء اسلام میں مذہب حنفی کے امام بھی متفق ہیں۔

غیر سودی
بینک کا نظام

غیر سودی بینک کے نظام کی گفتگو دو مقامات پر ہوگی

۱۔ بحث کا بنیادی نکتہ ـــــ یعنی اس طریقہ کا تلاش کرنا جسے اختیار کرنے کے بعد غیر سودی بینک کو سودی کاروبار سے نجات مل جائے۔

وہ سودی کاروبار جو آج کے موجودہ بینکوں میں ڈیپازٹ کر کے فائدہ لینے اور قرض لیکر فائدہ دینے کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ اور جس کی بنا پر اسلام اور غیر اسلام کے بینکوں میں تضاد و تناقض پیدا ہو گیا ہے۔ سودی کاروبار سے نجات اور دونوں قسم کے بینکوں میں تصادم سے چھٹکارا حاصل کرنے کیلئے یہ ضروری ہوگا کہ ہم ایک ایسا فارمولا تیار کریں جہاں رقم جمع کرنے والوں ـــ اور کاروبار کرنے والوں کے درمیان ایک ایسا رشتہ قائم ہو جائے جو ڈیپازٹ کر کے سود لینے اور قرض دے کر سود دینے کے موجودہ نظام سے نجات دلا سکے۔

(مولف کا مقصد یہ ہے کہ غیر سودی بینک کا کاروبار موجودہ نظام کی بنیاد پر نہیں چل سکتا اس لئے بینک کا ایک تازہ نظام مقرر کرنا پڑے گا جو بینک کی تمام خوبیوں پر مشتمل ہو ـ لیکن سود سے منزہ و مبرا ہو۔ "غیر سودی بینک" کا مطالبہ کرنیوالوں کا فرض ہے کہ وہ عام بینکوں کے نظام سے ذہن کو آزاد کر کے مسئلہ کی خوبی یا برائی پر بحث و تمحیص کریں ـــــــــــــ جوادی

۲۔ موجودہ بینکوں کے بنیادی اعمال و خدمات۔ اور ان کی سہولتوں کی تفصیل پیش کر کے یہ ظاہر کیا جائیگا کہ ان مسائل میں شریعتِ اسلام کی رائے کیا ہے؟ اور غیر سودی بینک کو ان معاملات میں کیا روش[1] اختیار کرنا ہوگی۔

سودی بینکوں میں ڈیپازٹ کے مسائل آمدنی کے ذیل میں زیر بحث لائے جاتے ہیں اور ان اموال کے قرض دینے لینے کے مسائل بینک کے مصارف میں زیر بحث آتے ہیں۔ یہاں اموال کا آنا الگ ایک کام ہے اور ان کا کاروبار میں لوگوں کو دیا جانا دوسرا کام ـ لیکن غیر سودی بینک میں ایسا نہیں ہے۔ یہاں ایک کام کو دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ درحقیقت آمدنی اور خرچ دونوں ایک ہی کام

---

[1] واضح رہے کہ ہم نے بحث کی ترتیب میں رائج الوقت طریقہ سے گریز کیا ہے اسلئے کہ موجودہ طریق بحث میں اولاً بینک کی آمدنی کے ذرائع پر بحث ہوتی ہے اور اس کے بعد ان اموال کے صرف کرنے پر گفتگو کی جاتی ہے۔ ہم نے اس طریقۂ کار کو ترک کر دیا ہے۔ یہ طریقۂ کار سودی نظام والے بینکوں کے لئے مناسب ہے ـــــ لیکن غیر سودی بینک کے لئے سازگار نہیں ہے۔

کے دو رُخ ہیں۔ شریعت کی اصطلاح میں اسی کا نام "مضاربہ" ہے۔ مضاربہ کے اجزاء و ارکان کو آپس میں الگ نہیں کیا جا سکتا۔ یہاں یہ ممکن نہیں ہے کہ آمدنی کو کاروبار سے الگ کر دیا جائے اور دونوں کو مستقل طور پر زیر بحث لایا جائے۔

انہیں نکات کے پیش نظر ہم نے بحث کا نیا طریقہ ایجاد کیا ہے اور رائج الوقت طریقے سے گریز کیا ہے۔ "مضاربہ" کے اجزاء آپس میں مربوط اور مرتبط ہیں۔ انہیں الگ کر دینا اصل معاملہ کی روح کو فنا کر دینے کے مرادف ہے۔

ہم پہلی منزل میں اس فارمولے کو بیان کرینگے جسے غیر سودی بینک میں رائج ہونا چاہیئے اور دوسری منزل میں ان تفصیلات کو بتائیں گے جو دورِ حاضر کے بینکوں میں پائے جاتے ہیں تاکہ ان کے بارے میں اسلام کی رائے ظاہر کی جا سکے۔

مولف

پہلی منزل

اربابِ مال اور اصحابِ عمل

کے

تعلقات کی نئی تنظیم

عام طور سے بینک کے مالیات کی تشکیل دو چیزوں سے ہوتی ہے۔

۱۔ وہ سرمایہ جس کی بنیاد پر بینک قائم ہوتا ہے اور جس میں اُن فوائد کا اضافہ ہوتا رہتا ہے جو بینک کی ملکیت بنتے جاتے ہیں اور اربابِ مال پر تقسیم نہیں ہوتے۔

۲۔ وہ امانتیں جو بینک کے حوالے کی جاتی ہیں اور جن سے بینک کی آمدنی کا ایک بڑا حصّہ تشکیل پاتا ہے۔

بینک کا سب سے بڑا کاروبار یہ ہوتا ہے کہ وہ لوگوں سے فائدہ کی شرط پر یا بلا فائدہ امانتیں قبول کرتا ہے اور پھر انہیں امانتوں کو اپنے قرضدار کاروباری لوگوں کے حوالے کر کے ان سے بیش از بیش فوائد حاصل کرتا ہے۔ بینک کا اصلی فائدہ اس تفاوت سے تشکیل پاتا ہے جو سود لینے اور سود دینے کے درمیان واقع ہوتا ہے یا اس سود سے تشکیل پاتا ہے جو قرضداروں سے لیا جاتا ہے۔ لیکن امانداروں کو نہیں دیا جاتا۔

(بینک کے امانداروں کی دو قسمیں ہیں۔ بعض لوگوں کی امانتیں ثابت ہوتی ہیں انہیں سود ملتا ہے اور بعض لوگوں کی امانتیں متحرک ہوتی ہیں تو انہیں سود نہیں ملتا)

معاشی زندگی میں سودی بینک کی سب سے بڑی اہمیت یہی ہے کہ یہ لوگوں کے پاس مال کو معطل نہیں رہنے دیتا بلکہ انہیں فائدہ کا لالچ دیکر برآمد کر لیتا ہے۔ پھر اپنے پاس بیکار نہیں رکھتا۔ بلکہ کارخانے والوں اور کاروباری لوگوں کو دیدیتا ہے تاکہ وہ اپنے کاروبار کو ترقی دے سکیں اور اپنے کارخانے چلا سکیں۔

(ظاہر ہے کہ یہ بینک نہ ہوتے تو سرمایہ اہل ثروت کے پاس مردہ پڑا رہ جاتا اور ملکی کاروبار میں ترقی کی کوئی راہ نہ نکل سکتی۔ یہ آج کے بینکوں ہی کا طفیل ہے کہ ملک کا کاروبار اس قدر تیزی سے آگے بڑھ رہا ہے اور لوگ ہنسی خوشی اپنا سرمایہ بینک کے حوالے کر رہے ہیں۔ — جوادی)

اس روشنی میں یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ بینک کے امانداروں اور قرضداروں کے دُہرے تعلقات کا خلاصہ صرف یہ ہے کہ معاشی اعتبار سے بینک دونوں کے درمیان ایک واسطہ ہوتا ہے جس کا کام ایک کا مال لیکر دوسرے

تک پہونچا دینا ہے اور بس ۔ معاشی دنیا میں اس سے زیادہ بینک کی کوئی حیثیت نہیں ہے ۔

رہ گئی قانونی شکل ، تو اس کا حساب دوسرا ہے ۔ سرمایہ دارانہ نظام نے بینک کے دُہرے تعلقات کو قانونی شکل دینے کے لئے دو مستقل قوانین کا سہارا لیا ہے ۔

ایک قانون میں اس تعلق کو دیکھا گیا ہے جو بینک اور ارباب مال کے درمیان ہوتا ہے ۔ یہاں بینک کو قرضدار فرض کیا گیا ہے اور ثروت مندوں کو قرضخواہ ۔ دوسرے قانون میں اس تعلق پر نگاہ کی گئی ہے جو بینک اور کاروباری لوگوں کے درمیان ہوتا ہے جس میں بینک ثروتمند بن جاتا ہے ۔ اور کاروبار کرنے والے قرضدار ۔

اس کا کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ سرمایہ دارانہ قوانین میں بینک سرمایہ اور کاروبار کے درمیان صرف ایک واسطہ نہیں ہے بلکہ دو مستقل قوانین کا مرکز و مصدر ہے ۔ اس کی حیثیت کو پیش نظر رکھنے کے بعد سرمایہ اور عمل میں رابطہ نہیں رہ جاتا اور امانتدار ۔ کاروبار سے بالکل الگ ہو جاتا ہے ۔

دونوں کا تعلق صرف بینک سے ہوتا ہے ۔ وہ ایک کیلئے مقروض ہوتا ہے تو دوسرے کیلئے قرضخواہ ۔ مقروض ہونے کی حیثیت سے مال جمع کرنے والوں کو فائدہ دیتا ہے (اگر ان کا سرمایہ ہر وقت برآمد کرنے کے لائق نہ ہو) اور قرضخواہ ہونے کی حیثیت سے کاروباری لوگوں سے فائدہ وصول کرتا ہے ۔ قرض و امانت کے اسی امتزاج سے پورا سودی نظام منظر عام پر آجاتا ہے جسے اسلام نے حرام اور ممنوع قرار دیا ہے ۔

ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ بینک کو اسلامی اصولوں پر چلایا جائے اور سود کے اس پورے نظام سے نجات دلا دی جائے ۔ اس لئے ہمارا فرض ہے کہ ہم امانتوں کو دو حصوں پر تقسیم کریں ۔

ایک وہ امانت جو ثابت و جامد ہوا کرتی ہے (فکس ڈیپازٹ . FIXED DEPOSIT) اور دوسری وہ امانت جو متحرک ہوا کرتی ہے (کرنٹ اکاؤنٹ . CURRENT ACCOUNT)

ثابت (فکسڈ) امانتوں میں ہم مذکورہ بالا قانونی شکل کو لغو اور مہمل قرار دیتے ہوئے امانتدار اور کاروبار کے درمیان ایک نیا رشتہ قائم کریں گے ۔ ہمارے نظام میں قانونی اعتبار سے امانتدار اور کاروبار کا براہ راست رابطہ ہو گا اور دونوں ایک دوسرے کے طرف معاملہ شمار کئے جائینگے ۔ بینک کی حیثیت صرف ایک واسطہ کی ہوگی ۔ جس کا کام ایک سے سرمایہ لیکر دوسرے تک پہونچا دینا ہے اور بس ۔ یہی بینک کی واقعی حیثیت ہے ۔

بینک کے جملہ تعلقات کو تمام قانونی شکلوں سے الگ کر کے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ حقیقت کے اعتبار سے بینک ایک واسطہ سے زیادہ کچھ نہیں ہے ۔ اس کا کام سرمایہ کو اس کاروباری انسان تک پہونچا دینا ہے جو اس سرمایے کے بغیر کاروبار نہیں کر سکتا ۔ گویا سرمایہ کو کاروباری آدمی کی ضرورت ہے اور کاروباری آدمی کو سرمایے کی ۔ بینک نے دونوں کی ضرورت کو پورا کر دیا اور خود درمیان میں پڑ کر ادھر کا مال اُدھر پہونچا دیا ۔

ہماری جدید فکر میں بھی بینک کی بالکل یہی حیثیت ہے۔ یہاں امانتدار اور کاروبار میں براہ راست رابطہ ہے اور بینک صرف ایک واسطہ کی حیثیت سے کام کرتا ہے۔

متحرک امانتوں کی حیثیت اس سے کچھ مختلف ہے اور اس کے بارے میں ہمارا نظریہ ثابت امانتوں کی بہ نسبت جداگانہ انداز رکھتا ہے۔

ابتدا میں ہماری بحث کا تعلق ثابت امانتوں سے ہوگا اور ہم یہ واضح کریں گے کہ امانتدار اور کاروبار کے درمیان براہ راست تعلق کس طرح قائم کیا جا سکتا ہے؟

اس کے بعد متحرک امانتوں کے بارے میں بحث کریں گے اور اس کے تفصیلات پر روشنی ڈالیں گے۔

تمہیدی طور پر یہ ضروری ہے کہ ثابت اور متحرک امانتوں کے معانی پر غور کر لیا جائے۔ تاکہ تفصیلی بحثوں کے سمجھنے میں دشواری نہ ہو۔

امانت ثابت و متحرک

امانت ثابت (FIXED DEPOSIT.) اس رقم کا نام ہے جسے صاحب مال بینک کے حوالے کر دیتا ہے اور اس راستہ سے بینک سے ایک خاص رابطہ پیدا کر لیتا ہے جس کے بعد برابر اُسے فوائد ملتے رہتے ہیں۔

ایسی امانت کے رکھنے والوں کے مقاصد مختلف ہوا کرتے ہیں۔ بعض لوگوں کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ رقم بینک میں پڑی رہے اور مسلسل فائدہ ملتا رہے۔ اور بعض لوگ وقت ضرورت نکال بھی لیتے ہیں اور ایسے ہی اوقات کیلئے رقم کو محفوظ کرتے ہیں۔

امانت متحرک (CURRFNT ACCOUNT.) وہ رقم ہے جسے بینک میں رکھنے کے بعد بھی ہر وقت یہ نظر ہوتی ہے کہ جب چاہیں گے بقدر ضرورت نکال لیں گے اور اس طرح ایک کرنٹ اکاونٹ تشکیل پا جائے گا۔

یہ امانت عام طور سے تاجر اور کاروباری حضرات جمع کرتے ہیں جنہیں ہمیشہ رقم نکالنے کی ضرورت پڑتی رہتی ہے۔

ایسی امانتوں میں فائدہ کا کوئی سوال نہیں ہوتا۔ بینک کی ذمہ داری صرف یہ ہوتی ہے کہ وہ ضرورت کے اوقات میں رقم دیدینے میں کوئی تکلف نہ کرے۔

امانت ثابت میں ایسا نہیں ہوتا۔ وہاں بینک فائدہ ضرور دیتا ہے لیکن رقم کے ہر وقت دیدینے کی ذمہ داری نہیں لیتا۔

قسم سوم ان دونوں قسموں کے علاوہ امانت کی ایک قسم اور بھی ہے جسے سیونگ اکاؤنٹ (SAVING ACCONT.) سے تعبیر کیا جاتا ہے اس امانت میں دونوں قسموں کے اوصاف پائے جاتے ہیں اور ایک ایک اعتبار سے اسے دونوں سے ملحق کیا جا سکتا ہے۔ اس قسم کا ایک مستقل حساب ہوتا ہے اور ایک جداگانہ دفتر۔ جس میں جملہ حسابات درج ہوتے رہتے ہیں۔

یہ متحرک امانتوں سے اسلئے مربوط ہے کہ اس میں بھی ہر وقت رقم نکال لینے کی صلاحیت ہوتی ہے اور بینک کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ وقت ضرورت مال برآمد کر دے۔

اور ثابت امانتوں سے اس لئے متفق ہے کہ اس میں بھی فائدے کے امکانات رہتے ہیں اور بینک برابر فوائد دیتا رہتا ہے۔

اس امانت میں بینک کا یہ اعلان ہوتا ہے کہ صاحبِ مال ہر وقت اپنے مال کو برآمد کر سکتا ہے اور صاحب مال کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ مال بینک میں محفوظ رہے۔ اس لئے بینک نے عمومی دلچسپی کا یہ راستہ نکالا ہے کہ صاحب مال کے دفتر میں برابر اس کا حساب درج ہوتا رہتا ہے اور اسے یہ اطمینان رہتا ہے کہ میرے مال میں اضافہ ہو رہا ہے۔

امانت کی ان تینوں قسموں کو ادنیٰ تبدیلی کے بعد دو قسموں میں سمیٹا جا سکتا ہے۔ اور وہ اس طرح کہ امانت کو دو حصوں پر بانٹ دیا جائے۔ ایک وہ امانت جو زیر طلب رہتی ہے اور جس میں ہر وقت برآمد کر لینے کا امکان رہتا ہے۔ اور ایک وہ امانت جس میں زمانے کی قید ہوتی ہے اور اس کا ہر وقت برآمد کرنا ممکن نہیں ہوتا۔

پہلی قسم کا نام امانت متحرک اور کرنٹ اکاؤنٹ ہے۔ اور دوسری قسم کی دو شکلیں ہیں۔ "امانت ثابت" اور "امانت توفیر (اضافہ)" یعنی تیسری قسم کو دوسری قسم سے ملحق کر دیا جائے۔

بنیادی طور پر ہماری گفتگو کا تعلق سابق کی دونوں قسموں ہی سے ہے۔ تیسری قسم کی بحث امانت ثابت کے آخر میں ہوگی۔ جب دونوں کے خصوصیات پر روشنی ڈالتے ہوئے دونوں کے فرق کی وضاحت کی جائے گی۔

امانتِ ثابت میں بینک کے جدید تعلقات

ثابت امانتوں کے بینک میں جمع کرنیکا سلسلہ دو منزلوں سے گذرتا ہے۔ ایک مرتبہ بینک اصحاب مال سے ان اموال کو بطور قرض لیتا ہے۔ اور دوسری منزل میں انہیں اموال کو کاروباری لوگوں کے حوالے کر دیتا ہے تاکہ وہ کاروبار کرکے بینک کیلئے منافع فراہم کرسکیں۔

اسلامی قوانین کی روشنی میں ان دونوں کاموں کو ایک ہی تعلق میں درج کیا جاسکتا ہے۔ یعنی عام سودی بینکوں میں بینک دو طرفہ تعلق رکھتا ہے۔ ایک مال دینے والوں سے، دوسرا قرض لینے والوں سے۔ اور اسلام کے قانون میں یہ دونوں تعلقات ایک تعلق کی شکل اختیار کرلیتے ہیں۔ جہاں مال دینے والا براہ راست قرض لینے والے سے مربوط ہو جاتا ہے اور بینک صرف ایک واسطہ کی حیثیت سے باقی رہ جاتا ہے۔ مذہبی اصطلاح میں اس معاملہ کو "مضاربہ" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

"مضاربہ" اسلامی فقہ میں

اسلامی فقہ میں "مضاربہ" کا مفہوم جدید علم اقتصاد کے مفہوم "مضاربہ" سے بالکل مختلف ہے!

اسلامی فقہ میں "مضاربہ" وہ مخصوص قرارداد ہے جو سرمایہ کے مالک اور کاروبار کرنے والے کے درمیان اس شرط پر ہوتی ہے کہ کاروباری آدمی صاحبِ مال سے مال لیکر کمیشن پر کاروبار کرے۔ اس طرح ایک فریق کا مال رہے اور دوسرے کی محنت۔ اور فائدے میں دونوں فریق فیصدی کے اعتبار سے حصّہ دار ہوں۔

اب اگر کاروبار میں فائدہ ہوگا تو دونوں فریق اپنی قرارداد کے مطابق فائدہ کو تقسیم کرلیں گے۔ اور اگر مال مثل سابق باقی رہ جائیگا۔ نہ فائدہ ہوگا نہ نقصان۔ تو صاحبِ مال کو پورا سرمایہ مل جائے گا اور محنت کرنے والے کی ساری محنت برباد ہو جائے گی۔ اور اگر اصل سرمایہ ہی گھٹ گیا تو اس خسارہ کی ذمہ داری مالک پر ہوگی۔ کاروبار کرنے کو ذمہ دار نہیں قرار دیا جائے گا اور نہ اس سے کوئی مزید تاوان طلب کیا جائے گا۔ (اس کی سزا کیلئے محنت کی بربادی ہی کافی ہے)

البتہ اگر ایجنٹ کو مال مضاربہ کے بجائے قرض کے طور پر دیا گیا ہے تو اس سے خسارہ کی تلافی کا مطالبہ کیا جاسکتا ہے اس لئے کہ نقصان سے قرض کے مطالبہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

لیکن ایسی حالت میں فائدہ کی صورت میں کچھ نہیں سکتا۔ اس لئے کہ قرض کا فائدہ لینا سود ہے اور

سودِ اسلام میں حرام ہے۔

(اس فرق کی تفصیل اور اس کی فقہی توجیہہ ملحقات میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے)

ارکان مضاربہ

مضاربہ کے اس جدید اسلامی تصور کے ارکان حسب ذیل ہیں۔ (ان ارکان کا معلوم کرنا اس لئے ضروری ہے کہ مضاربہ کی بنیاد پر بینک کا کاروبار چلانے والے نظام میں حقوق و شرائط۔ تعلقات کے تفصیلات انہیں ارکان کی بنیاد پر قائم ہونگی)

۱۔ وہ صاحب مال جو اپنا مال کاروبار کیلئے پیش کرتا ہے (مضارب)

۲۔ وہ کاروباری انسان جو ایجنٹ بن کر کام کرتا ہے (عامل)

۳۔ وہ بینک جو دونوں کے درمیان ایک واسطہ کی حیثیت رکھتا ہے اور صاحب مال کا وکیل بنکر اس کا مال عامل کے حوالے کرتا ہے۔

ثابت امانتوں سے مضاربہ کی بنیاد پر بینک چلانے کے لئے ان تمام شرائط کا سمجھ لینا ضروری ہے۔ جن کا ارکان مضاربہ میں ہونا ازبس کہ لازم ہے اور جن کے بغیر حقوق کی تجدید و تعیین نہیں ہوسکتی۔

شرائطِ ارکان مضاربہ

بینک۔ صاحبِ مال اور ایجنٹ کے درمیان واسطہ ہونے کی حیثیت سے اس وقت تک وساطت کا کام انجام نہیں دے سکتا جبتک صاحبِ مال اور عامل میں چند مخصوص شرائط موجود نہ ہوں۔ شرائط کی تفصیل درج ذیل ہے۔

صاحبِ مال کے شرائط

بینک کا فرض ہے کہ صاحب مال کی طرف سے وکیل بن کر اس کے مال کو صرف کرنے سے پہلے صاحب مال میں حسب ذیل شرائط کا لحاظ کرلے اور اس کے بغیر وساطت کی ذمہ داری نہ لے۔

۱۔ صاحبِ مال شرعی قانون کے مطابق یہ عہد کرے کہ اس کا مال کم از کم چھ مہینے تک بینک کے تصرف میں رہے گا۔ ورنہ اسے مضاربہ میں شریک نہیں کیا جائے گا۔ اور بینک اس کی وکالت قبول نہیں کریگا۔

۲۔ صاحبِ مال ان تمام قواعد و قوانین سے اتفاق کرے جنہیں غیر سودی بینک نے "جدید مضاربہ" کے لیے مقرر کئے ہیں اور جن کی وضاحت ابتدا ہی سے کردی جائے گی۔

۳۔ ثابت امانت رکھنے والا بینک میں ایک کرنٹ اکاؤنٹ بھی رکھے۔

آخری شرط میں حالات کے تحت تبدیلی کی جاسکتی ہے اور بینک اپنے ضروریات کے مطابق سہولت سے کام لے سکتا ہے۔ بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ ثابت امانتوں کی ضرورت کے موقع پر اصلاً اس شرط کو اٹھا دیا جائے اور لوگوں کو مزید حسابات قائم کرنے پر مائل کیا جائے۔

ان شرائط کے بعد یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ "تابت امانت" کی کوئی خاص مقدار معین کی جائے اور یہ طے کیا جائے کہ صرف خطیر رقمیں قبول کی جائیں گی ۔ بلکہ ایسی کم سے کم رقم کو بھی قبول کیا جا سکتا ہے جس سے تن تنہا "مضاربہ" کا قیام ممکن نہیں ہے اس لئے کہ بینک کے معاملات میں ہر شخص کا مضاربہ مستقل نہیں ہوتا ۔ بلکہ تمام رقوم کو ملا کر ایک کاروبار میں لگایا جاتا ہے ۔ اور سارے معاملات اموال کے اس "بحر ناپیدا کنار" سے متعلق ہو جاتے ہیں جسمیں بیشمار افراد کی بے شمار دولت جمع ہو گئی ہے ۔

ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں کسی ایک فریق کے مال کا مختصر یا حقیر ہونا اصل "مضاربہ" پر اثر انداز نہیں ہو سکتا۔

شرائطِ عامل صاحب مال کی طرح عامل کیلئے بھی چند شرائط کا ہونا ضروری ہے جن کے بغیر بینک اس کی طرف سے وکالت کا فرض انجام نہیں دے سکتا ۔ اور نہ اس کے لئے سرمایہ فراہم کر سکتا ہے ۔

۱ ۔ عامل کو امانتدار ہونا چاہیئے اور اس کی امانت و ثاقت پر کم از کم دو ایسے گواہ ہونے چاہئیں جنہیں بینک پہچانتا ہو ۔

۲ ۔ بینک کے پاس اس بات کے کافی شواہد موجود ہوں کہ عامل بینک سے لئے جانے والے قرض کو کم سے کم خطرہ کے مواقع پر صرف کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے ۔ یا کم از کم بینک کو اس کے بارے میں نیک امیدیں ہوں اور اس شخص کے پاس ایسے سابقہ تجربات ہوں جن کی روشنی میں اطمینان پیدا کیا جا سکے ۔

۳ ۔ جس کام میں عامل مال کو صرف کرنا چاہتا ہے ۔ وہ محدود اور معلوم ہو ۔ طرفین اس کے خصوصیات سے باخبر ہوں تاکہ خود بینک بھی نتائج کا اندازہ کر کے فائدہ و نقصان کا حساب لگا سکے ۔

۴ ۔ ان لوگوں کو مقدم کیا جائے جن کے معاملات بینک کے ساتھ رہ چکے ہوں اور جو اچھے سابقے بھی رکھتے ہوں ۔

۵ ۔ عامل کو ان تمام شرائط کا پابند ہونا چاہئے جو اس کیلئے بینک کی طرف سے مقرر کئے گئے ہیں مثلاً

(ا) وہ شرائط جن کا تعلق فائدہ کی تقسیم سے ہے ۔

(ب) بینک کی طرف سے انجام پانے والے پورے معاملے میں عامل کو اپنا رابطہ بینک سے رکھنا پڑیگا اور اپنا کرنٹ اکاؤنٹ بھی اسی بینک میں رکھنا پڑیگا ۔ (تاکہ بینک کو فطری طور پر کاروبار کی نوعیت کا اندازہ ہوتا رہے)

(ج) مضاربہ کے مال کو صرف کرتے وقت تمام کاغذات کو باقاعدہ طور پر مرتب رکھنا ہوگا ۔ بلکہ بعض اوقات حکومت کے آڈیٹر کی تصدیق بھی ضروری ہوگی ۔

(د) بینک کو ہر مضاربہ کیلئے الگ دستاویز مقرر کرنا ہوگی جس میں اس مضاربہ سے متعلق تمام معلومات کو ضبط کرنا ہوگا۔ اس دستاویز کی ابتدا ر مضاربہ کی قرار داد سے ہوگی۔ اور عامل کیلئے ضروری ہوگا کہ وقت مضاربہ سے آخر تک اپنے کاروبار کی سیر کے ہر لمحہ سے بینک کو باخبر کرتا رہے۔ اور بینک یہ محفوظ کرتا رہے کہ کیا سامان خریدا گیا۔؟ بازار کے بھاؤ میں کیا انقلابات آرہے ہیں۔؟ اور کیا آسکتے ہیں۔؟ خرید و فروخت کی قیمتوں کا توازن کیا ہے؟ وغیرہ بینک کے ان اطلاعات اور معلومات کے پہونچنے کے ذرائع کی تجدید خود بینک کی طرف سے ہوگی۔ وہ اس کام کیلئے مخصوص اشارات بھی مقرر کرسکتا ہے اور عامل کو یہ حق بھی دے سکتا ہے کہ وہ معاملہ کے معلومات کو ٹیلیفون کے ذریعہ بہم پہونچاتا رہے۔

اس کے علاوہ کچھ اور شرائط بھی ہوسکتے ہیں جن کا تعلق حالات اور عمل کی نوعیت سے ہوگا۔ قبل از وقت ان کی باقاعدہ تجدید نہیں ہوسکتی۔

صاحب مال اور عامل میں جملہ شرائط کی فراہمی کے بعد بینک اپنی وساطت و وکالت کا کام شروع کرے گا۔ اس کا فرض ہے کہ جس کاروبار کے لئے مال کا مطالبہ کیا جارہا ہے اس کی افادیت کا مطالعہ کرے اور باقاعدہ مطالعہ کرنے کے بعد مال عامل کے حوالے کردے۔

بینک کی ایک ذمہ داری یہ بھی ہے کہ کامیاب مضاربہ کیلئے خود بھی کوشش کرتا رہے اور لوگوں کے اموال کو معطل نہ رکھے۔ اس کے لئے یہ بھی مناسب نہیں ہے کہ خزانہ میں رقم رکھنے کی غرض سے کامیاب مضاربہ کے مواقع فراہم کرنے میں سستی سے کام لے۔ یا اپنے ذاتی اموال کے مضاربہ کو دوسرے افراد کے مضاربہ پر مقدم کردے۔

لہ اس شرط کا مطلب یہ نہیں ہے کہ غیر سودی بینک اُن تجار سے معاملہ نہیں رکھنا چاہتا جن کا باقاعدہ حساب نہیں ہے یا وہ اپنے منافع کی باقاعدہ سالانہ اطلاع نہیں رکھتے ہیں۔ جیسا کہ پسماندہ ممالک کے اکثر کاروباری لوگوں میں ہوا کرتا ہے۔

بلکہ غیر سودی بینک ایسے لوگوں سے محدود تعلقات رکھیگا۔ اور جب ان میں سے کوئی آدمی بینک سے کسی رقم کا مطالبہ کریگا کہ آج گیہوں خرید لے اور پھر موسم پر صرف کرے تو بینک اسکے کاغذات کو اس معاملہ کی حد تک نہایت درجہ مرتب اور مضبوط رکھیگا چاہے اسکے باقی معاملات کا کوئی حساب کتاب نہو۔ ہاں اگر کوئی شخص مضاربہ کی بنا پر باقاعدہ تجارتی مرکز کھولنا چاہتا ہو تو بینک کا فرض ہو کہ اسکے سارے معاملات کو محفوظ رکھے۔ رہ گیا قانونی آڈیٹر کا سوال۔ تو وہ ان مقامات پر نہایت ہی آسان ہو جہاں باقاعدہ کوئی فرم قائم ہو اور پرائیویٹ یا شرکت کے عنوان سے کاروبار ہو رہا ہو۔ دشواری صرف چھوٹے چھوٹے کاروباری لوگوں میں ہوگی جن سے بینک نے محدود معاملہ کیا ہے۔

لیکن ان کیلئے بھی ممکن ہو کہ بینک اپنی طرف سے آڈیٹر مقرر کردے اور اس کی اجرت اس پوری منفعت سے دیجائے جو اصل معاملہ سے حاصل ہوتی ہو۔
(مولف)

ارکان مضاربہ کے حقوق

حقوق صاحبِ مال بینک کے کاروبار کا پہلا رکن "اصحابِ مال" کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔
اصحاب مال سے مراد وہ تمام لوگ ہیں جن کے مال سے بینک کا کاروبار چل رہا ہے۔
دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ سودی اور غیر سودی بینک کا ایک نمایاں فرق یہ ہے کہ سودی بینکوں میں صاحب مال سے مال بطور قرض لیا جاتا ہے اور بینک اسے اپنی ملکیت بنا کر معاملہ کرتا ہے۔
غیر سودی بینک میں ایسا کچھ نہیں ہوتا۔ یہاں مال اپنے مالک کی ملکیت پر باقی رہتا ہے۔ بینک صرف ایک امانتدار کی حیثیت سے لوگوں کی امانتیں لے کر ان کی اجازت سے کاروبار کرتا ہے۔
یہ اور بات ہے کہ یہاں امانتیں الگ الگ نہیں رکھی جاتیں بلکہ مالکان کی اجازت سے ایک دوسرے میں ملا دی جاتی ہیں اور اس طرح تمام مالکان کی ملکیت پورے مال میں "مشاع" اور مشترک ہو جاتی ہے۔
ایک مجموعی مال ہوتا ہے اور ایک مجموعی مالک۔ مال کے ہر جزء میں ہر مالک کا بقدر حصہ رسدی حق ہوتا ہے اور وہ اتنے حصہ کا مالک تصور کیا جاتا ہے بلکہ جو نئی رقمیں بھی آتی رہیں گی انہیں بھی اموال کے اسی سمندر میں ڈال دیا جائے گا۔ اور ان کا مالک بھی بقدر حصہ، رسدی مجموعہ کا حقدار تصور کیا جائے گا۔
مضاربہ کے اس رکن اوّل یعنی اصحابِ امانت کے حقوق کی تعیین کرنے کے لئے دو باتوں کی شدید ضرورت ہے
ایک یہ کہ یہ حقوق اسلامی قوانین سے ہم آہنگی رکھتے ہوں اور باہمی تضاد و تصادم کا شکار نہ ہوں۔
اور دوسرے یہ کہ یہ حقوق دوسرے اصحاب مال میں شوق پیدا کرا سکیں تاکہ وہ بھی اپنا مال بینک کے حوالہ کریں۔ ورنہ اگر غیر سودی بینک میں یہ نقص رہ گیا اور سودی بینک اس نکتہ کی طرف متوجہ رہے تو اس بینک کی طرف کوئی توجہ نہ کریگا۔ اور یہ خود بخود ختم ہو جائیگا۔
تحقیق و تفتیش کے مطابق اصحابِ امانت کو مال جمع کی طرف رغبت دلانے والی حسب ذیل چیزیں ہوا کرتی ہیں،

(۱) **امانت کی ضمانت**: سودی بینکوں کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ مال کو بطور قرض لیا کرتے ہیں اس لئے اس کے ضامن بھی ہوتے ہیں۔

(ب) **فائدہ**: جسے سودی بینک قرض کی منفعت کے طور پر دیا کرتے ہیں۔

(ب) صاحبِ مال کا اختیار، کہ قرار داد کے مطابق جب چاہے مال کو واپس لے لے یا اس میں سے تھوڑا سا حصہ برآمد کر لے۔

۱۔ ضمانت جہاں تک مال کی ضمانت کا تعلق ہے۔ غیر سودی بینک کیلئے یہ ممکن ہے کہ وہ صاحبان اموال کو ان کی امانتوں کی ضمانت دیدے۔

اس لئے نہیں کہ ان کا مال قرض ہے اور قرض میں ضمانت قہری طور پر ہوا کرتی ہے۔

اس لئے نہیں کہ کاروباری لوگ اس مال کے ذمہ دار ہیں۔ شرعی نقطۂ نظر سے ان کی حیثیت ایک عامل کی ہے اور عامل کو ذمہ دار نہیں قرار دیا جا سکتا بلکہ خود بینک اس بات کی ضمانت دیگا کہ اگر مال ضائع ہو گیا تو سارے مال کی قیمت مالک کے حوالے کی جائے گی۔

اس ضمانت میں کوئی شرعی مضائقہ نہیں ہے۔ شرعی اشکال اس صورت میں ہے جب عامل کو سرمایہ کا ذمہ دار ٹھہرایا جائے۔ اس لئے کہ اسلامی نقطۂ نظر سے عامل سرمایہ کا ذمہ دار نہیں ہوا کرتا۔ اس کا کام کاروبار کرنا ہے۔ فائدہ ہو گیا تو خیر۔ ورنہ وہ ضامن نہیں ہے۔

کھلی ہوئی بات ہے کہ بینک عامل نہیں ہے بلکہ صرف واسطہ ہے۔ اور واسطہ کیلئے یہ مکمل امکان ہے کہ وہ صاحب مال کو اس کے مال کی ضمانت دیدے۔ تاکہ اس کو مال سپرد کرنے میں کوئی جھجک نہ ہو اور بینک کا کام پوری رفتار سے چلتا رہے۔

یہ اور بات ہے کہ بینک کو ایسا راستہ اختیار کرنا پڑے گا جس سے صاحب مال کو شرعی اطمینان پیدا ہو جائے کہ اس کا مال ضائع نہ ہوگا اور بینک شرعاً ضامن رہے گا۔

(اس مسئلہ کی تفصیل ملحقات میں دیکھی جا سکتی ہے)

۲۔ فائدہ بینک کے کاروبار کا دوسرا عنصر جس کے اعتماد پر ارباب دولت اپنا مال بینک کے حوالے کیا کرتے ہیں۔ فائدہ کی امید ہے۔ غیر سودی بینک کیلئے اس مسئلہ کا بھی علاج کرنا پڑے گا۔ ورنہ تمام لوگ اپنا مال انہیں بینکوں کے حوالے کر دیں گے جہاں فائدہ ملا کرتا ہے اور غیر سودی بینک ناکام ہو کر رہ جائے گا۔

غیر سودی کاروبار میں اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ اصحاب مال فائدہ میں فیصدی کے حساب سے طے کر لیں اور معاملہ کے ختم ہونے پر اسی حساب سے بینک سے وصول کر لیں۔ اس لئے کہ بینک کا کاروبار شرعی اصطلاح میں "مضاربہ" ہے اور مضاربہ میں مالک اپنے ایجنٹ سے فیصدی کے حساب سے فائدہ طے کیا کرتا ہے اور اسمیں کوئی اشکال بھی نہیں ہے۔

یہ اور بات ہے کہ اس فائدے میں اور سودی بینکوں کے فائدے میں ایک فرق رہے گا۔

سودی بینک کا فائدہ بہر حال ہاتھ آئے گا۔ کاروبار میں ترقی ہو یا تنزل۔ لیکن غیر سودی بینک میں ایسا نہیں ہے۔ وہاں کاروبار مضاربہ کے عنوان پر چلتا ہے۔ اور مضاربہ کا قانون یہ ہے کہ اگر فائدہ ہو گیا تو خیر۔ ورنہ کسی کو کچھ نہیں مل سکتا۔ صرف صاحبِ مال کا سرمایہ محفوظ رہے گا۔ عامل کی محنت بالکل ضائع سمجھی جائے گی۔ یہ اور بات ہے کہ یہ احتمال صرف نظری احتمال ہے۔ عادتاً یہ ناممکن ہے کہ اتنے بڑے کاروبار میں کوئی فائدہ نہ ہو۔ بینک کا انداز معمولی دکانوں کا نہیں ہے جہاں نقصان کے احتمالات قوی رہتے ہیں۔

یہاں سیکڑوں معاملات ایک ساتھ چلا کرتے ہیں۔ اور سب کا مال "مشاع" انداز سے مخلوط رہتا ہے۔ ایک معاملہ میں فائدہ نہیں بھی ہوا تو دوسرے میں ہوگا۔ اور دوسرے میں نہیں ہوا تو تیسرے میں ہوگا۔ اسطرح کہیں نہ کہیں تو فائدہ ہو جائے گا۔ اور جہاں بھی فائدہ حاصل ہو گیا۔ تمام ارباب مال پر تقسیم کر دیا جائیگا۔

ایسے حالات میں فائدہ نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اتنے کثیر معاملات میں نقصان ہی ہو جائے اور کہیں فائدہ کا کوئی اثر نہ ہو۔ یہ بات عقلی طور پر سوچی جا سکتی ہے۔ لیکن عملی میدان میں اس کا وجود نہیں ہے۔

غیر سودی بینک کے گرد و پیش زمانے کے حالات کو دیکھتے ہوئے میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ اس بینک میں ملنے والی فیصدی منفعت کو سودی بینکوں کے انٹرسٹ سے کم نہیں ہونا چاہیئے ورنہ لوگ اپنے اموال کو سودی بینکوں کے حوالے کر دیں گے اور غیر سودی بینک کی اسکیم ناکام ہو جائے گی۔

اس پیشکش کا ذریعہ یہ ہے کہ پہلے تخمینی طور پر یہ اندازہ لگا لیا جائے کہ موجودہ حالات میں تجارت کی شرح منفعت کیا ہوا کرتی ہے۔ اس کے بعد اصحاب مال کے مال کو پورے سرمایے کی طرف نسبت کر کے فیصدی کے حساب سے ان کے فائدہ کا اندازہ لگا لیا جائے۔ اور انہیں اتنی مقدار میں فائدہ بتایا جائے جو سودی بینک کے انٹرسٹ سے کم نہ ہو۔

مثال کے طور پر اگر بینک کا پورا سرمایہ ایک لاکھ روپیہ ہے اور حالات کے تحت اندازہ یہ ہے کہ اتنی رقم پر تجارت میں ۲۰ فیصدی فائدہ ملا کرتا ہے۔ یعنی ایک لاکھ کا سرمایہ سال بھر کے بعد ۲۰ ہزار مزید ہو جائے گا۔ اور عام طور سے سودی بینک ۵ فیصدی سود دیا کرتے ہیں۔ یعنی ایک لاکھ کے سرمایہ پر پانچ ہزار تقسیم کر دیا کرتے ہیں۔ تو غیر سودی بینک کا فرض ہے کہ اس کے فائدہ کی شرح اس سے کچھ زیادہ ہی ہو۔

یہ اور بات ہے کہ سودی بینک میں سود کی شرح ارباب مال کے مال سے طے کیجاتی ہے اور غیر سودی بینک میں پورے فائدہ کو پیش نظر رکھکر منفعت تقسیم کیجائے گی۔

شرح منفعت کا سود سے زیادہ ہونا اسلئے ضروری ہے کہ اس طرح عوام میں ترغیب و تشویق پیدا ہوگی اور لوگ اپنے اموال کو غیر سودی بینک کے حوالے کریں گے۔

ورنہ اگر شرح منفعت برابر بھی ہوئی تو غیر سودی بینک کی کامیابی کا کوئی امکان نہیں ہے اسلئے کہ سودی بینکوں میں سود کی ضمانت رہتی ہے اور ہر صاحب مال کو یہ اطمینان رہتا ہے کہ کاروبار میں فائدہ ہو یا نقصان ہمارا سود بہرحال محفوظ رہے گا۔ غیر سودی بینک میں ایسا نہیں ہے۔ یہاں یہ احتمال ضرور رہتا ہے کہ اگر کاروبار میں نقصان ہوگیا تو ہمارا فائدہ بھی سوخت ہو جائیگا۔

انہیں خطرات کے پیش نظر تخمینی فائدہ کا زیادہ سے زیادہ حصہ اصحابِ مال پر تقسیم کرنا چاہیئے تاکہ لوگوں کا شوق بیش از بیش ہو اور بینک برابر ترقی کرتا رہے۔

ایک سوال یہ ضرور رہ جاتا ہے کہ اس فائدہ کو عام شرح سود سے کتنا زیادہ ہونا چاہیئے؟ لیکن کھلی ہوئی بات ہے کہ اس کی مکمل تحدید نہیں ہوسکتی۔ اس کا صرف ایک معیار یہ ہے کہ فائدے کے امکانات کو نقصان کے امکانات سے ملا کر دیکھا جائے۔ اگر فائدے کے امکانات زیادہ ہیں تو منفعت زیادہ کردی جائے اور فائدہ کے امکانات کم ہیں تو منفعت کم کردی جائے۔

واضح لفظوں میں یوں کہا جائے کہ تجارت میں فائدہ اور نقصان دونوں کے احتمالات پائے جاتے ہیں اور منفعت کی تقسیم ان ہی دونوں کے گرد چکر لگایا کرتی ہے۔ جیسے جیسے فائدہ کا احتمال قوی ہوتا رہے گا۔ منفعت بڑھتی رہے گی اور جیسے جیسے نقصان کا احتمال قوی ہوتا رہے گا۔ فائدہ کی مقدار گھٹتی رہے گی۔ اور چونکہ یہ معاملات حالات سے متعلق ہیں اس لئے ان کی صحیح تحدید نہیں ہوسکتی۔

مثال کے طور پر یہ فرض کیا جائے کہ بازار میں فائدہ کی شرح ۵٪ ہے اور نقصان کا احتمال ۱۰٪ رہتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ فائدہ کا اوسط اس طرح نکالا جائے گا $\frac{5}{100} \times \frac{10}{100} = \frac{1}{200}$ ـ اور اسکے بعد اصحابِ مال کو دی جانے والی منفعت کا اندازہ اس طرح کیا جائے گا $\frac{5}{100} + \frac{1}{200} = \frac{55}{1000}$ ۔

لفظوں میں اس مطلب کی تشریح اس طرح کی جاسکتی ہے کہ اصل سرمایہ ایک ہزار روپیہ ہے اور فائدہ کی توقع ۲۰٪ ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ فائدہ ۲۰۰ روپیہ ہوگا۔ اور سابق حساب کی بناپر تقسیم ہونے والی رقم $\frac{55}{1000}$ ہے نتیجہ کے طور پر اصحاب مال کو ملنے والی رقم کا فیصدی حساب یوں ہوگا۔

$\frac{55}{200} \times 100 = 27.5\%$ ـ یا $\frac{275}{1000}$ ہوگا۔

کاروبار سے پہلے سودی بینکوں کے سود کے برابر یا اس سے زیادہ فائدہ کا انتظام کرنیکے بعد بھی ہمیں اس بات کا احساس ہے کہ ابھی غیر سودی بینک میں ایک کمزوری رہ گئی ہے۔ اور وہ یہ کہ سودی بینک میں مال کا نتیجہ روز اول ہی سے ظاہر ہونے لگتا ہے اور صاحب مال کو اسکے مال کے فوائد کا حساب نظر آنے لگتا ہے۔ لیکن غیر سودی بینک میں ایسا نہیں ہوسکتا۔ وہاں فائدے کے فیصدی حساب کے لئے یہ ضروری ہے کہ مال کاروبار کی راہ پر لگ جائے۔ کاروبار میں لگنے سے پہلے فائدہ

کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا۔ اور یہ بہر حال طے شدہ ہے کہ مال بینک میں آتے ہی کاروبار کی راہ پر نہیں لگے گا۔ بلکہ ایک مختصر مدت ایسی ضرور گذرے گی جب مال بینک میں پڑا رہیگا اور اس کے بعد مناسب موقع آنے پر کسی کاروبار میں لگایا جائے۔

ضرورت ہے کہ اس کمزوری کا مداوا بھی کیا جائے ورنہ اصحاب مال کبھی اپنے مال کو ایسے بینک کے حوالے نہ کریں گے اور اپنا سارا مال ان سودی بینکوں کے سپرد کر دیں گے جہاں فائدہ فوری طور پر مل جاتا ہے۔

ہم تقسیم فائدہ کی بحث میں اس نکتہ پر تفصیلی روشنی ڈالینگے اور یہ واضح کریں گے کہ ان خطرات کے ہوتے ہوئے اصحاب مال کس طرح اپنا مال بینک کے حوالے کر سکتے ہیں۔؟

برآمد کرنیکا اختیار

سودی بینک کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہاں ہر صاحب مال کو ایک مخصوص مدت میں اپنے مال کو برآمد کر لینے کا اختیار ہوتا ہے اور وہ مقررہ شرائط کے تحت جس وقت چاہے اپنے مال سے استفادہ کر سکتا ہے۔

ضرورت ہے کہ غیر سودی بینک میں بھی اس طرح کی سہولت فراہم کی جائے اور یہاں بھی صاحبان اموال کو مال برآمد کرنیکا اختیار دیا جائے۔ حالانکہ اس مقام پر یہ کام بیحد مشکل ہے۔ یہاں مال مختلف کاروباری مراکز میں لگا دیا جاتا ہے۔ محض قرض نہیں ہوتا کہ جب چاہا دیدیا اور جب چاہا واپس لے لیا۔

تاہم غیر سودی بینک کیلئے یہ ممکن ہے کہ وہ مال جمع کرنے کے بعد سے چھ مہینے کی مدت مقرر کردے کہ اس مدت کے گذر جانے کے بعد ہر شخص کو مال برآمد کرنیکا اختیار ہوگا۔ اور اس سے پہلے یہ اختیار نہیں دیا جائے گا۔

برآمد کرنے کی صورت میں بھی یہ شرط کی جائے گی کہ اصل مال نہیں دیا جائیگا بلکہ نقدی قیمت دیجائیگی۔ مثال کے طور پر اگر تمام اموال کو کسی بڑی تجارت میں لگا دیا گیا ہے تو چھ مہینے کے بعد یہ ناممکن ہے کہ کسی ایک آدمی کا حصہ مالِ تجارت میں سے الگ کر لیا جائے۔ ہاں یہ ضرور ممکن ہے کہ اس کے حصہ کی نقدی قیمت ادا کر دی جائے۔ اس کے بغیر بینک کا کاروبار نہیں چل سکتا۔

مال کے واپس لے لینے کا قانونی مطلب یہ ہوگا کہ "اس شخص نے اپنے مال میں عقد مضاربہ کو فسخ کر دیا ہے۔ اور اب اس قرار داد پر باقی نہیں رہنا چاہتا۔"

چھ مہینے کے بعد مال نکال لینے کے اختیار کے سلسلے میں بھی حسب ذیل امور کا لحاظ کرنا ضروری ہوگا۔

(۱) یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ تمام اموال کی مدت ایک ہی وقت میں پوری ہو۔ بلکہ مختلف اموال کے اعتبار سے چھ مہینے کی انتہا بھی مختلف ہو سکتی ہے۔ ایک کا چھ مہینہ آج پورا ہوتا ہے۔ اور ایک کا دو مہینے بعد

(ب) عمومی حالات میں یہ بات طے شدہ ہے کہ مختلف اوقات میں پوری ہونے والی مدت پر قیمت ادا کرنے میں بھی بینک کو بہت معمولی رقم کا سامنا کرنا پڑے گا۔ جس کی نسبت تمام اموال کے مقابلہ میں ۱/۴ سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔

(ج) جس امانت کو صاحبِ مال چھ مہینے کے بعد واپس لینا چاہتا ہے۔ وہ کسی ایک کاروبار میں نہیں لگائی گئی کہ اس کے نکل جاتے ہی کاروبار کمزور پڑ جائے بلکہ امانتوں کے بحرِ ناپیدا کنار میں گھل مل کر رہ گئی ہے اور اسکے نکل جانے سے کسی ایک کاروبار پر بھی ایسا اثر نہیں پڑیگا جو اسے متزلزل بنا سکے بلکہ سارے کاروبار مل کر اس کمزوری کو سنبھال لینگے اور بینک کا کام چلتا رہیگا۔

(د) جس جس پلانٹ میں امانتوں کا مصرف ہو چکا ہے۔ اس کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ اپنے سرمایہ کا ایک نقدی حصہ بینک کے پاس جمع کر دے اور اپنا ایک ایسا حساب بھی بینک میں رکھے۔

یہ بات اس پلانٹ میں واضح ہے جس کا کوئی موسم معین نہیں ہے۔ لیکن جس پلانٹ کا موسم مقرر ہے۔ اس کے لئے بینک ایسا وقت مقرر کریگا جب عام طور سے اس کے پاس نقد رقم جمع ہو جاتی ہے اور اس سے یہ شرط کر لیگا کہ اپنے نقد کا ایک کرنٹ اکاؤنٹ بھی کھولے اور اس کی مقدار ایک مخصوص مقدار سے کم نہ ہو۔

اس کے بعد جب یہ موسم گذر جائے گا تو بینک نقد رقم کی ذمہ داری ان پلانٹوں اور کاروباروں پر ڈال دیگا جن کا کوئی موسم مقرر نہیں ہے اور جو سال بھر برابر چلتے رہتے ہیں۔

کھلی ہوئی بات ہے کہ جو پلانٹ بھی بینک کے مقرر کئے ہوئے ان اصولوں پر کاربند ہوگا وہ سال کے مخصوص وقت میں محدود مقدار میں نقد رقم یقیناً حاصل کر سکتا ہے۔

(ہ) بینک اس بات پر مجبور نہیں ہے کہ مدت گذر جانے پر امانت کا مطالبہ کرنے والوں کو پلانٹ سے اصل مال نکال کر دیدے۔ بلکہ اس کی ذمہ داری یہ ہے کہ اس مال کی قیمت صاحبِ مال کے حوالے کر دے۔

لے استاذ فاضل ڈاکٹر خلیل سماحۃ نے "بینک لاربوی" کے مطالعہ کے دوران اس نکتہ کا اضافہ کیا ہے کہ کاروبار کو موسمی اور غیر موسمی پر تقسیم کر کے دونوں کی الگ الگ ذمہ داریاں مقرر کرنے سے بہتر یہ ہے کہ ہر پلانٹ کے لئے ایک مشترک شرط کر دی جائے — اور وہ یہ کہ غیر سودی بینک سے معاملت کرنے والے ہر ادارہ کا فرض ہے کہ وہ کچھ نقد مال بطور قرض بینک کے پاس محفوظ رکھے — اس مال کی مقدار کتنی ہی مختصر کیوں نہ ہو — اس کا ہونا بیحد ضروری ہے — اور اس کی نوعیت وہی ہے جو امریکہ کے تجارتی بینکوں میں رائج ہے اور جس کا نام "قابل تبدیل رسید" رکھا گیا ہے۔ (TRANSFERABLE. SECURITY.)

اس قیمت کا انتظام بینک حسب ذیل مصادر سے کریگا:

(ا) وہ ثابت امانتیں۔ جنہیں ابھی تک کسی کاروبار میں نہیں لگایا جا سکا ہے اور وہ بینک کے پاس بشکل نقد محفوظ ہیں۔

(ب) وہ متحرک امانتیں۔ جنہیں ہر وقت اپنے پاس محفوظ رکھنے کا اختیار بینک کو حاصل ہے اور بینک انہیں امانتوں سے اپنے نقصانات کی تلافی کرتا ہے۔

(ج) بینک کا وہ اصلی نقد سرمایہ۔ جسے بینک نے ان مطالبات کا مقابلہ کرنے کیلئے محفوظ کر لیا ہے۔
ظاہر ہے کہ اگر بینک نے یہ قیمت ثابت امانتوں سے ادا کی ہے تو منفعت کی تقسیم میں کوئی زحمت نہ ہوگی اور نہ اس کے معاملہ میں کوئی تغیر ہوگا۔

لیکن اگر یہی قیمت متحرک امانت یا اصل سرمایہ سے دی ہے تو فائدہ کی تقسیم میں کافی فرق پڑ جائیگا۔ اس لئے کہ بینک اپنے کاروبار کو جاری رکھنے کی بنا پر خود سابق صاحب مال کی جگہ پر آجائیگا اور اسکے اس حصہ کا حقدار ہو جائے گا جو مال برآمد کرنے سے معاملہ ختم ہونے کے درمیان حاصل ہوا ہے۔ اور اس طرح بینک کو اپنے اموال کے ساتھ بھی ثابت امانتوں کا معاملہ کرنا پڑیگا۔ جیسا کہ تقسیم منفعت کی بحث میں بالتفصیل بیان کیا جائیگا۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ غیر سودی بینک کی تھیوری میں ایسے نکات تلاش کر لئے گئے ہیں جہاں سودی بینک کے تینوں عناصر "ضمانت مال" "فائدہ" "اختیار برآمد" بھی جمع ہو گئے ہیں اور سود کی لعنت سے بھی نجات مل گئی ہے۔

اسکے بعد خود بینک کی ذمہ داریوں پر بحث ہوگی۔

حقوق بینک

بینک کے کاروبار کا دوسرا اہم رکن خود بینک ہے۔

لیکن اگر غور کیا جائے تو بینک کوئی رکن نہیں ہے۔ یہ نہ صاحب مال ہے نہ عامل۔ اس کا کام صرف دونوں کے درمیان وساطت کا ہے۔

بینک کی موجودگی کا فائدہ صرف یہ ہے کہ کاروبار کرنیوالوں کو ایک ایک صاحب مال کے دروازے پر جا کر بھیک نہیں مانگنا پڑتی۔ اور نہ اُن سے کاروبار کی کوئی قرارداد طے کرنا پڑتی ہے۔ بلکہ ان تمام زحمتوں کو خود بینک برداشت کر لیتا ہے۔ اور سارے اموال کو جمع کر کے یک مشت کاروبار کرنیوالوں کے حوالے کر دیتا ہے۔ ان کا معاملہ صرف بینک سے ہوتا ہے۔ اور قراردادیں بھی اسی سے طے کی جاتی ہیں۔

ظاہر ہے کہ بینک کا اتنا بڑا کام انجام دینا ایک اہم خدمت ہے جس پر اسے اجرت لینے کا قطعی حق ہے۔ اور وہ بطور جعالہ (قرارداد) ہر اجرت کا مطالبہ کر سکتا ہے (یعنی بینک کو یہ اعلان کرنیکا حق ہے کہ میں صاحبان ثروت اور تاجروں کے درمیان وساطت کا فرض انجام دے سکتا ہوں لیکن اس کی شرط یہ ہے کہ مجھے دونوں کی طرف سے اتنی مقدار رقم ملنی چاہیئے۔ اب یہ بینک کے اختیار میں ہے کہ وہ کاروبار کے لحاظ سے فیصدی اجرت طے کرے یا ایک رقم مقرر کر لے۔ ویسے عام طور سے رقم ہی طے کی جاتی ہو۔ اس لئے کہ بینک کا حق المحنت فائدے کے ہونے یا نہ ہونے کا پابند نہیں ہے۔ حق المحنت تو بہر حال دیا جائے گا۔ چاہے سارا کاروبار معطل ہو کر رہ جائے۔ جوآدی)

بینک کے جعالہ (قرارداد) کی دو شکلیں ہو سکتی ہیں

۱۔ محنت کی وہ معین اجرت لے جس کا اندازہ سودی بینکوں میں صاحبان اموال کو دی جانے والی رقم اور صاحبان تجارت سے لی جانے والی رقم کے تفاوت سے کیا جا سکتا ہے۔ اور اس میں سے وہ زیادہ حصہ الگ کر دیا جائے جو غیر سودی بینک میں صاحبان اموال کو تشویق و ترغیب کے لئے دیا جاتا ہے۔

مذکورہ بالا زیادتی کو الگ کر کے دیکھا جائے تو سودی بینکوں کی آمدنی کا اصلی ذریعہ یہی تفاوت ہوتا ہے جو ایک طرف سے لئے جانے والے سود اور دوسری طرف دیئے جانے والے سود کے درمیان واقع ہوتا ہے۔

غیر سودی بینک میں فائدہ کی اس قدر مقدار کافی نہیں ہے اور اس کی زندگی کے لئے صرف یہ

تفاوت کفالت نہیں کرسکتا۔ اسلئے کہ سودی اور غیر سودی بینک میں ایک بنیادی فرق یہ بھی پایا جاتا ہے کہ یہاں امانتوں کی تمام تر ذمہ داری خود بینک کے سر ہوتی ہے اور وہی تمام صاحبان اموال کے مال کا عہدہ دار ہوتا ہے۔ جبکہ سودی بینکوں میں ایسا نہیں ہوتا۔ بلکہ وہاں مال کی ذمہ داری ان ارباب تجارت کے سر ہوتی ہے جو ان اموال کو بینک سے بطور قرض لیکر تجارت کرتے ہیں۔

کھلی ہوئی بات ہے کہ قرض دے جانے کے بعد دینے والا ذمہ دار نہیں ہوتا بلکہ لینے والا ذمہ دار ہوتا ہے۔ لیکن امانتدار بہر حال ذمہ دار ہوتا ہے۔ مال کو اپنے پاس رکھے یا دوسرے کے حوالے کردے۔

ایسے حالات میں غیر سودی بینک کو ملنے والی اجرت کی مقدار کو سودی بینکوں کی اجرت سے زیادہ ہونا چاہیئے۔ جس کی ذمہ داریاں زیادہ ہوتی ہیں۔ اس کا حق بھی زیادہ ہوتا ہے۔

۲۔ بینک کی اجرت کا دوسرا عنصر یہ ہے کہ بینک کو محنت کی اُجرت کے علاوہ خود کاروبار کرنے والوں سے بھی ایک اجرت دلوائی جائے اور اسے تاجروں کے حصہ میں فیصدی حساب سے بھی ایک اجرت دلوائی جائے اور اسے تاجروں کے حصہ میں فیصدی حساب سے شریک کردیا جائے۔

اس اجرت کا اندازہ سودی اور تجارتی بازاروں میں دو قسم کے سرمایوں کے تحفظ کی اجرت سے کیا جاسکتا ہے۔ یعنی اس اجرت کا اندازہ لگانے کیلئے اسلامی بازاروں سے ہٹ کر سودی اور تجارتی بازاروں کا جائزہ لینا پڑیگا اور یہ دیکھا جائے گا کہ ان کے یہاں سرمایہ کی اجرت کا معیار کیا ہے؟

(یہ بات اسلئے ضروری ہے کہ اسلامی قانون میں سرمایہ کی اجرت کا کوئی جواز نہیں ہے۔ اس فرق کا اندازہ غیر اسلامی بازار ہی سے کیا جاسکتا ہے۔ جس کی مثال اسلامی فقہ میں یہ ہے کہ اگر سور اور بکری کو ایک ساتھ بیچ دیا جائے اور بعد میں بکری کے معاملہ کو شرعاً الگ کرنا چاہیں تو سور کی قیمت کا اندازہ کرنے کے لئے کافر بازاروں ہی کا جائزہ لینا پڑے گا مسلم بازاروں میں سور کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ جوادی)

کھلی ہوئی بات ہے کہ سودی بازاروں میں جہاں سرمایہ کی ضمانت ہوتی ہے وہاں سرمایہ کی اجرت کے طور پر بینک صاحبان تجارت سے اچھی خاصی منفعت کا مطالبہ کرتا ہے۔ اور تجارتی بازاروں میں جہاں سرمایہ ہر وقت خطرے میں رہتا ہے اور اس کی کوئی ضمانت نہیں ہوتی۔ صاحبِ مال تاجر سے "مضاربہ" کے طور پر معاملہ کرکے اسکے نفع میں فیصدی کے اعتبار سے شریک ہوجاتا ہے۔ اور عمومی طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ اس فیصدی حساب سے حاصل ہونے والا نفع بینک کے طے کئے ہوئے سود سے زیادہ ہی ہوا کرتا ہے۔ اس لئے کہ جس مال کی ضمانت لے لیجاتی ہے اس کی اُجرت کم ہوتی ہے اور جس مال کی کوئی

ضمانت نہیں رہتی اس کی اجرت قہری طور پر زیادہ ہوتی ہے۔

غیر سودی بینک میں انہیں دونوں قسموں کی اجرتوں کے تفاوت کو بینک کے حوالے کیا جائے گا اور اسے اس کا حق المحنت حساب کیا جائے گا۔ بینک کے اس جعالہ کی مزید وضاحت اس انداز سے کی جا سکتی ہے کہ جن بازاروں میں سرمایہ کا کاروبار کیا جاتا ہے وہاں ایسے اموال کی اجرت کے لئے جن کی قیمت کی بھی ضمانت ہے اور منفعت کی بھی۔ اجرت کی ایک ادنیٰ حد ہے اور ایک اعلیٰ حد۔

ادنیٰ حد وہ ہے جیسے بینک سے لئے ہوئے قرض کے مقابلہ میں بینک کے حوالے کیا کرتے ہیں۔

اسکے علاوہ ایک تیسری قسم ہے جہاں سرمایہ کی قیمت کی ضمانت دیدی جاتی ہے لیکن فائدہ کی کوئی ضمانت نہیں ہوتی۔ جیسے غیر سودی بینک میں جمع ہونے والی امانتیں۔ کہ ان میں اصل مال کی قیمت کی ضمانت دی جا سکتی ہے لیکن فائدہ کی کوئی ضمانت نہیں ہے۔ اس کا فیصلہ کاروبار کے خاتمہ پر ہوگا اور اس وقت فائدہ ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی سکتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ فائدہ اعلیٰ حد تک پہونچ جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ادنیٰ حد تک بھی نہ ہو۔

ظاہر ہے کہ ایسے سرمایے کی اجرت جو فائدے میں فیصدی کے حساب سے طے ہوتی ہے۔ سابق کے "مضمون القیمۃ والمنفعت" مال کی اجرت سے زیادہ ہونا چاہیئے۔ لیکن اس زیادتی کا حساب فائدے اور عدم فائدے کے احتمالات کا اندازہ کرنے کے بعد ہی کیا جا سکتا ہے۔

اس مقام پر ایک چوتھی قسم بھی نکل سکتی ہے جہاں نہ اصل سرمایہ کی ضمانت ہوتی ہے نہ فائدہ و منفعت کی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص اپنا نقدی سرمایہ خالص اسلامی قانون سے "مضاربہ" کرنے کیلئے دوسرے کے حوالے کر دے اور اس سے اصل سرمایہ کی ضمانت بھی نہ لے۔

ظاہر ہے کہ اس مقام پر نہ مال کی ضمانت ہے اور نہ فائدہ کی۔ اس لئے کہ اسلامی مضاربہ دونوں کو بے نیاز ہوتا ہے اور صاحب مال ہر آن خطرہ سے دوچار رہتا ہے۔

کھلی ہوئی بات ہے کہ ایسے سرمایے کی اجرت سابق کے تمام اموال کی اجرت سے زیادہ ہونا چاہیئے اور اس کو فائدہ میں وہ فیصدی نسبت ملنی چاہیئے جو سابق کی تمام مقرر شدہ اجرتوں سے زیادہ ہو۔

واضح رہے کہ ضمانت شدہ اموال کی اجرت پر گفتگو کرتے ہوئے ہماری نظر اسلامی قوانین پر نہیں ہے بلکہ ہم نقد کے سودی بازاروں کے قوانین کے مطابق گفتگو کر رہے ہیں۔ ورنہ اسلامی قانون میں نقد سرمایہ کی اجرت کا کوئی سوال نہیں ہے۔ ایسے کاموں کے لئے قہری طور پر سودی اور تجارتی بازاروں کا سہارا لینا پڑے گا۔

اوران بازاروں کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ غیر سودی بینک کے پاس جمع شدہ اموال کاروبار کرنیوالوں کے اعتبار سے بالکل غیر ضمانت شدہ ہیں۔ وہ لوگ نہ اصل مال کے ضامن ہیں اور نہ فائدے کے، صرف اتنی اجرت کے ضامن ضرور ہیں جسے بینک بطور حق المحنت وصول کرتا ہے لیکن اسے اصل سرمایہ یا اسکے کاروبار سے کوئی خاص تعلق نہیں ہے۔ اس کا تعلق براہ راست بینک کی محنت سے ہے جس میں نظر محنت پر ہے، کاروبار پر نہیں۔)

اصل مال کی ذمہ داری بینک نے لی ہے۔ اور فائدہ کا خطرہ صاحبان اموال نے مول لیا ہے۔ ورنہ ان کے لئے بیحد آسان تھا کہ وہ اپنے اموال کو سودی بینکوں کے حوالے کر دیتے اور ان کا فائدہ محفوظ ہو جاتا۔

ایسے حالات میں کاروبار کرنیوالوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس قدر معاوضہ دیں جو عام بازاروں میں ایسے آزاد اموال کی اجرت کے برابر ہو۔ صرف اتنی مقدار میں کم کر سکتے ہیں جو انہوں نے بینک کو مستقل حق المحنت کے طور پر دیدی ہے۔

اسکے بعد بینک کا حساب شروع ہوگا اور وہ ایسے سرمایے کا حساب کرے گا جس میں قیمت اور فائدہ دونوں کی ضمانت ہو۔ اور اس کی اجرت کی حدِ ادنیٰ کا اندازہ کر کے اس پر فائدے کے خطرہ کی اجرت کا اضافہ کریگا۔ اور دونوں کو جمع کر کے صاحبان اموال کو دیدے گا۔ اور باقی خود اس کا مال ہو جائے گا۔ جو اس نے بطور اُجرت حاصل کیا ہے۔

لیکن یاد رہے کہ کاروباری لوگوں پر یہ ساری ذمہ داری ان کے ذاتی اموال سے متعلق نہیں ہے۔ بلکہ اس کا تمام تر تعلق تجارتی فائدہ سے ہے اسلئے اگر کسی معاملہ میں فائدہ نہیں ہوا تو اُن پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔

بینک صرف اتنی اجرت کا مطالبہ کر سکتا ہے جسے معاملہ کے فائدہ و نقصان سے قطع نظر بطور حق المحنت طے کر لیا ہے۔ اور یہ تقریباً وہی مقدار ہوگی جو سودی بینکوں میں کاروباری لوگوں سے لئے جانیوالے۔ اور صاحبان اموال کو دیئے جانے والے سود کے درمیان تفاوت کی ہوا کرتی ہے۔

بینک کو ملنے والی مذکورہ بالا اجرت کا حساب کاروبار کے آغاز ہی میں اس وقت ہونا چاہئے جس وقت کاروبار کرنے والے سے فائدہ کی وہ نسبت طے کی جائے جس میں بینک اور صاحب مال دونوں شریک ہوتے ہیں۔ لیکن یہ لحاظ رہے کہ یہ نسبت اس پورے معاوضہ کے برابر نہ ہو جو عام تجارتی بازاروں میں قیمت و اجرت کے اعتبار سے خطرے میں پڑے ہوئے اموال کو ملا کرتا ہے۔ اسلئے کہ اگر یہ اجرت برابر ہو گئی اور قرض کے طور پر بازاروں میں معاوضہ کی مقدار ۔۔۔ ہوئی تو اس کا مطلب ہے کہ کاروبار کرنیوالے کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ خطرہ میں پڑے ہوئے سرمایہ کی اُجرت سے زیادہ مال بینک کے حوالے کرے۔ اجرت برابر مال فائدہ

کی نسبت سے دے۔ اور حق المحنت الگ سے رہے۔ جس کے بعد غیر سودی بینک کی بقا رہی مشکل ہو جائیگی ضرورت ہے کہ فائدہ کا فیصدی طے کرتے وقت اس میں سے اتنا حصہ کم کر دیا جائے کہ تاجر بینک کو حق المحنت بھی ادا کر سکے۔

یہ بھی واضح رہے کہ حق المحنت کے علاوہ جو رقم خطرہ کے مقابلہ میں بینک کو دلوائی گئی ہے۔ اس کی کوئی نسبت معین نہیں ہے اور نہ تمام کاروباروں میں ایک ہی شکل میں معین کی جاسکتی ہے۔ بلکہ بینک کو اختیار ہے کہ وہ ہر معاملہ میں تاجروں سے خطرہ کا اندازہ کر کے فیصدی شرح طے کرے۔ خطرات کا کوئی معیار نہیں ہے۔ ان میں حالات۔ احساس۔ اطراف کے اعتبار سے فرق ہوتا رہتا ہے۔ اسلئے ان کی بنیاد پر طے ہونیوالے فائدہ میں فرق ہو جائے گا۔

ایسے حالات میں غیر سودی بینک ہر معاملہ کا فائدہ ان قراردادوں کی بنا پر تقسیم کریگا جو اس معاملہ میں طے ہوئی ہیں اور ان سے دوسرے معاملات کا ربط نہیں ہے۔

وہ ہر معاملہ میں عامل سے طے شدہ نسبت کے بعد اپنا حصہ لیگا۔ اور دھیرے دھیرے یہ حصے جمع ہوتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ مجموعی اموال کا فائدہ جمع ہو جائے گا تو بینک اپنے اور صاحبان اموال کے درمیان حسب قرارداد تقسیم کریگا جس کی تفصیل تقسیم منافع کی بحث میں بیان کی جائے گی۔

بینک کا ذاتی مضاربہ بینک کے لئے جہاں یہ ممکن ہے کہ وہ لوگوں کی ثابت امانتوں سے کاروبار کرے۔ وہاں یہ بھی ممکن ہے کہ اپنے ذاتی اموال کو بھی مضاربہ کی بنیاد پر کاروبار میں لگا دے۔

بینک کے ذاتی سرمایہ کی حسب ذیل شکلیں ہیں۔

۱۔ اصل سرمایہ کا وہ حصہ جسے بینک مضاربہ کے طور پر کاروبار کرنے کیلئے مخصوص کر لیتا ہے۔

۲۔ متحرک امانتوں کا وہ حصہ جسے بینک اپنے ذاتی معلومات اور شخصی اطلاعات کی بنا پر ہر وقت محفوظ رکھتا ہے۔ تاکہ لوگوں کی طلب کو قبول کر کے ان کے حسب ضرورت رقم واپس کی جاسکے۔

یہ متحرک امانتیں دوسروں کی ہیں۔ لیکن بینک کی ملکیت شمار ہوتی ہیں۔ اسلئے کہ انہیں بینک نے بطور امانت نہیں بلکہ بطور قرض حاصل کیا ہے۔ اور بینک کو اختیار ہے کہ اس کا ایک حصہ بطور نقد محفوظ رکھے تاکہ صاحبان اموال کو بوقت ضرورت واپس کر سکے۔ باقی حصہ کو مضاربہ میں صرف کر دینے میں کوئی اشکال نہیں ہے۔

فرق صرف یہ ہے کہ اپنے اموال سے تجارت کرتے وقت بینک کا حق صرف اس فائدے تک محدود رہیگا جو مال مضمون کی اجرت کے طور پر ملا کرتا ہے۔

ثابت اجرت یعنی حق المحنت کا کوئی اختیار نہیں ہے ۔ اس لئے کہ بینک جو کچھ بھی زحمت کر رہا ہے وہ اپنے حق میں کر رہا ہے ۔ کسی دوسرے کا وکیل نہیں ہے ۔ اور اپنے معاملات میں حق المحنت کا کوئی سوال نہیں ہے ۔

یہ اور بات ہے کہ ایسے حالات میں بینک کا فرض ہے کہ ثابت امانتوں کے مضاربہ کو اپنے ذاتی معاملات پر مقدم رکھے ۔

ایسا نہ ہو کہ اپنے اموال سے کاروبار شروع کر دے اور لوگوں کی امانتیں یوں ہی پڑی رہ جائیں ۔ اپنے اموال سے کاروبار وہاں ہونا چاہیے جہاں ثابت امانتوں سے بقدر مضاربہ سرمایہ فراہم نہ ہو سکے ۔

حقوق عامل

عقد مضاربہ میں جو شخص مال کو کاروبار کی راہ میں لگا کر فائدہ کا انتظام کرتا ہے اُسے عامل کہا جاتا ہے ۔ (عامل فرد بھی ہو سکتا ہے ۔ اور کمپنی بھی ۔ عامل تاجر بھی ہو سکتا ہے اور کارخانہ دار بھی عامل پرائیویٹ فرم کو بھی کہہ سکتے ہیں اور مشترک پلانٹ کو بھی ۔) جو آدمی

مضاربہ کے معاملات میں بینک اور صاحبان اموال کا حق نکالنے کے بعد منافع کا حقیقی مالک عامل ہی ہوا کرتا ہے جس طرح کہ سودی بنکوں میں بینک کا سود ادا کرنے کے بعد سارے فوائد کا مالک وہ کاروباری انسان ہوتا ہے جس نے بینک سے بطور قرض مال لیکر اپنے کاروبار میں لگایا ہے ۔

دونوں حالات میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ عامل کو کاروبار پر آمادہ کرنے والا فائدہ ہی ہوتا ہے جو غیر سودی بینک میں حق نکالنے کے بعد بچتا ہے اور سودی بینکوں میں سود ادا کرنے کے بعد باقی رہ جاتا ہے ۔ اور غور کیا جائے تو سودی بینکوں میں بینک کو دیا جانے والا سود تقریباً اتنا ہی ہوتا ہے جتنا غیر سودی بینک میں مجموعی طور پر صاحب مال کو فیصدی حصہ اور بینک کو حق المحنت کے طور پر دیا جاتا ہے ۔ اس اعتبار سے سودی اور غیر سودی بینک میں کوئی فرق نہیں ہے ۔

اتنا ضرور ہے کہ غیر سودی بینک میں بینک کو عامل کی طرف سے وہ مقدار تفاوت بھی ملتی ہے جو مال مضمون القیمۃ (ضمانتی) ۔ اور مال غیر مضمون القیمۃ (غیر ضمانتی) کی اجرت کے درمیان ہوا کرتا ہے ۔ اور عامل یہ اضافہ اس لئے دیتا ہے کہ بینک نے اس کی طرف سے مال کی ذمہ داری لے لی ہے اور اُسے تلف ہو جانے کے خطرے سے بچا لیا ہے ۔ جبکہ سودی بینکوں میں ایسا نہیں ہوتا اور وہاں خود عامل مال کا ضامن ہوتا ہے ۔

خطرہ بار نگری عمال

گذشتہ بیانات سے واضح ہو چکا ہے کہ صاحبانِ اموال کے جملہ منافع اور بینک کی آمدنی کا اکثر حصہ ان فوائد ہی سے حاصل ہوتا ہے جو اصل کاروبار کے منافع سے آیا کرتے ہیں ۔

اور اس طرح بینک کی جملہ ضمانتوں کا تعلق بھی کاروبار کی واقعی رفتار سے ہے کہ جب بھی کاروبار میں کوئی خسارہ واقع ہوگا۔ بینک کو صاحبِ مال کے سامنے جوابدہ ہونا پڑیگا اور مال کی قیمت ادا کرنی پڑے گی۔

مقصد یہ ہے کہ کاروبار کی رفتار کا ہر انداز۔ ترقی تنزل۔ فائدہ نقصان۔ سب ہی بینک کی حیثیت اور صاحبان اموال کی منفعت پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

ایسے حالات میں ضروری ہے کہ بینک اس وقت تک کسی مضاربہ کی قرار داد نہ کرے جبتک عمل کی پوری نوعیت کا اندازہ کر کے فائدہ نقصان۔ اور فائدہ کی مقدار کا صحیح تخمینہ نہ لگالے۔

بلکہ اسکے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ جس شخص کے ساتھ قرار داد کر رہا ہے اسکے اطلاعات اور مہارتِ فن کا بھی جائزہ لے لے تاکہ نقصان کا اندیشہ ضعیف سے ضعیف تر ہو جائے۔

تاہم یہ امکان ضرور رہتا ہے کہ کاروبار کرنیوالے بازیگری سے کام لیں اور فائدہ کو چھپالیں۔ یا نقصان کا دعویٰ کر کے ساری ذمہ داری بینک پر ڈال دیں۔ اور اسے منفعت کا فیصدی حصّہ دینے سے اپنی جان بچالیں

ضرورت ہے کہ بینک اس بازیگری سے تحفظ کا انتظام کرے اور عمال سے ایسی ضمانتیں لے لے جن کے بعد غلط بیانی اور بازیگری کے امکانات ختم ہو جائیں۔

ان ضمانتوں کی حسب ذیل صورتیں ہو سکتی ہیں۔

۱۔ عامل کی سابقہ امانتداری کا جائزہ لیا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ وہ اپنے معاملات میں کس قدر صفائی رکھتا ہے۔ اس کام کے لئے بینک ایک مستقل شعبہ بھی کھول سکتا ہے جو اس سلسلے کے معلومات فراہم کرتا رہے اور بینک کو ہر امکانی خسارہ سے بچاتا رہے۔

۲۔ گذشتہ بیانات کی بنا پر خود بینک کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ عامل کے حدود عمل کے بارے میں پوری اطلاع رکھتا ہو اور اس سرمایہ کی تجارت کے رازوں سے باخبر ہو جس پر مضاربہ واقع ہو رہا ہے۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ بینک ان تمام حالات و کیفیات کا جائزہ لے سکتا ہے جن کے بدل جانے سے فائدہ اور نقصان میں فرق آجایا کرتا ہے۔

ضرورت ہے کہ بینک ان تمام امور کی مکمل نگرانی کرے اور اپنے فرائض پر باقاعدہ عمل کرتا رہے۔ تاکہ عمل بازی گری نہ کر سکیں اور مال برباد نہ ہونے پائے۔

۳۔ بینک عمال پر یہ پابندی بھی عائد کر سکتا ہے کہ وہ قیمتوں کے بارے میں تمام معلومات فراہم کرتے رہیں۔ اور جب بھی قیمت خرید سے کم پر مال فروخت کرنا پڑے یا معقول فائدہ نہ حاصل ہو۔ تو فوراً بینک کو ان حالات سے اطلاع کر دیں اور اپنے کاروبار کی صحت کے شواہد فراہم کریں۔

اس کے علاوہ دوسرے بینکوں کی طرح غیر سودی بینک کا بھی یہ فرض ہے کہ "اقتصادی تحقیقات" کے نام سے ایک شعبہ قائم کرے جس کا کام بازار کی حالت، قیمتوں کے آتار چڑھاؤ۔ تجارت کے مواقع کی اطلاعات فراہم کرنا ہے۔ تاکہ انہیں اطلاعات کی روشنی میں مستقبل کی فرصتِ عمل کا فیصلہ کیا جاسکے اور یہ دیکھا جاسکے کہ کس زمانے میں کون سی تجارت یا صنعت مناسب رہے گی۔

اس شعبہ کا ایک اہم فائدہ یہ بھی ہوگا کہ بینک اپنے معلومات کی روشنی میں روزِ اوّل ہی اکثر مضاربات و معاملات کے نتائج کا فیصلہ کرلیگا اور اسے یہ اندازہ ہوجائیگا کہ کس مضاربہ میں کس قدر فائدہ ہوسکتا ہے۔ اور عمال کا کون سا اقدام برمحل اور کون سا بے محل ہے۔

جسکے بعد عمال کے لئے یہ ناممکن ہوجائیگا کہ وہ کسی ایسے خسارہ کا ادعا کرسکے جس کا بینک کو اندازہ نہ ہو۔

یہ حالات ان معاملات سے متعلق ہیں جن میں محدود انداز کی تجارت ہوتی ہے۔ لیکن جہاں پورا تجارتی مرکز قائم کیا جاتا ہے اور مضاربہ کا تعلق مرکز کے مستقل قیام یا اس سے اشتراک سے ہوتا ہے۔ وہاں صرف ایک راستہ یہ ہے کہ بینک بھی اپنا ایک نمائندہ مقرر کردے جو روزِ اوّل سے سارے حالات کا جائزہ لیتا رہے اور دیکھتا رہے کہ یہ مرکز کس انداز سے قائم کیا جارہا ہے۔

۴۔ بینک کو روزِ اوّل سے ایسے قرائن و وسائل مقرر کردینا چاہئیں جن کے بغیر فائدہ یا نقصان کا اثبات ممکن نہ ہو اور کوئی دعویٰ اس وقت تک قبول نہ کیا جائے جبتک اس نوعیت کے قرائن موجود نہ ہوں۔

ان قرائن و وسائل میں اہم وسیلہ ان کاغذات کا محفوظ رکھنا ہے جنہیں بینک نے اپنے عمال کے حساب وکتاب کیلئے مقرر کیا ہے۔ کہ اگر کوئی شخص ان کاغذات کی صحیح نگہداشت نہیں کرتا اور کسی ایسے خسارے کا دعویٰ کرتا ہے جو ان کاغذات کی روشنی میں صحیح نہیں ہے۔ تو اسکے دعوے کو غلط قرار دیتے ہوئے یہ فیصلہ کیا جائے گا کہ اصل سرمایہ میں کوئی خسارہ نہیں ہوا اور ایک جزئی طور پر فائدہ بھی ہوا ہے جس کی مقدار کی فیصدی نسبت کم سے کم اس مقدار کے برابر ہے جو سودی بینکوں میں ارباب مال کو بطور سود دی جاتی ہے۔

(تفاصیل ملحقات میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں)

منافع دریافت کرنیکے ذرائع

اور

تقسیم کا طریقہ

کھلی ہوئی بات ہر کہ بینک اپنے عمال سے وہ پوری منفعت وصول کر لیتا ہے جو عقد مضاربہ کے کے ذیل میں طے کی گئی ہے۔ اور اسکے بعد اپنے اور ارباب ثروت کے درمیان تقسیم کر دیتا ہے۔

یہ بھی واضح رہے کہ بینک ان تمام منافع اور فوائد کو اپنے بنیادی میزانیہ "میں درج نہیں کر سکتا۔ بلکہ ان کا الگ ایک میزانیہ" ہوتا ہے جسمیں فوائد اور ان کی تقسیم کی تفصیل درج ہوتی ہے (BACIC CAPITAL)

لیکن اس مقام پر دو اہم سوال پیدا ہوتے ہیں۔

۱۔ بینک کا فرض ہے کہ وہ سال کے درمیان مختلف مضاربات سے حاصل ہونے والے منافع کو ضبط کرتا رہے اور اس کے بعد آخر سال میں تمام منافع کو یکجا طور پر محفوظ کرلے۔ لیکن کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض معاملات کا حساب سال تمام پر ختم نہیں ہوتا اور کچھ نہ کچھ سلسلہ باقی رہ جاتا ہے ایسے حالات میں ان معاملات کے منافع کو ضبط کرنے کا ذریعہ کیا ہوگا، اور بینک اپنی مجموعی سالانہ آمدنی کا حساب کسطرح کر سکے گا؟

۲۔ اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ بینک نے سال کے اندر ختم ہونے والے مضاربات و معاملات کے منافع کو طے کر لیا ہے۔ اور اسکے نتیجہ میں وہ مقدار دریافت کرلی ہے اور جو کاروبار کرنے والوں کو بینک کے حق میں چھوڑ دینی چاہیئے۔ اور بینک کو ارباب ثروت پر تقسیم کرنا چاہیئے۔ لیکن یہ کیونکر ممکن ہے کہ بینک ہر امانت کے فائدے کو الگ کرلے اور اسے اسکے مالکین پر تقسیم کر دے۔

منافع معلوم کرنیکا ذریعہ

پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ بینک سے مال لیکر تجارت کرنے والوں کی دو قسمیں ہوتی ہے۔

بعض لوگ محدود قسم کی تجارت کرتے ہیں اور باہر سے جنس منگا کر موقع پر فروخت کر دیتے ہیں۔ اور بعض لوگ پورا تجارتی مرکز قائم کرتے ہیں جس میں برابر اموال آیا کرتے ہیں اور فروخت ہوتے رہتے ہیں۔

پہلی صورت میں مال ایک مخصوص عمل میں لگایا جاتا ہے جس کا نتیجہ بہت جلد ہی ظاہر ہو جاتا ہے۔ اور اگر ابتدا ہی میں اس معاملہ کے حساب صاف ہونے تک نہیں بھی معلوم ہو سکا تو سال تمام ہونے پر بینک کے حساب کی صفائی تک بہر حال معلوم ہو جاتا ہے۔

اور یہ مدت اتنی طویل ہوتی ہے کہ اس میں بینک سال تمام ہونے سے پہلے ختم ہو گیا ہے اور اسکی منفعت نہیں بھی معلوم ہو سکی ہے تو بھی بینک کے لئے یہ ممکن ہے کہ وہ منافع کا ایک تخمینہ قائم کرلے اور اسی روشنی میں کام جاری رکھے۔

تخمینہ قائم کرنا اسلئے آسان ہے کہ بینک کے پاس عامل کے عمل کی پوری اطلاعات موجود ہیں اور تجارت کی رفتار سے بھی باخبر ہے۔ اسکے لئے کیا دشوار ہے کہ وہ نتائج کا اندازہ لگالے اور اس کی روشنی میں تصرف شروع کردے۔ جیسا کہ آئندہ تفصیل سے معلوم ہوگا۔

دوسری صورت میں بھی بینک کیلئے یہ ممکن ہے کہ وہ اسکے قرض سے قائم ہونے والے مرکز سے یہ طے کرلے کہ اسے اپنا مالی سال بینک کے سال کے حساب سے چلانا پڑے گا۔

یہ بات اس وقت نہایت درجہ آسان ہے جب تجارتی مرکز بینک کے اموال سے مضاربہ کی بنیاد پر قائم ہو۔ یا بینک کو تجارتی مرکز کا مستقل شریک قرار دے لیا جائے اور اس کے لئے یہ بات ممکن ہو کہ وہ اپنا مالی سال بدل کر بینک کے مالی سال کے مطابق کردے۔

لیکن کچھ ایسے حالات بھی ہوتے ہیں جہاں یہ کچھ ممکن نہیں ہوتا۔ پلانٹ پہلے سے قائم ہو چکا ہے۔ مالی سال مقرر ہو چکا ہے۔ اس کا بدلنا ممکن نہیں ہے۔ یا کاروبار موسم کے حساب سے چل رہا ہے اور ایسے مواد کی تجارت یا صنعت کا کام ہو رہا ہے جن کا شباب اس وقت آتا ہے جب بینک کا مالی سال تمام ہونے لگتا ہے۔

ایسے حالات میں کاروبار والوں کو یہ تکلیف دینا کہ وہ اپنا سال بینک کے سال کے مطابق کردیں۔ ایک غیر معقول امر ہے۔ ضرورت ہے کہ کوئی ایسا راستہ نکالا جائے جس سے مسائل حل ہو جائیں اور ایسا کوئی اقدام نہ کرنا پڑے۔

ان دونوں صورتوں کا ایک مشترک حل یہ ہے کہ جو منافع ان مراکز پر سال تمام ہونے پر ظاہر ہونے والے ہیں ان کا سال کے اندر ہی حساب کر لیا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں پہلے سال منافع کا صحیح حساب نہ ہو سکے گا لیکن اسکے بعد دوسرے برسوں میں یہ مسئلہ حل ہو جائے گا اور آنے والے سال میں جو فائدہ حساب ہونے والا ہے اسے اس سال کی طرف پلٹادیں گے اور اسکے ساتھ ان منافع کو جوڑ دیں گے جو سال

کے دوران گذشتہ سال میں حساب کر دیئے گئے ہیں۔ رہ گیا صاحب مال۔ تو اسے ان حالات میں دو میں سے ایک موقف اختیار کرنا پڑیگا۔

۱۔ آئندہ سال تک انتظار کرے اور جب سال کے دوران ان پلانٹوں کے منافع معلوم ہو جائیں جو اس سال معلوم نہیں ہو سکے ہیں تو تمام منافع کو گذشتہ سال کے معلوم شدہ منافع کی طرح حسب نسبت وقرار داد تقسیم کر لیا جائے اور ہر آدمی کو اس کا واقعی حق مل جائے۔

۲۔ صاحب مال آئندہ سال ظاہر ہونے والے منافع کا تخمینہ لگا کر بینک سے اس مقدار پر مصالحت کرلے اور حسب مصالحت اپنا حصہ لیکر الگ ہو جائے۔ اسکے بعد جب سال تمام پر حقیقی منافع کا اندازہ ہو گا تو وہ سب کے سب بینک کا مال شمار کئے جائیں گے۔ اسلئے کہ بینک ارباب ثروت کو مصالحت کے مطابق ان کا حصہ حصۂ منفعت دے چکا ہے۔

بینک کیلئے یہ بھی ممکن ہے کہ وہ آغاز کار ہی سے مصالحت کی قیمت مقرر کر دے اور ارباب ثروت کو بتا دے کہ درمیان سال منفعت کا حساب کرنے پر ان سے فلاں مقدار کے لحاظ سے مصالحت کی جائے گی۔

اس طرح صاحب مال کو اس کا حصہ بھی مل جائیگا اور بینک کو تصفیہ حساب کی زحمتوں سے بھی نجات مل جائے گی۔

یاد رہے کہ بینک نے جو طریقہ مصالحت ان ارباب ثروت کے لئے طے کیا ہے جن کا مال بڑے بڑے پلانٹوں میں لگا دیا گیا ہے اور ان کا سال بینک کے سال تمام کے ساتھ ختم نہیں ہوا ہے۔

وہی طریقہ ان ارباب ثروت کے ساتھ بھی اختیار کر سکتا ہے جنکے اموال محدود تجارتوں اور مختصر معاملات میں صرف کئے گئے ہیں۔ اور ان کے منافع بینک کے "اصلی میزانیہ" کا حساب کرتے وقت تک ظاہر نہیں ہو سکے ہیں۔

ایسے حالات میں بینک کے لئے صرف یہی ممکن ہے کہ وہ انتظار نہ کر سکنے کی صورت میں صاحبان اموال سے اپنے اطلاعات و معلومات کی روشنی میں ایک محدود مقدار میں منافع کے اوپر صلح کر لے اور انہیں وہ مقدار دیکر منافع کے ظاہر ہونے کا انتظار کرنے سے بے نیاز کر دے۔

طریقہ تقسیم منافع

دوسرا بنیادی سوال یہ ہے کہ بینک ان تمام منافع کو کس اصول پر تقسیم کریگا۔؟ اور اس کے لئے کیا ذریعہ ہوگا کہ ہر امانت کا حصۂ منفعت الگ کر کے اسکے مالک کو فیصدی حصے کے اعتبار سے سپرد کر دے۔؟

ظاہر ہے کہ تمام ثابت اموال کو ایک وقت میں کاروبار میں لگایا جاتا۔ اور سب کے سب ایک

محدود و معین مدت تک کاروبار میں لگے رہتے تو منافع کا حساب بیحد آسان ہوتا۔ سال کے اندر زمانے کی دخل اندازی تمام اموال کے لئے یکساں حیثیت کی ہوتی۔ صرف مقدار کا معاملہ رہ جاتا اس کا حساب کرنا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ ہر امانت کو مجموعی امانتوں کے ساتھ ملاکر اس کی نسبت طے کرلی جاتی۔ اور اسکے بعد اسی نسبت سے فائدہ کو تقسیم کردیا جاتا۔

لیکن ظاہر ہے کہ ایسا کچھ نہیں ہے۔ یہ صرف ایک فرض ہے۔ واقعہ اسکے بالکل برعکس ہے۔ واقع میں ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ بینک تمام اموال کو جمع کرکے ایک وقت میں ایک ہی کاروبار میں لگادے۔ بلکہ اوقات بھی مختلف ہوتے ہیں۔ اور کاروبار بھی مختلف۔ اور اگر بینک پر یہ پابندی بھی عائد کردی جائے کہ تمام معاملات کو ایک مخصوص مدت کے اندر ختم ہوجانا چاہیئے تو اس کے امکان میں نہیں ہے۔ اسکے لئے بیحد سعی کرنا پڑیگی اور بے شمار سرمایہ برباد کرنا پڑے گا۔ جو کوئی بینک بھی برداشت کرنے کیلئے تیار نہیں ہے۔

ایسے حالات میں اگر روز اوّل سے روز آخر تک گزرنے والے ہر زمانے کو ہر امانت کے حق میں حساب کرلیا جائے جیسا کہ سودی بینکوں میں ہوا کرتا ہے تو یہ بات اِسلامی مضاربہ سے کوسوں دور ہوجائے گی۔

اِسلامی مضاربہ کا تصور یہ ہے کہ فائدہ مال کے صرف ہونے اور اس سے کاروبار کئے جانے سے ظاہر ہو۔ نہ یہ کہ مال رکھا رہے اور دوسرے کاروبار کے اعتبار سے منفعت ملتی رہے۔ سودی بینکوں میں تو یہ بات ممکن بھی تھی لیکن غیر سودی بینک میں تقریباً ناممکن ہے۔

وہاں پہلے روز کا حساب کرنا ممکن تھا۔ اسلئے کہ مال قرض کی بنیاد پر دیا گیا تھا اور قرض میں مدت مقررہ کی ایک ایک گھڑی کا شمار ہوتا ہے لیکن غیر سودی بینک میں روز اوّل کا حساب کرنا ناممکن ہے۔ یہاں فائدہ مضاربہ کی بنیاد پر ملتا ہے اور کھلی ہوئی بات ہے کہ روز اوّل مضاربہ شروع بھی نہیں ہوا۔

ضرورت ہے کہ اس مشکل کو حل کرنے کیلئے کوئی نیا فارمولا تلاش کیا جائے جہاں فائدہ کی تقسیم بھی ہوسکے اور مضاربہ سود بھی نہ بننے پائے۔

اس سلسلے کا نیا فارمولا یہ ہوسکتا ہے کہ بینک روز اوّل سے یہ طے کردے کہ میرے خزانے میں جمع ہونے والی کسی امانت کا حساب تجارت دو ماہ سے پہلے شروع نہ ہوگا۔ (دو ماہ کی مدت صرف ایک اندازہ ہے۔ ورنہ تجارتی حالات اور لوگوں کی توجہ کے اعتبار سے اس مدت میں کمی زیادتی بھی کیجا سکتی ہے)

دو ماہ کے بعد جس کا مال بینک میں رہ جائے گا اسکے فائدہ کا حساب کیا جائے گا۔ اور اگر دو ماہ گذرنے کے بعد نکالا ہے تو حسب حصّہ فائدہ دیا جائے گا۔

یعنی ایسے شخص کے فائدہ کا حساب شروع ہوجائیگا لیکن یہ یاد رہے کہ چار ماہ کے بعد مال برآمد کرنے

والے کو صرف دو ہی ماہ کا فائدہ دیا جائیگا۔ چار ماہ کا نہیں۔ دو ماہ تو بینک پہلے ہی مشتثنیٰ کر چکا ہے۔ اس کے شمار کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

دو ماہ کے بعد حساب اس لئے شروع ہو جائیگا کہ بینک کو مال کے صرف کرنے اور اچھے کاروبار میں لگانے کی معقول مہلت دیجا چکی ہے۔ اب صاحب مال کو اپنے اموال کی منفعت کا فیصدی حصہ طلب کرنے کا قطعی حق پیدا ہو چکا ہے۔

یہ طریقۂ کار بینک کے مشکلات کو بھی حل کر دے گا۔ اور اسلامی مضاربہ سے بھی دور نہ ہونے پائے گا۔ رہ گیا اس دو ماہ کے استثناء کرنیکا فقہی جواز۔ تو اس کی صورت یہ ہے کہ بینک مضاربہ طے کرتے وقت ہی اصحابِ ثروت سے یہ شرط کرے گا کہ انہیں اپنے واقعی حصۂ منفعت میں سے دو ماہ کا حصہ بینک کے حق میں واگذار کرنا پڑے گا۔ اب اگر مال دو ماہ کے بعد ہی کام میں لگا ہے تو یہ شرط صرف ایک شرط رہ جائے گی۔ ورنہ اصل دقیق حساب سے نجات دلانے کا بہترین ذریعہ بن جائے گی۔

مثال کے طور پر زید اور خالد دونوں نے ایک ایک مساوی رقم بینک کے حوالے کی اور بینک نے دونوں رقوم کو کاروبار میں لگا دیا۔ اتفاق ایسا ہوا کہ زید کی رقم دوسرے مہینے کی ابتدا میں لگی۔ اور خالد کی رقم چھٹے مہینے کے آغاز میں لگی۔ اور سال تمام ہونے پر زید کے مال سے حاصل ہونے والا فائدہ خالد کے فائدہ سے زیادہ ہونا چاہیئے۔ لیکن بینک اپنے حساب کو مرتب رکھنے کے لئے یہ شرط کر چکا ہے کہ اسکے مقررہ منافع کی مقدار سے زائد جو حصہ بھی اصحاب مال کا ہوگا وہ انہیں بینک کے حق میں واگذار کرنا ہوگا۔ اس طرح تقسیم کا مسئلہ بھی آسان رہے گا اور اموال کے حساب کرنے میں بھی دشواری نہ ہوگی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ بینک کے سارے منافع مال کی مقدار اور امانت کی مدت کے اعتبار سے تقسیم ہوں گے۔ اور ان میں سے وہ زمانہ منہا کر دیا جائے گا جسے کاروبار سے پہلے کا زمانہ فرض کیا جا چکا ہے۔

تکمیل مقصد کے لئے یوں فرض کیا جائے کہ سال کے اندر تمام معاملات سے حاصل ہونے والی فائدہ کی رقم ۲۰ ہزار روپیہ ہے اور اصل سرمایہ ۱۰ لاکھ روپیہ تھا بینک کو چاہیئے کہ ۲۰ ہزار کی رقم کو دو حصوں پر تقسیم کر دے۔ پہلے دس ہزار کو پورے سرمایہ پر مساوی طور سے تقسیم کر دیا جائے اور اس میں مدتوں کی کمی یا زیادتی کا کوئی لحاظ نہ کیا جائے۔ اور دوسرے دس ہزار کو مدتوں پر تقسیم کیا جائے جسکا مال جتنی مدت تک بینک میں رہا ہو اس اعتبار سے اپنا حصہ لے۔ صرف ابتدا کے دو مہینے حسب قرار داد الگ کر دیے جائیں۔ لیکن اس تقسیم میں صرف زمانہ دیکھا جائے گا۔ رقم کی مقدار پر کوئی نظر نہ کیجائے گی۔

دیاد رہے کہ اس تقریب کا مقصد یہ نہیں ہے کہ فائدہ میں زمانہ کی مقدار کو شامل کر کے مضاربہ کے فائدے

کو سود سے قریب تر بنا دیا جائے اسلئے کہ یہ بیان صرف ایک طریقہ تقسیم کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اس میں اور تاجر کی قرارداد کا کوئی لحاظ نہیں کیا گیا ہے جبکہ مضاربہ کی روح ہی قرارداد ہے۔ اور فائدہ کی مقدار پلانٹ سے حاصل ہونے والے فائدے کے اعتبار سے طے ہوگی اس کا قبل سے کوئی تعین نہیں ہو سکتا۔ مضاربہ کا یہی لحاظ سود اور منفعت کو الگ الگ کر دے گا۔ سود میں قرارداد معیار نہیں ہوتی، زمانہ معیار ہوتا ہے اور مضاربہ میں قرارداد ہی پر سارا دارومدار رہتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ساری منفعت کی رقم کے الگ الگ امانتوں پر تقسیم کرنے میں مقدار اور زمانہ دونوں کا لحاظ کیا جائے گا اور اس کا سود سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مؤلف)

پہلے دس ہزار کو جب دس لاکھ پر تقسیم کیا جائے گا تو ہر روپیہ کی منفعت کی مقدار $\frac{1}{100}$ روپیہ ہوگی۔ اسکے بعد ہر امانت کے حصے کا الگ الگ حساب کیا جائے گا اور اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ امانت کی مقدار کو $\frac{1}{100}$ میں ضرب دیدیا جائے گا۔ حاصل ضرب اس امانت کی منفعت کا حصہ ہوگا۔

دوسرے دس ہزار کا حساب یہ ہے کہ پوری رقم کو دو مہینے الگ کر کے پوری مدت پر تقسیم کر دیا جائیگا اور ایک ماہ۔ ایک ہفتہ۔ پندرہ دن یا ایک دن کا حصہ نکال لیا جائیگا اور اس کو معیار بنا کر رقم کے بینک میں رہنے کی مدت میں ضرب دیدیا جائے گا۔

میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ معیار طے کرتے وقت ایسی مدت کا لحاظ کیا جائے جس میں عام طور سے فائدے کے امکانات پائے جاتے ہوں جیسے ایک ماہ۔ پندرہ دن۔ ایک ہفتہ وغیرہ۔ اور اس سے کم مدت کا کوئی حصہ نہ رکھا جائے۔ ورنہ صرف ایک دن یا آدھے دن کو معیار بنانے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ اس قلیل مدت میں عام طور سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا کرتا۔

معیار طے کرنے کے بعد تقسیم کا طریقہ بالکل واضح ہے۔ مثال کے طور پر معیار ہفتہ کو بنایا گیا ہے اور مال کے رہنے کی مجموعی مدت ۳$\frac{1}{2}$ ہفتہ ہے۔ تو تین ہفتہ کا حصہ نکال لیا جائیگا اور آدھے ہفتے کا کوئی حصہ نہ ہوگا۔ آدھے فائدے کو امانتوں کی مقدار۔ اور آدھے فائدے کو امانتوں کی مدت پر تقسیم کرنے کے بعد جو حاصل تقسیم ہو۔ اسے اصل امانت کی مقدار اور مدت میں ضرب دیدیا جائے تو ہر امانت کے فائدہ کی صحیح مقدار معلوم ہو سکتی ہے۔

رہ گیا کل فائدے کے بینک اور اصحاب ثروت کے درمیان تقسیم کا مسئلہ۔ تو اُس کا حل حسب ذیل ہے۔ گذشتہ بیانات میں وضاحت کی جا چکی ہے کہ ضمانت شدہ سرمایہ کی اجرت کی ادنیٰ حد مقرر کرنے کا ذریعہ کیا ہے۔ ؟ اور وہ یہ ہے کہ سودی بازاروں میں ایسے سرمایہ کا سود دریافت کرنے کے بعد اسے نقصان کے احتمال میں ضرب دیدیا جائے۔ صورت حساب یہ ہوگی:۔

$\frac{5500}{1000} = \frac{10}{1} \times \frac{500}{1} + \frac{5}{100}$ - اسکے بعد اسی رقم کو بینک کے توقعات کے مطابق نسبت میں تبدیل کر دیا جائے گا جس کو سابق میں ٪۲۰ فرض کیا گیا تھا اور نتیجہ میں طے پایا تھا کہ فائدہ میں ہر امانت کا حصہ ٪۵ء۲ ہوگا.

ان بیانات کی روشنی میں اولاً بینک اپنے تمام منافع کو مقدار و مدت کے اعتبار سے مجموعی مقدار پر تقسیم کر دے گا اور اس میں سے ہر امانت کا حصہ نکال لیگا اور صاحبِ امانت کو مضاربہ کی قرارداد کے مطابق دیدیگا۔ اور باقی نسبت اپنے لئے محفوظ کرے گا.

لیکن یہ بھی واضح رہے کہ ابتک صاحب مال کا جو فیصدی حصہ طے کیا گیا ہے۔ اس کا حساب پورے سرمایے کے مجموعی فائدے کے اعتبار سے کیا گیا ہے اس میں بینک اور صاحبِ مال کے حصّہ کا لحاظ نہیں رکھا گیا ہے۔ اب اگر یہ لحاظ بھی کرنا چاہتے ہیں تو نسبت کو اس طرح منقلب کرنا پڑے گا.

فرض کیجئے کہ صاحبانِ اموال اور بینک کے مجموعی فائدہ کی نسبت. جو عام بازاروں میں ایسے سرمایہ کی اجرت قرار دیدیا ہے کہ اس فائدہ کی مقدار کم کی جائے تاکہ بینک کا مستقل حق المحنت نکالا جا سکے۔ کے برابر ہوتی ہے جیسے نہ قیمت کی کوئی ضمانت ہو اور نہ فائدہ کی۔ ٪۷۰ ہے۔ اور بینک کے حق المحنت نے یہ ضروری تو اس طرح فائدے کی مقدار ٪۶۵ ہو جاتی ہے جسے بینک اور ارباب ثروت دونوں پر تقسیم ہونا ہے. اور گذشتہ حساب کی بنا پر ٪۷،۵ صاحبِ مال کا ہوگا اور بینک کا حق المحنت ٪۵ ہوگا.

اب اگر یہ معلوم کرنا ہے کہ بینک کے مستقل حق المحنت کو فائدہ میں فیصدی نسبت کی طرف کس طرح منقلب کیا جائے تاکہ اسے غیر ضمانت شدہ سرمایہ کی اجرت کی فیصدی نسبت سے کم کیا جا سکے اور تاجروں کو عمومی اُجرت (سود) سے زیادہ کی زحمت نہ کرنا پڑے تو اس کا طریقہ یہ ہے :-

فرض کیجئے کہ بینک کا مستقل حق المحنت ٪۱ ہے اور اصل سرمایہ ۱۰۰۰ روپیہ ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ حق المحنت کی مقدار ۱۰ روپیہ ہوگی۔ جو دونوں قسم کے سودی اور تجارتی فائدوں کے تفاوت کی مقدار ہے۔

اب فرض کیجیے کہ کاروبار سے حاصل ہونے والا فائدہ ٪۲۰ ہوگا یعنی ۲۰۰ روپیہ۔ تو ایسی صورت میں حق المحنت کی نسبت اصل فائدے کے اعتبار سے $\frac{1}{20}$ ہو جائے گی جو اصل سرمایہ کا ٪۵ ہے اور اس طرح ارباب ثروت اور دونوں کا مشترکہ حصہ یہ ہے ٪۷۰ - ٪۵ = ٪۶۵

اگر بینک کو سرمایہ کی ضرورت پڑ جائے؟

کبھی کبھی ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ بازار میں کاروبار کی رفتار تیز ہو جائے اور کاروبار کرنیوالے بینک سے زیادہ سے زیادہ مال کا مطالبہ کریں موجودہ صورت حال میں بینک کے پاس نہیں ہے۔ ایسے حالات میں بینک کو ضرورت ہوگی کہ وہ لوگوں سے زیادہ سے زیادہ امانتیں حاصل کرے تاکہ لوگوں کے مطالبات پورا کر سکے۔ اور اس کا صرف ایک ذریعہ ہے کہ بینک امانت رکھنے پر جعالہ کا اعلان کر دے اور اس کی طرف سے اعلان عام ہو جائے کہ جو شخص بھی اپنا مال مضاربہ کی غرض سے بینک کے حوالے کریگا۔ اور اس راہ میں بینک کے خدمات اور اس کی وساطت کو قبول کریگا۔ اُسے بینک مقررہ فائدے کے علاوہ ایک مخصوص رقم اور پیش کریگا۔

اس جعالہ کی شرعی صحت کی وجہ یہ ہے کہ بینک کا وساطت کے فرائض انجام دینا ایک عمل ہے اور اس وساطت کا قبول کر کے بینک کا وکیل بنانا خود بھی ایک عمل محترم ہے جس پر اجرت دی بھی جا سکتی ہے۔ اور لی بھی جا سکتی ہے۔ اب اگر بینک اس وکیل بنانے پر اجرت دیتا ہے تو کوئی ہرج نہیں ہے۔ اور کھلی ہوئی بات ہے کہ جتنی بڑی رقم میں وکیل بنا کر اختیار دے گا اتنی زیادہ اجرت کا حقدار ہوگا۔

اس اجرت کی ادائیگی کا ذریعہ وہ حق المحنت ہے جو بینک اپنے متعلقین سے حاصل کیا کرتا ہے۔ جس طرح کہ سودی بینکوں میں مال جمع ہونے کی تاریخ سے سود کا حساب ان فوائد میں سے کیا جاتا ہے جو بینک اپنے متعلق افراد سے لیا کرتا ہے۔

واضح رہے کہ اس اجرت کو سود کا نام نہیں دیا جا سکتا۔ اسلئے کہ وکالت خود ایک عملِ محترم ہے جس کی اجرت دیجا سکتی ہے۔

لیکن اسکے باوجود میری ذاتی رائے یہ ہے کہ غیر سودی بینک اس طریقۂ کار کو اختیار نہ کرے اور لوگوں کے اموال جذب کرنے کے لئے دوسرے وسائل سے کام لے۔ یہ طریقہ کار سود سے بہت زیادہ مشابہت رکھتا ہے۔ اور اس طرح غیر سودی بینک کے بدنام ہو جانے کا اندیشہ ہے۔

اس سے بہتر تو یہ ہے کہ خود شرح منفعت بڑھا دی جائے۔ اسلئے کہ اگر تجار کی طرف سے مال کا مطالبہ زیادہ ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تجارت کے حالات بہت زیادہ سازگار ہیں۔ اور بازار میں منافع کے امکانات بہت زیادہ ہیں۔ اور یہ حالات جہاں تجار کو مال لینے پر آمادہ کر سکتے ہیں۔ وہاں اصحاب ثروت کو مال دینے پر بھی آمادہ کر سکتے ہیں۔ بینک کا فرض ہے کہ لوگوں کو ایسے حالات سے باخبر کر دے اور انہیں بتا دے کہ یہ موسم منافع کے لیے بہت زیادہ سازگار ہے۔ ظاہر ہے کہ اس اطلاع کے بعد جو لوگ براہ راست تجارت کرنے پر قادر نہیں ہیں۔ وہ خود ہی بینک کی طرف رجوع کریں گے۔ اور اسے واسطہ بنا کر اپنے اموال کو ترقی دیں گے۔

امانتِ توفیر (سیونگ اکاؤنٹ)

ثابت امانتوں کے مقابلے میں غیر سودی بینک کے موقف کی تجدید کرنے کے بعد ضرورت ہے کہ سیونگ امانتوں کے مقابلہ میں غیر سودی بینک کے موقف کی بھی تعیین کر دی جائے۔

کھلی ہوئی بات ہے کہ یہ امانتیں خود بھی ثابت امانتوں کی طرح مضاربہ میں شامل کی جاتی ہیں۔ اور ان کے ذریعے کاروبار کیا جاتا ہے۔ لیکن ان دونوں قسموں میں دو طرح کے فرق بھی ہوتے ہیں۔

ا۔ ثابت امانتوں میں غیر سودی بینک کو یہ اختیار تھا کہ وہ اصحاب امانت کو اس بات پر مجبور کرے کہ وہ چھ مہینے سے پہلے اپنے اموال کو برآمد نہیں کر سکتے۔ لیکن ان امانتوں میں بینک کو اختیار نہیں ہے۔ ان میں ابتدا ہی سے یہ شرط ہوتی ہے کہ صاحب مال وقت ضرورت اپنے مال کو برآمد کر سکتا ہے اور بینک کو اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ گویا اس اعتبار سے اس مال کا حساب متحرک امانتوں جیسا ہوتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ یہ مال مضاربہ میں شامل کیا جاتا ہے اور اس سے گذشتہ تمام حقوق و شرائط کی روشنی میں کاروبار بھی کیا جاتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ اگر مال کو مضاربہ میں شامل کرنے کے بعد صاحب مال نے مطالبہ کر لیا تو کیا ہوگا۔؟

اس کا حل یہ ہے کہ بینک ابتدا ہی سے یہ طے کرلے کہ صاحبان مال کو اپنے اموال میں سے صرف ایک جزو نکالنے کا اختیار رہو گا اور اس سے زیادہ مقدار کو بینک میں رکھنا پڑے گا۔

مثال کے طور پر بینک سے برآمد ہو سکنے والی رقم کی مقدار ۱/۴ ہے۔ تو بینک کا فرض ہے کہ وہ پوری امانت میں سے ۱/۴ کو الگ کر کے کرنٹ اکاؤنٹ قرار دیدے۔ اور بطور قرض اپنے پاس نقدی شکل میں محفوظ رکھے۔ تاکہ بر وقت مطالبہ کو پورا کیا جا سکے۔ یہ اور بات ہے کہ اس ۱/۴ میں فائدہ کا کوئی سوال نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ یہ مال مضاربہ میں لگایا نہیں گیا۔ اور غیر سودی بینک میں قرض کے فائدے کا کوئی سوال نہیں ہے۔

مذکورہ شرط کے بعد کوئی دشواری نہیں رہ جاتی۔ مال کا ایک حصہ اصحاب مال کے مطالبات کو پورا کرنے کے لئے کر لیا گیا ہے اور اسے ان امانتوں میں شمار ہی نہیں کیا گیا ہے۔ اب وہ جس وقت بھی اپنے مال کا تقاضا کریں گے۔ انہیں فوراً دیدیا جائے گا۔ اور خود بینک مضاربہ میں ان کا قائم مقام بن جائے گا۔

متحرک اموال

کھلی ہوئی بات ہے کہ بینک کے جن اموال سے کرنٹ اکاؤنٹ تشکیل پایا ہے - ان میں گذشتہ طریقۂ کار کا اختیار کرنا آسان نہیں ہے. بلکہ سخت مشکل ہے - اسلئے کہ اموال برابر حرکت میں رہتے ہیں اور ان کو کسی وقت قرار نہیں ہوتا - ایسے حالات میں ان کا مضاربہ میں لگا دینا تقریباً ناممکن ہے مضاربہ ثبات چاہتا ہے . اور کرنٹ اکاؤنٹ سیلان و حرکت .

ہمارا خیال ہے کہ ان اموال کو بعنوان قرض لینا چاہیئے . اور بینک کو دوسرے سودی بینکوں کی طرح سے روز اوّل سے اپنی ملکیت سمجھنا چاہیئے اس شرط کے ساتھ کہ جس وقت بھی صاحب مال تقاضا کریگا. اس کے مال کی قیمت ادا کردی جائے گی - یہ اور بات ہے کہ اس مال پر فائدہ نہیں دیا جاسکتا - لیکن یہ کوئی تکلیف دہ بات نہیں ہے. اسلئے کہ سودی بینک بھی ایسی رقموں پر سود نہیں دیا کرتے .

سوال صرف یہ ہے کہ بینک کے پاس ان اموال کا مصرف کیا ہوگا؟

اس کا آسان سا حل تو یہ ہے کہ بینک اپنی عمومی سیاست کی بناپر اسے چند حصّوں میں تقسیم کرسکتا ہے .

ایک حصّہ - کو اپنے پاس سیال شکل میں محفوظ رکھے تاکہ کرنٹ اکاونٹ کا سلسلہ قابو میں رہے اور ہر وقت لوگوں کی طلب کا جواب دیا جا سکے - اس کے علاوہ ان لوگوں کی طلب کا جواب بھی دیا جاسکے جن کی امانت متحرک نہیں ہے لیکن برآمد کرنے کی مدت پوری ہوچکی ہے اور مال مضاربہ میں لگا ہوا ہے .

اب اس حصّہ کی مقدار کیا ہوگی؟ اس کا کوئی قانون نہیں ہے . یہ بینک کے اختیار کی بات ہے. وہ اپنے حالات اور مطالبات کا جائزہ لے کر بقدر ضرورت رقم کو محفوظ کرسکتا ہے .

دوسرے حصّہ - کو مضاربہ کے عنوان سے کسی کاروبار کرنیوالے کے حوالے کردیگا اور اس کاروبار میں وہ خود صاحب مال ہوگا. کسی کا وکیل نہیں ہوگا. اسلئے جو کچھ بھی بطور منفعت حاصل ہوگا اسے ارباب ثروت پر تقسیم کرنے کے بجائے اپنی تنہا ملکیت قرار دیگا .

تیسرے حصّہ - کو اپنی متعلق پارٹیوں کو قرض دینے کے لئے محفوظ رکھے گا. اور اس قرض کا سیاسی فلسفہ یہ ہوگا کہ متعلقین کے لئے سہولتیں فراہم کی جائیں گی تاکہ ان کا بینک سے مستحکم تر ہوسکے. اور یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ ہر سہولت مضاربہ کی بنیاد پر فراہم نہیں کی جاسکتی - بلکہ بعض اوقات قرض ہی دینا

پڑتا ہے۔ اب اگر بینک یہ طے کرلے کہ مال صرف مضاربہ کے عنوان سے دیگا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسے اصحاب ضرورت سے رشتہ ٹوٹ جائے اور وہ اپنا دوسرا راستہ اختیار کرلیں۔

غیر سودی بینک کا مقصد یہی ہے کہ وہ اپنے تمام معاملات کو مضاربہ کی بنیاد پر "منافع میں شرکت" کے اصول پر چلائے تاکہ بازار میں ایسے معاملات کی شہرت ہو اور کاروباری لوگ اس قسم کے معاملات کی عادت پیدا کریں۔ لیکن کبھی کبھی حالات ایسے بھی ہو جاتے ہیں کہ مضاربہ کی بنیاد پر وہ سہولت فراہم نہیں کیجا سکتی جس کا مطالبہ کاروباری آدمی کر رہا ہے۔ مثال کے طور پر وہ اپنے کسی قرض کو ادا کرنا چاہتا ہے یا اپنے کاروبار میں کام کرنے والوں کی اجرت یا تنخواہ دینا چاہتا ہے یا اس قسم کی کوئی اور ضرورت ہے جس میں مضاربہ کا امکان نہیں ہے۔

لیکن ان تمام باتوں کے باوجود بینک کو یہ لحاظ رکھنا پڑیگا کہ ارباب اعمال کے روابط برقرار رہیں۔ اور قرض کی راہ سے انہیں اتنی سہولتیں نہ مل جائیں کہ وہ مضاربہ کا کام ہی بند کر دیں۔ اور صرف قرض ہی پر کام چلاتے رہیں۔

شرائطِ قرض

مذکورہ بالا حالات میں قرض دینے کے لئے بینک کو قرضدار میں حسب ذیل شرائط کا لحاظ کرنا ہوگا۔

۱۔ قرضدار امین ہو اور سابق تعلقات و معاملات کی روشنی میں اس کا طرز عمل صحیح و صالح رہا ہو۔ بازار میں اچھی شہرت رکھتا ہو، اور کم سے کم دو آدمی اس کے ایماندار ہونے کی گواہی دیں۔

۲۔ مالی اعتبار سے قرض کے ادا کرنے پر قادر ہو۔ اس کا اندازہ بینک قرضدار کے مالیاتی اور تجارتی مرکز کے جائزے کے ذریعہ کریگا۔

۳۔ قرض کی مدت ۳ ماہ سے زائد نہ ہو۔

۴۔ قرض کی مقدار اس اعلیٰ حد سے زیادہ ہو جسے بینک نے اپنے متعلقین کی سہولت کے لئے فراہم کیا ہے۔

۵۔ قرض کے لئے کوئی رہن بھی رکھا جائے تاکہ ہر حالت میں ادائیگی کی طرف سے اطمینان رہے۔

شرط نمبر ۳ و ۴ کا مقصد یہ ہے کہ اگر مبلغ زیادہ ہے اور مدت طولانی ہے تو معاملہ کو مضاربہ کی طرف منتقل کرنے کا بھی امکان رہے گا۔

فائدہ میں سود کا خاتمہ

سودی بینک مختلف کاروبار والوں کو قرض دیکر جو فائدہ وصول کرتے ہیں۔ اسکے بارے میں غیر سودی بینک کے موقف کی وضاحت

کرنے کیلئے یہ ضروری ہے کہ پہلے سرمایہ دارانہ اقتصاد میں اس فائدہ کی جڑوں کا پتہ لگایا جائے اور اس کے بعد یہ دیکھا جائے کہ غیر سودی بینک اس فائدہ سے بے نیاز ہو سکتا ہے یا نہیں؟

سرمایہ دارا اقتصاد میں فائدے کے تین ارکان ہوتے ہیں۔

۱۔ وہ رقم جسے بینک مردہ قرضوں کے معاوضہ کے نام پر وصول کرتا ہے۔ بینک کے اعداد و شمار اس بات کے گواہ ہیں کہ اس کے اکثر قرضے ہضم ہو جاتے ہیں۔ اور انہیں قرضدار ادا نہیں کرتے ضرورت ہے کہ بینک کے پاس ایک ایسی رقم بھی رہے جس سے ایسے نقصانات کی تلافی ہوتی رہے۔

۲۔ وہ رقم جو بینک اپنے اخراجات، ملازمین کی تنخواہ وغیرہ کے نام پر لیتا ہے۔

۳۔ خالص سرمایہ کا سود۔

پہلے عنصر:۔ کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ غیر سودی بینک کو ایسے کسی معاوضہ کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ شروع ہی سے شخصی اعتماد کے بجائے مال کی ضمانت طلب کرتا ہے اور مکمل اطمینان کے بغیر کسی شخص کو کوئی رقم نہیں دیتا ہے۔ اس کے قرضوں کے ہضم ہو جانے کا کوئی سوال ہی نہیں ہے۔

اور اگر یہ فرض ہی کر لیا جائے کہ ایسے قرضوں کا حساب کرنا ہی پڑے گا اور کمال اختیار کے بعد بھی کچھ ایسے افراد پیدا ہو جائیں گے جو قرض ادا نہیں کرینگے، تو اس کا بہترین راستہ یہ ہے کہ قرضدار سے ضمانت طلب کی جائے اور اسکے قرضہ کو انشورڈ INSURED کرایا جائے۔ انشورنس کمپنی جس طرح خارجی اشیاء کو انشورڈ کرتی ہے۔ اسی طرح قرضوں کا انشورنس بھی کیا کرتی ہے۔

اس انشورنس کی دو شکلیں ہوں گی۔

ایک شکل تو یہ ہے کہ خود بینک اپنے دیئے ہوئے قرضہ کو انشورڈ کرائے اور انشورنس کے تمام اخراجات خود برداشت کرے۔ اس لئے کہ بسا اوقات مردہ قرضوں کے نقصان کی تلافی سے بہتر یہی ہوا کرتا ہے کہ بینک انشورنس کے مصارف برداشت کر لے۔

دوسری شکل یہ ہے کہ بینک قرض مانگنے والی پارٹی سے شرط کر دے کہ وہ انشورنس کمپنی کی طرف سے قرضہ پر ضمانت بھی دے۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک جائز مطالبہ ہے جو ہر صاحبِ مال کر سکتا ہے۔ صاحب مال کو بہر حال یہ کہنے کا حق ہے کہ جبتک قرض کی ادائیگی کی کوئی ضمانت نہ ہوگی۔ قرض نہ دیا جائے گا۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ صاحب مال بغیر اضافہ لئے ہوئے قرض دینے سے انکار کر رہا ہے کہ اسے سود قرار دیکر حرام کر دیا جائے۔ بلکہ یہ ایک شرعی مطالبہ ہے جس پر کوئی پابندی عائد نہیں کی جا سکتی۔

ایسے حالات میں اگر بینک انشورنس کمپنی سے ضمانت کی شرط کر دے تو پارٹی کا فرض ہے کہ وہ

اس کمپنی سے براہ راست یا بواسطۂ بینک رابطہ پیدا کرے اور اپنے قرض کی ضمانت دلوا کر اس کا خرچہ خود برداشت کرے۔ اس لئے کہ ضمانت دینے کی ذمہ داری پارٹی کی ہے بینک کی نہیں ہے۔ اور جو اپنی غرض کے تحت کسی سے کام لیگا اسے اس کے کام کا خرچ بھی برداشت کرنا پڑے گا۔
چاہے ذریعہ بینک ہی کیوں نہ ہو۔ اسلئے کہ بینک اپنے قرض کا فائدہ نہیں لے رہا ہے بلکہ کمپنی کی اجرت لے رہا ہے اور اس کا مقصد صرف کمپنی تک پہونچا دینا ہے اور بس۔
یہ ضرور ہے کہ بینک کے لئے ایک عظیم دشواری مقروض کے انشورنس کے خرچ کا تخمینہ لگانا ہے۔ انشورنس کمپنی سارے قرضوں کا ایک ساتھ بیمہ کرتی ہے اور سب کا خرچ بکمشت وصول کرتی ہے۔ اب ایک ایک قرض کے بیمہ کا کیا خرچ آئیگا۔ اس کی تعیین بیحد مشکل ہے۔؟

دوسرے عنصر:۔ کے بارے میں غیر سودی بینک کا موقف یہ ہے کہ وہ ایسی تمام اجرتوں کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ اور اس کا شرعی جواز یہ ہے کہ شریعت نے قرضوں کا اصول بیان کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ قرضوں کو لکھ لینا چاہیئے اور ظاہر ہے کہ جو شخص بھی لکھا پڑھی کریگا اسے اُجرت مانگنے کا حق ہوگا۔ کتابت ایک محترم عمل ہے۔ اس پر اجرت کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے۔ اور ہر شخص کو یہ کہنے کا حق ہے کہ میں مفت یہ خدمت انجام نہیں دوں گا۔
اب رہ گیا یہ سوال کہ اس کتابت کا خرچ قرضخواہ کے ذمے ہوگا۔ یا قرضدار کے۔؟ تو اس کا جواب واضح ہے کہ غرضمند پارٹی ہے بینک نہیں ہے۔ بینک کو یہ کہنے کا اختیار ہے کہ میں اس خرچ کو برداشت نہیں کروں گا۔ آپ کی غرض ہو تو آپ برداشت کریں۔ اور اس طرح بینک کو عام کاتبوں کی جیسی اجرت کا حق پیدا ہو جائے گا۔ اور وہ اس اجرت کے عوض میں تمام قرضوں کو درج کرکے اس کے حساب کو محفوظ رکھے گا۔
یہ اور بات ہے کہ غیر سودی بینک اس بات کا دعویٰ نہیں کر سکتا کہ میں نے پارٹی کی امانتوں کو محفوظ رکھا ہے لہٰذا اس کا حق بھی ملنا چاہیئے۔ جیسا کہ سودی بینکوں میں ہوتا ہے اور اس زحمت کا حصہ تجارت سے لیکر بطور سود اصحاب ثروت کو دیدیا جاتا ہے۔ اسلئے کہ اسلام میں یہ قرض ہے خدمت نہیں ہے اور قرض کی اجرت کا کوئی جواز نہیں ہے۔

تیسرے عنصر:۔ کے بارے میں غیر سودی بینک کا موقف بالکل واضح ہے! یہ فائدہ خالص سود ہے اور سود اسلام میں بہر حال حرام ہے جس کا کوئی گذر غیر سودی بینک میں نہیں ہے۔
البتہ یہ ممکن ہے کہ غیر سودی بینک اپنے کاروبار میں ایسی روش اختیار کرے جو اسے پہلے اور دوسرے

عنصر سے بھی بے نیاز بنا دے۔

اس روش کی بنیاد یہ ہے کہ بینک اپنے ہر قرضدار سے قرض دینے وقت یہ شرط کر دے کہ وہ جس دن قرض ادا کرنے آئیگا۔ اس دن اُسے اتنی مقدار میں رقم پانچ سال کے لئے بینک کو قرض دینا پڑے گا۔ جتنی مقدار مال کا پہلے اور دوسرے عنصر کو لغو قرار دینے میں خسارہ ہوا ہے اور اس میں کوئی شرعی مانع بھی نہیں ہے۔

(مثال کے طور پر بینک نے دس ہزار روپیہ قرض دیا اور پہلے اور دوسرے عنصر کو معاف کر دیا جس کی مجموعی رقم ۲۰۰ روپیہ ہوتی ہے۔ اب اسے اختیار ہے کہ قرض لینے والے سے یہ شرط کر لے کہ جس دن قرض ادا کرنے آئیگا اس دن دس ہزار کی ادائیگی کے ساتھ ۲۰۰ روپیہ بینک کو پانچ سال کے لئے بطور قرض دینا پڑیگا۔ تاکہ بینک نے جو نقصان اٹھایا ہے اس کی تلافی کا انتظام کر لے۔ جوادی)

بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ اس شرط کو عقد لازم کے ذیل میں طے کرے تاکہ اس کا پورا کرنا واجب ہو جائے اور اس طرح بینک کو اتنی ہی مقدار میں ایک رقم بطور قرض مل جائے جتنی مقدار کا خسارہ پہلے اور دوسرے فائدے کو ترک کرنے میں ہوا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ بینک اس رقم کا بلا معاوضہ مالک نہ ہوگا۔ بلکہ اس کا معاوضہ بھی دینا پڑیگا۔ اب غیر سودی بینک کے امکان میں یہ بات بھی ہو گی کہ وہ قرض سے حاصل ہونے والی اس رقم کو پانچ سال کے لئے کسی ایسے بینک کے حوالے کر دے جو سود دینے کا عادی ہے اور پانچ سال کے بعد پوری رقم برآمد کر کے صاحب مال کو دیدے اور فائدہ خود رکھ لے۔ اس طرح غیر سودی بینک خود سود جیسے حرام کاروبار سے بچ جائے گا اور اتنی مقدار میں فائدہ بھی مل جائے گا جتنی مقدار میں نقصان ہوا ہے۔

یہ بھی یاد رہے کہ یہ طریقۂ کار سودی بینکوں سے کاروبار رکھنے والوں پر کوئی غلط اثر نہیں ڈال سکتا۔ بلکہ اس کا اچھا ہی اثر ہو گا۔ اسلئے کہ سودی بینکوں میں اتنا اضافہ دینے کی عادت تمام پارٹیوں کو پہلے ہی سے پڑ چکی ہے۔ اب اگر انہیں یہ معلوم ہو جائے گا کہ جو رقم ڈوب جایا کرتی تھی وہ پانچ سال کے بعد سہی واپس آ سکتی ہے تو مزید حوصلہ افزائی ہو گی۔

اور میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ یہ طریقۂ کار غیر سودی بینک کی طرف ایک عجیب و غریب توجہ پیدا کرے گا اور قرض لینے والی پارٹیاں اس کی طرف حیرت انگیز طور پر متوجہ ہوں گی۔ اس لئے کہ یہ انسانی فطرت ہے وہ اس بینک سے قرض لینے کو ترجیح دے گا جو وقت ادائیگی ایسی رقم کا مطالبہ کرے جو پانچ سال کے بعد واپس ہو جائے۔ اور اس بینک کو نظر انداز کر دے گا جو وقت ادائیگی اس مقدار میں رقم وصول کر لیتا ہے۔ اور تاحیات واپس نہیں کرتا۔

اور جب ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ لوگ شدت سے قرض کا مطالبہ کرنے لگیں۔ تو بینک مزید حکمت عملی یہ استعمال کرے کہ اپنی پارٹیوں کو دو حصوں پر تقسیم کر دے۔ پہلا گریڈ۔ اور دوسرا گریڈ۔

پہلے گریڈ میں ان لوگوں کو رکھے جو سابق میں اپنے قرضوں کو بغیر کسی تساہلی کے ادا کرتے رہے ہیں۔ اور انہوں نے وقت ادائیگی قرض دینے کے بجائے اتنی ہی رقم بطور امداد بینک کو دیدی ہے۔

دوسرے گریڈ میں اسکے علاوہ دوسرے افراد کو قرار دے۔

اس تقسیم کا طریقہ یہ ہوگا کہ بینک پہلے ہی سے یہ اعلان کر دے گا کہ پہلے گریڈ کے لوگوں کو دوسرے گریڈ کے لوگوں پر مقدم کیا جائے گا۔ اور گریڈ کی حد بندی سابق تجربات اور قرض کے بجائے بینک کو امداد دینے کی بنیاد پر ہوگی۔ جن لوگوں نے بینک کو مفت رقمیں دی ہیں۔ انہیں پہلے قرض دیا جائیگا اس کے بعد اگر رقم بچ جائیگی تو دوسرے افراد کو بھی دی جائے گی۔

ظاہر ہے کہ بینک کے اس اعلان کا مقصد قرض میں فائدہ کی شرط نہیں ہے کہ اسے سود کا نام دیدیا جائے۔ بلکہ یہ محض احسان ہے جس پر کسی قانون میں پابندی نہیں لگائی جا سکتی۔ سود حرام ہے لیکن احسان سے روکا بھی نہیں جا سکتا۔

کھلی ہوئی بات ہے کہ جب حالات ایسے پیدا ہو جائیں گے اور بینک انہیں لوگوں کو مقدم کریگا جنہوں نے سابق میں اس کی مفت امداد کی ہے، تو لوگوں میں یہ جذبہ بھی پیدا ہوگا اور بینک کو مفت ہدیہ بھی دیں گے یا کم از کم حسب شرائط قرض ہی دیں گے۔

لیکن اگر کسی شخص نے قرض لیا اور عین وقت پر مفت امداد نہ کی تو بینک کو اس سے کچھ کہنے کا حق نہ ہوگا۔ اسلئے کہ بینک کی بنیاد غیر سودی ہے اور غیر سودی بینک میں سود کا کوئی جواز نہیں ہے۔

بینک کی اس حکمت عملی کا نام "سیاستِ اشتراط قرض" یا سیاست تبدیلئ قرض بعطیہ" رکھا جائیگا۔ بینک کو یہ کمل اختیار ہوگا کہ وہ اپنی تازہ سیاست کی بنا پر بقدر عنصر اول دو دم قرض کی شرط کرلے۔ اور اس کے بعد ان لوگوں کو ترجیح دے جو قرض کے بجائے تحفہ اور ہدیہ دیا کرتے ہیں اور انہیں پہلے گریڈ میں شمار کیا جا چکا ہے۔

اس طرح دونوں عنصر لغو بھی قرار پا جائیں گے۔ اور غیر سودی بینک کا کوئی نقصان بھی نہ ہوگا۔

مُلاحظات

(۱)

میری نظر میں غیر سودی بینک کے ذاتی سرمایہ کو سودی بینکوں کے سرمایہ سے کہیں زیادہ ہونا چاہیئے۔ اسلیئے کہ اصلی سرمایہ ہی بینک کے تمام تفصیلات کی تلافی کرتا ہے اور وہی خساروں کا سامنا کرنے کی قوت فراہم کرتا ہے۔ ان باتوں کا کوئی تعلق ارباب ثروت یا عمال سے نہیں ہوا کرتا۔

اصل سرمایہ بینک کی اہمیت اور اس کے اعتبار کا تحفظ کرتا ہے اور اسی کی وجہ سے ہر شخص کے لئے اس کے دروازے کھلتے ہیں۔

نقصانات کی تلافی۔ اور ذاتی سرمایہ کا بہی گہرا رابطہ ہے جس کی وجہ سے حکومتوں نے یہ قانون مقرر کر دیا ہے کہ کسی بھی شخص کو دیئے جانے والے قرض اور اصل سرمایہ میں ایک مخصوص نسبت ہونی چاہیئے۔ بلکہ جمع ہونے والی امانتوں اور اصل سرمایہ میں بھی نسبت کا محفوظ ہونا ضروری ہے۔

کھلی ہوئی بات ہے کہ جب سرمایۂ اصلی کی اتنی زیادہ اہمیت ہے اور اس سے اتنے اہم اغراض وابستہ ہیں۔ تو جس قدر بینک کی ذمہ داریاں زیادہ ہوں گی اور خسارہ کا احتمال قوی ہوگا اسی قدر سرمایہ کا زیادہ ہونا ضروری ہوگا، تاکہ ایسے حالات میں لبطور سند کام آسکے۔

غیر سودی بینک پر خساروں کی ذمہ داری زیادہ ہے۔ وہ جملہ امانتوں کی قیمتوں کی بھی ضمانت لیتا ہے۔ اس لئے اسے خسارہ کے ان احتمالات پر بھی نظر کرنا پڑے گی اور اپنے موقف کے تحفظ کے لئے مزید سرمایہ کا سہارا لینا پڑے گا۔

لیکن یہ یاد رہے کہ سرمایہ کی زیادتی کی بھی ایک حد معین ہونا ضروری ہے تاکہ بینک کے اعمال میں فائدہ کی غرض محفوظ رہے۔ ورنہ اگر بینک کا سرمایہ اتنا زیادہ ہوگیا کہ وہ بینک کا کام کرنے کے بجائے خود ذاتی سرمایہ سے تجارت کرنے پر تیار ہو گیا تو اس کی مصرفی حیثیت ختم ہو جائے گی۔

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ بینک کی آمدنی کی ترتیب خاص "ذاتی سرمایہ"۔ "ثابت امانات" وغیرہ ہی سے بینک کے "منفعت آمیز کام کی تجدید ہوتی ہے اور اس کی آخری حد طے کی جاسکتی ہے۔ اور وہ اس طرح کہ اگر ہم یہ فرض کرلیں کہ بینک کی ثابت امانتیں اصلی سرمایہ سے دس گنا زیادہ ہوگئی ہیں۔ تو بینک کو یہ طے کرنا پڑے گا کہ اس کے لئے غیر سودی بینک کے انداز سے وساطت کا فرض انجام دینا ہی زیادہ مفید ہے یا اپنے ذاتی سرمایہ سے براہ راست کاروبار کے میدان میں کود پڑنا زیادہ مناسب ہے۔؟

اور اس کا صحیح طریقہ یہ ہوگا کہ پہلے کل مال میں فائدہ کی ایک تخمینی نسبت فرض کرے ۔ اس کے بعد یہ دیکھے کہ اپنے ذاتی سرمایہ سے کاروبار کرنے میں جو فائدہ حاصل ہو سکتا ہے اس کا اندازہ کیا ہے ۔؟ اور ثابت امانتوں کے ذریعے واسطہ بن کر بینک کی طرح فیصدی شرح پر کام کرنے سے فائدہ کا اندازہ کیا ہوگا ۔؟

پھر ان دونوں فائدوں کا مقابلہ کرنے کے بعد یہ اندازہ کرے کہ بینک کے عنوان پر کام کرنے میں فائدہ کی شرح فیصدی ذاتی کاروبار سے کس قدر زیادہ ہے ۔ جس قدر یہ فائدہ زیادہ ہوگا ۔ اسی قدر وساطت کا کام زیادہ مفید ہوگا اور یہ طے کرنا آسان ہوگا کہ ذاتی سرمایے کی زیادتی اس حد کے اندر رہنی چاہئے کہ ثابت امانتوں سے واسطہ بن کر کام کرنے کا فائدہ ذاتی کاروبار سے زیادہ سود مند رہے ۔

ورنہ اگر یہ نسبت منقلب ہوگئی اور امانتوں کی مقدار سرمایہ کے برابر یا ذرا کم و بیش ہوگئی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ذاتی کاروبار وساطت سے زیادہ مفید ہوگا اور بینک کا مقصد فنا ہو جائے گا ۔ بینک کا کام مضاربہ کے عنوان پر واسطہ بننا ہے نہ کہ ذاتی سرمایہ سے کاروبار کرنا ۔

ذاتی سرمایہ اور ثابت امانتوں کے فوائد کی نسبت طے کرتے وقت چند باتوں کا لحاظ اور بھی ضروری ہے ۔ بہت ممکن ہے کہ ان دونوں کے باہمی مقابلے میں ذاتی سرمایہ کی اہمیت زیادہ نہ ہو لیکن دیگر جہات کا لحاظ کرنے کے بعد بینک کا کام کمزور پڑ جائے ۔

مثال کے طور پر ان فوائد کا بھی حساب کرنا پڑے گا جو غیر سودی بینک کو وساطت کے کام میں بطور اجرت و عطیہ مل جایا کرتے ہیں اور براہ راست میدانِ تجارت و صنعت میں کود پڑنے سے حاصل نہیں ہو سکتے ۔ اور ثابت امانتوں کے فائدے کی نسبت کے ساتھ ان فوائد کا لحاظ بھی کرنا پڑے گا جو ذاتی سرمایہ کے ایک جزو اور متحرک امانتوں سے مضاربہ کرنے میں حاصل ہو سکتے ہیں ۔

ان کے علاوہ بینک کے ذمہ داروں کی ذاتی صلاحیتوں کا بھی جائزہ لیا جائیگا کہ ان میں کاروبار کی صلاحیت کس قدر ہے اور وہ تجارت یا صنعت کے میدان میں کس قدر حصہ لے سکتے ہیں ؟

ان تمام خصوصیات کا لحاظ کرنے کے بعد یہ دیکھنا پڑے گا کہ وساطت زیادہ مفید ہے یا کاروبار ۔ اگر ذاتی کاروبار زیادہ مفید دکھائی دے تو اصلی سرمایہ کو گھٹانا پڑے گا تاکہ بینک کی صحیح حیثیت محفوظ رہ سکے ۔

(۲)

میرا خیال یہ ہے کہ "غیر سودی بینک" مذکورہ فارمولے کی بنا پر ملک کے ترقی پذیر معاشیات کو بعید تک پہونچا سکتا ہے ۔ اور گوناگوں اداروں کی حقیقی ضرورتوں کے پورا کرنے میں پوری پوری مدد فراہم کر سکتا ہے ۔

اس بینک کی صلاحیت دوسرے سودی بینکوں سے کہیں زیادہ ہے ۔ یہ بینک صرف اس بنا پر قرض نہیں دیتا کہ قرض لینے والے میں قرض واپس کرنے کی صلاحیت پائی جاتی ہے ۔ اور اس نے ایسی ضمانت دیدی ہے کہ مال ضائع نہیں ہونے پائیگا۔ بلکہ یہ اس وقت قرض دیتا ہے جب ان تمام اعمال کا جائزہ لے لیتا ہے جنہیں قرضدار انجام دینے والے ہیں ۔ اور پھر انہیں کاروبار کی طرف صحیح راہنمائی بھی کر دیتا ہے ۔

دوسری لفظوں میں یوں کہا جائے کہ سودی بینک کو اپنی رقم سے دلچسپی ہوتی ہے ۔ کاروبار کی ترقی یا ملک کے ارتقاء سے کوئی دلبستگی نہیں ہوتی ۔ لیکن غیر سودی بینک کو عمومی معاشیات اور ملک کی ترقی کی بھی فکر ہوتی ہے ۔

یہی وجہ ہے کہ غیر سودی بینک قرض کی واپسی کے ساتھ کاروبار کی منفعت پر بھی نظر رکھتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ کاروبار کا نقصان اپنے ہی اوپر اثر انداز ہوگا ۔ یا اپنے ہی منافع میں تخفیف کر دیگا ۔

وہ اپنے اموال کو ان کاروباروں کے لئے نہیں دیتا جن میں فائدہ کی امید نہیں ہوتی ۔ یا کاروبار اتنے کمزور ہوتے ہیں کہ اصلی سرمایہ کو بھی چوس لینے کے امکانات ہوتے ہیں ۔

(مقصد یہ ہے کہ ملک کی ترقی کا اہتمام کرنا ہے تو غیر سودی بینک کا سہارا لینا پڑے گا ۔ سودی بینک خود غرض ہوتے ہیں ۔ انہیں عوامی مفاد یا ملکی اقتصاد سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی ۔ جوادی)

(۳)

داخلی تنظیم

داخلی انتظامات کے اعتبار سے سودی اور غیر سودی بینک میں کوئی بنیادی فرق نہیں ہے ۔ دونوں میں مجلس ادارت" ہوگی ۔ دونوں کے مختلف مدیر ہوں گے ۔ دونوں میں حساب ۔ اشخاص ۔ قرض ۔ اعداد و شمار ۔ تحقیقات کے الگ الگ اداراتی شعبے ہوں گے ۔

لیکن غیر سودی بینک میں حسب ذیل باتوں کا لحاظ بھی ضروری ہے ۔

۱ ۔ ایک مخصوص شعبہ "مضاربات" کے عنوان سے ہونا چاہیئے جو اصحاب مال اور تجار کے درمیان وساطت کا کام کرے اور اس شعبہ میں بینک کی عملی سیاست کے نفاذ کا انتظام کرے ۔ یہ شعبہ بینک کے تمام شعبوں سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے ۔ اس کی ادارت کا کام اصل مدیر عام (جنرل منیجر) کو کرنا چاہیئے ۔

۲ ۔ غیر سودی بینک اپنی رفتار میں مختلف تجارتی اور صنعتی اعمال کے فوائد سے تعلق رکھتا ہے ۔ اس لئے

اس کے اداراتی اسٹاف۔ اور بڑے افسروں میں۔ بلکہ متوسط افسروں میں ایسی صلاحیتوں کا ہونا ضروری ہے جوان تمام اعمال کی نگرانی کے لئے ضروری ہوں۔ اور مدیر عام کو تو بازار سے قریب تر۔ کاروباری لوگوں سے مربوط اور حالات و رفتار تجارت و صنعت سے مکمل طور پر باخبر ہونا چاہیئے۔

۳۔ غیر سودی بینک کے اداراتی کاروبار کے لئے حتی الامکان ان افراد کا انتخاب ہونا چاہیئے جو دیانتدار اور غیر سودی بینک کے نظریہ کے لئے کشادہ دل ہوں، انہیں اس نظریہ کی اہمیت کا اندازہ ہو۔ اور اس کی روح سے مکمل اتفاق ہو۔ تاکہ بانیاں بینک کے ساتھ مسئولیت کے احساس میں شریک ہوسکیں اور بلند مقاصد کے ساتھ زندگی گذار سکیں۔

یہ انداز نظر سیر عمل کو درست کر دے گا۔ اور ہمیشہ کام کی رفتار کو زندہ رکھے گا۔ بلکہ اگر ملازمین میں یہ احساس بیدار ہوگیا کہ غیر سودی بینک کی تھیوری کو کامیاب ہونا چاہیئے تو وہ تمام کاروباری لوگوں کو راضی رکھیں گے اور ان سے لطف و مدارات کے ساتھ معاملت کریں گے

ذمہ دار افراد میں ایسی پاکیزہ سیرت اور اخوتی روح پیدا ہوجائے تو ارباب اعمال خود بخود کھنچنے لگیں گے اور بینک کے تعلقات کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جائے گا۔

دوسری منزل

بینک کے بنیادی فرائض

فکر جدید کی روشنی میں

غیر سودی بینک کا فارمولا پیش کرنے کے بعد یہ بات آسان ہوگئی ہے کہ عالمی بینکوں کے بنیادی فرائض پر نظر ڈال کر یہ طے کیا جائے کہ غیر سودی بینک کا موقف کیا ہونا چاہئے۔؟

اس مہم کے لئے بینکوں کے فرائض کو چند قسموں پر تقسیم کیا جائے گا۔

۱۔ بینک کے عام خدمات ۔ جنہیں بینک اپنے متعلقین کے فائدے کیلئے انجام دیتا ہے اور ان سے خدمت کے عوض اجرت لیتا ہے۔

۲۔ کاروباری اداروں کو دیئے جانے والے قرضوں پر لئے جانے والے فوائد۔

۳۔ بینک کی آمدنی کے ایک حصّہ کا مالیاتی کاغذات کیلئے کاروبار میں لگانا۔

آئندہ بحثوں میں ان عنوانات کے تفاصیل پر روشنی ڈالی جائیگی۔

فرائض کی قسم اوّل

مصرفی خدمات

عصر حاضر میں بینک چند قسم کے خدمات انجام دیتا ہے۔ مختلف قسم کی امانتیں قبول کرتا ہے۔ انہیں امانتوں کی بنیاد پر چک حاصل کرتا ہے۔ حوالے لیتا ہے۔ پرونوٹ (PRONOTE) قبول کرتا ہے۔ وغیرہ۔

اس کے علاوہ اپنے متعلقین کیلئے فائدہ بخش اور نتیجہ خیز خدمات انجام دیتا ہے۔ مالیاتی کاغذ (BOND) کی خرید وفروخت کرتا ہے۔ استنادی کاغذات (LETTEROF CREDIT) کا کاروبار کرتا ہے۔ کفالتوں کے معاملات قائم کرتا ہے۔

اور اگر ان کاغذات اور خطوط کے بارے میں یہ فرض کرلیا جائے کہ یہ بقدر مال نہیں ہیں بلکہ مال سے زیادہ ہیں تو یہی خدمت مصرفی سہولت بنجائے گی۔

ہم عنقریب ان تمام مسائل سے اجمالی بحث کریں گے۔ لیکن پہلے قبول امانت کے بنیادی مسئلہ کو چھیڑیں گے اور اس کے سلسلے میں انجام پانے والی خدمتوں اور زحمتوں کا جائزہ لیں گے۔

مصرفی امانتیں

دور حاضر میں بینک اپنے متعلقین سے جو امانتیں وصول کرتا ہے۔ انہیں صاحبان کو مال کے واپس کر لینے کے اختیار کے اعتبار سے دو حصوں پر تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

ایک کا نام "کرنٹ اکاؤنٹ" ہے، جہاں امانت زیر طلب رہتی ہے اور ہر وقت نکال لینے کا اختیار رہتا ہے۔

اور دوسرے کا نام فکسڈ ڈپازٹ ہے۔ جہاں معینہ مدت تک امانت کا رہنا ضروری ہوتا ہے۔ اسی سے متعلق ایک قسم سیونگ بینک اکاؤنٹ بھی ہے۔

سودی بینکوں میں امانت کی مختلف شکلوں سے مراد وہ نقد مال ہے جو کسی نہ کسی ذریعے سے

بینک کے سپرد کر دیا جاتا ہے ۔ اور اس کے بعد بینک حسب قرارداد صاحبان اموال کو براہ راست ۔ یا ان کے حکم کے مطابق ۔ وقت طلب یا بعد اختتام مدت مال واپس کر دیتا ہے ۔ ان خصوصیات کا تعلق اس قرارداد سے ہے جو صاحبانِ امانت اور بینک کے درمیان طے پاتی ہیں ۔

بینک ڈپازٹ (BANK DEPOSIT) عام طور سے ان مصرفی امانتوں کو ناقص امانت کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔ اس لئے کہ یہاں نقد رقم اپنی اصلی حالت میں محفوظ نہیں رہتی اور نہ بینک اس بات کا ذمہ دار ہوتا ہے کہ وقت طلب وہی رقم واپس کریگا ۔ اس کی ذمہ داری صرف یہ ہوتی ہے کہ وہ وقت ضرورت اتنی ہی مقدار میں وہ سکے دیدے گا جو رائج الوقت ہوں اور مالکین کو اعتراض کرنے کا کوئی حق نہ ہوگا ۔

حقیقت یہ ہے کہ سودی بینکوں میں رکھی جانے والی امانتوں کو اسلامی فقہ کی رو سے امانت کہا ہی نہیں جاسکتا ۔ نہ ناقص اور نہ کامل ۔

یہ ایک قسم کا قرض ہوتا ہے جس کا ادا کرنا وقتاً فوقتاً یا ایک مخصوص وقت میں واجب ہوتا ہے ۔ اس لئے کہ ان اموال پر سے مالکین کی ملکیت کے آثار یکسر زائل ہو جاتے ہیں اور بینک کو تصرف کرنے کا مکمل اختیار ہوتا ہے امانت اس آزاد تصرف کو برداشت نہیں کر سکتی ۔ یہ قرض ہی کا خاصہ ہے کہ شے اپنی ملکیت میں آجاتی ہے ۔ اور پھر انسان کو اختیار ہوتا ہے کہ جس طرح چاہے تصرف کرے ۔

ان اموال کو امانت اس لئے کہا جاتا ہے کہ بینک کی تاریخ کی ابتداء میں ان کی حیثیت امانت ہی کی تھی ۔ اس کے بعد جیسے جیسے تجربات آگے بڑھتے گئے ۔ ان اموال کی نوعیت میں فرق آتا گیا ۔ اور اب یہ طے ہو گیا ہے کہ انہیں قرض کی حیثیت دیدی جائے ۔ چاہے ان کا اصلی نام باقی ہی کیوں نہ رہے ۔ اس لئے کہ قرض کے بغیر بینک کا کام نہیں چل سکتا ۔ غیر سودی بینک کا موقف ان اموال کے بارے میں اسی وقت واضح ہوگا جب مال دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائیگا ۔

زیر طلب امانتوں کو بینک بطور قرض قبول کرتا ہے اور اس کا کوئی بھی فائدہ نہیں دیتا ۔ ثابت امانتوں کو بھی امانت ہی کی طرح قبول کرتا ہے ۔ لیکن اس انداز سے نہیں کہ بینک کو صرف حفاظت کا ذمہ دار بنا دیا جائے اور مال کا جامد رہنا ضروری ہو ۔ بلکہ اس طرح کہ بینک کو وقت امانت ہی وکیل بنا دیا جائے کہ وہ عقد مضاربہ کے ذریعے اس مال سے کاروبار کرے اور فائدہ میں دونوں حسب حصہ شریک ہوں ۔

گویا کہ غیر سودی بینکوں میں امانتوں کا حکم حرکت و ثبات کے اعتبار سے مختلف ہوگا ۔ متحرک امانتیں قرض بنیں گی ۔ اور ثابت امانتیں امانت و ودیعت ۔ پہلی قسم میں کوئی فائدہ نہ ہوگا ۔ اور دوسری قسم میں مضاربہ کے قوانین کے مطابق فائدہ میں فیصد شرح کے اعتبار سے شرکت ہوگی ۔

متحرک امانت یا کرنٹ اکاؤنٹ

:- بینک کے موجودہ نظام کے اعتبار سے کرنٹ اکاؤنٹ ان متقابل قرضوں کا نام ہے جو صاحب حساب اور بینک کے درمیان برابر چلا کرتے ہیں اور بینک اپنے کاغذات میں درج کرتا رہتا ہے۔ امانت کا کام اس سند کا ہوتا ہے جس کی بنا پر مال برآمد کرنے میں کوئی زحمت نہیں ہوتی اور برآمد ہونے والی رقم اس قرض کی حیثیت رکھتی ہے جو بینک موجودہ رقم کے اعتماد پر دیدیا کرتا ہے۔ اور اس کی وجہ سے صاحبِ حساب بینک کا مقروض ہو جاتا ہے۔

(واضح لفظوں میں یوں کہا جائے کہ رقم کا بینک میں جمع کرنا مالک بینک پر قرض ہے۔ اور رقم کا بینک سے برآمد کرنا بینک کا مالک پر قرض ہے اور یہ دونوں قرض یوں ہی چلتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ حساب ختم ہو جائے اور رشتہ منقطع ہو جائے۔ جوادی)

مغرب کی "اقتصادی فقہ" کے اعتبار سے کرنٹ اکاؤنٹ اس قرارداد کا نام ہے جہاں بینک اپنے امانت گذار سے یہ طے کرتا ہے کہ آپ کی نقد رقم سکے کے تمام خصوصیات کو کھو بیٹھے گی اور اس کی حیثیت حسابی عنصر کی ہو جائے گی۔ جو نتیجہ میں متفقہ مدت کے ختم ہونے پر ایک سندِ قرض کی حیثیت کی حامل ہوگی اور اس کا ادا کرنا واجب ہوگا۔ جس کی وجہ سے کرنٹ اکاؤنٹ قابل تجزیہ نہیں ہے۔

ان امانتوں کے بارے میں غیر سودی بینک کا موقف بھی تقریباً یہی ہے جو سودی بینکوں کا ہے۔ اس لئے کہ وہ بھی متحرک امانتوں کو بطور قرض قبول کرتا ہے اور مالکین کو کوئی فائدہ نہیں دیتا۔ بلکہ صرف یہ اختیار دیتا ہے کہ بینک میں ایک حساب کھول دیا جائے۔ جس کے دو خانے ہوں ایک میں داخل ہونے والی رقم درج ہوا کرے اور دوسرے میں نکلنے والی رقم کا اندراج ہو۔

یہ اور بات ہے کہ اسلامی شریعت میں "جاری حساب" کی فقہی نوعیت مغربی فقہ سے بالکل مختلف ہے۔

مغربی فقہ میں "جاری حساب" ایک مستقل قرارداد ہے جہاں انفرادی حقوق اپنی حیثیت کھو بیٹھے ہیں۔ اور اس بنیاد پر اس کا تعلق دو قرضوں میں باہمی مقاصہ کے مسئلہ سے ہو جاتا ہے۔ جس کے بارے میں مغربی فقہ کا خیال ہے کہ اس مقاصہ کو قضائی عنوان بھی حاصل ہونا چاہئے۔

یعنی یہ مقاصہ اس وقت تک صحیح نہ ہوگا جب تک عدالت کے سامنے مسئلہ پیش نہ ہو۔ اور قاضی مقاصہ کے بارے میں اپنا فیصلہ نہ سنا دے۔ لیکن دھیرے دھیرے مقاصہ کی یہ فکر بڑھتی گئی۔ اور اس میں عدالتی کارروائی کا جزو نکال دیا گیا۔

یہ اور بات ہے کہ اس کے بعد بھی مغرب میں دو مکتب خیال پیدا ہو گئے۔

ایک مکتب خیال یہ ہے کہ مقاصہ کیلئے پہلے سے اعلان ہونا چاہیے کہ دونوں قرضوں میں باہمی حساب کتاب ہو جائیگا۔ اور دوسرا مکتب خیال یہ ہے کہ اس کی قانونی شکل ہونی چاہیے۔ چاہے عام نظام کے تحت نہ ہو اور کم از کم اتنا ہونا چاہیے کہ جس کی مصلحت ہو وہ مقاصہ کا سلسلہ شروع کرے اور اس کی تحریک کرے۔

مقاصہ کے بارے میں "مغربی فقہ" کے ان تصورات کی بناپر انفرادی حقوق کی ذاتی حیثیت کا گم ہو جانا — اور کرنٹ اکاؤنٹ کے نتیجہ میں سکوں کی شخصیت کا فنا ہو جانا۔ کسی نہ کسی شکل میں ایک قرار داد کا محتاج ہے جس کے بغیر طرفین کے قرضوں میں باہمی مقاصہ نہیں ہو سکتا۔

"مقاصہ کا مطلب یہ ہے کہ دونوں قرضوں کے حقوق خود بخود ٹکرا کر گر جائیں۔ مثال کے طور پر زید نے دس روپے عمرو سے لئے اور عمرو نے دس روپیہ زید سے لئے تو اگر روپیہ کی خصوصیت باقی ہے تو دونوں کو الگ الگ رقم ادا کرنا پڑے گی۔ لیکن اگر خصوصیت مہمل قرار دیدی گئی ہے تو دونوں کا حق مطالبہ خود بخود ختم ہو جائیگا۔ کسی کو کسی سے مطالبہ کرنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ اسی کا نام مقاصہ۔ تقاص تہاتر۔ تساقط وغیرہ ہے۔" (جوادی)

اسلامی فقہ کی رو سے طرفین کے حقوق کے ذاتی خصوصیات کے فنا ہو جانے کے بعد "حساب جاری" کی تفسیر کیلئے کسی نئے معاہدہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے کہ جب صاحب حساب کے رقم برآمد کرنے کو بینک کا قرض قرض کر لیا گیا اور بینک میں رقم جمع کرنا بھی ایک قسم کا قرض ہی ہے۔ تو دونوں طرف سے قہری طور پر متقابل قرض پیدا ہو جائیں گے اور ایسے حالات میں مقاصہ قہری ہو جائیگا۔ کسی جدید معاہدہ کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

علماء امامیہ۔ اور علماء حنفیہ وغیرہم کا اس امر پر اتفاق ہے کہ مقاصہ اپنے شرائط کے فراہم ہو جانے کے بعد قہری ہوا کرتا ہے۔ اس کیلئے طرفین سے کسی قرار داد کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بلکہ طرفین اس حق کو ساقط بھی کرنا چاہیں تو نہیں ہو سکتا ہے یہ ان کے اختیار کی بات نہیں ہے کہ جبتک چاہیں باقی رکھیں۔ اور جب چاہیں ختم کر دیں۔

ایسے حالات میں "حساب جاری" کی روشنی میں انفرادی حقوق کی خصوصیت کے ختم ہو جانے کے بعد صاحب مال اور بینک باہمی قرضوں کا مسلسل ٹکراؤ اور سقوط ہوتا رہے گا۔ اس لئے کسی معاہدہ یا اتفاق کی ضرورت نہ ہوگی۔ اتنا ضرور ہوگا کہ ایک مرتبہ جس کو قرض خواہ کہیں گے دوسری مرتبہ اسی کو قرضدار کہہ دیں گے اس کے علاوہ کوئی فرق نہ ہوگا۔

یہ تمام باتیں اس وقت ہیں جب صاحب مال کے رقم برآمد کرنے کو قرض لینے سے تعبیر کیا جائے

اور دونوں کاموں کو متقابل قرض فرض کیا جائے ۔ لیکن اگر متقابل قرض کے بجائے رقم نکالنے کو قرض کی ادائیگی قرض کرلیا جائے ۔ اور یہ کہا جائے کہ صاحب مال کی رقم کے ہوتے ہوئے جو پیسہ بینک سے برآمد کیا جاتا ہے وہ اپنے قرض کی وصولیابی ہے ۔ جدید قرض نہیں ہے تو کرنٹ اکاؤنٹ میں دو قرض کے خانے نہ ہوں گے ۔ بلکہ دو ایسے دفتر ہوں گے جن میں سے ایک میں صاحب مال کے بینک پر قرضے درج کئے جائیں گے اور دوسرے میں ان قرضوں کی تدریجی وصولیابی کا اندراج کیا جائیگا ۔

میری نظر میں رقم کے برآمد کرنے کی یہی تفسیر زیادہ مناسب ہے اور سابق رقم کے موجود ہونے کی صورت میں غیر سودی بینک سے اخراج (DRAW) کو وصولیابی کا نام دینا چاہئے ۔ ہاں اگر بینک میں پہلے سے بقدر طلب رقم نہیں ہے اور بینک رقم نکالنے والے کا مقروض نہیں ہے بلکہ وہ قرض کے طور پر رقم نکال رہا ہے تو اسے وصولیابی کا نام نہیں دیا جاسکتا ۔ اور اس کے بارے میں یہی کہا جائے گا کہ ایک نئے قرض کا سلسلہ شروع ہو رہا ہے جس میں بینک قرض خواہ ہے اور رقم لینے والا قرضدار

میرے اس تصور کو ترجیح دینے کے اسباب بعد میں واضح ہوں گے جب یہ معلوم ہوگا کہ جدید قرض کی ایجاد کے تصور پر بہت سی شرعی دشواریاں پیدا ہوتی ہیں جن پر قابو پانے کیلئے اس تفسیر کا سہارا لینا بیحد ضروری ہے ۔

کرنٹ اکاؤنٹ کھولنا :-

کرنٹ اکاؤنٹ کھولتے وقت بینک کو کچھ صوری کاروائی کرنا پڑتی ہے ۔ مختلف کاغذات پر صاحب مال کے دستخط لئے جاتے ہیں ۔ پھر انہیں محفوظ رکھا جاتا ہے تاکہ وقت ضرورت ، دستخط ملایا جاسکے اور غلط چک نہ بھنایا جاسکے ۔

ظاہر ہے کہ اس کاروائی میں کوئی شرعی مضائقہ نہیں ہے اور ہر آدمی کو اس احتیاط کے برتنے کا حق ہے ۔

کرنٹ اکاؤنٹ کا سلسلہ ان حقوق سے شروع ہوتا ہے جو بینک اور صاحب مال کے درمیان قائم ہو جایا کرتے ہیں ۔ ان کی ابتدا کبھی اس امر سے ہوتی ہے کہ صاحب مال بینک میں متحرک امانت جمع کرکے اس کا قرض خواہ بن جاتا ہے ۔ اور بینک کو اپنا مقروض بنا لیتا ہے ۔ اور کبھی اس سے ہوتی ہے کہ بینک بلا مطالبہ سابق کسی آدمی کو رقم دیدیتا ہے اور وہ آدمی بینک کا مقروض ہو جاتا ہے ۔

موجودہ بینکوں میں ایک کاروبار یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک ہی آدمی مختلف کرنٹ اکاؤنٹ کھول لیتا ہے ۔ اور ہر اکاؤنٹ کو ایک مخصوص کام کیلئے استعمال کرتا ہے ۔

سوال یہ ہے کہ اس مختلف قسم کے حساب کھولنے کا مقصد کیا ہے ؟ اگر اس کا مقصد یہ ہے کہ صاحب حساب ہر کاروبار کی مستقل مقدار اور اس پر وارد ہونے والے قرض کی مقدار اپنے ہاتھ میں رکھنا

چاہتا ہے تو کوئی ہرج نہیں ہے ۔

لیکن اگر اس کا مقصد یہ ہے کہ ہر حساب دوسرے حساب کے مقابلے میں اپنے شخصی خصوصیات کو باقی رکھے اور صاحب حساب کا ایک حساب دوسرے حساب سے مستقل اور جداگانہ طور پر فرض کیا جائے۔ کہ باہمی مقاصہ بھی ممکن نہ ہو تو انتہائی مہمل بات ہے ۔ اس لئے کہ مقاصہ جبری ہوا کرتا ہے اس کے ساقط کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ اس لئے یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ صاحب مال یا بینک یہ شرط کرلے کہ ایک حساب کے قرضوں کا مقاصہ دوسرے حساب کے قرضوں سے نہیں ہو سکتا ۔

مقاصہ اس وقت تک ہوتا رہے گا جب تک دونوں حساب ایک آدمی کی طرف منسوب رہیں گے۔ اور دونوں مال ایک شخص کی ملکیت سمجھے جائیں گے ۔

سودی بینکوں میں بڑی بڑی پارٹیوں کو اپنا حساب کھولنے ہی پر فائدے دیئے جاتے ہیں اور مال کو ودیعت قرض کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی ۔ لیکن غیر سودی بینک میں یہ بات ممکن نہیں ہے ۔ وہ قرض کے اوپر کوئی فائدہ نہیں دے سکتا ۔

یہ اور بات ہے کہ پارٹیوں کی ترغیب کیلئے دوسرے وسائل اختیار کرے ۔ اور انہیں ہمیشہ بلا سود قرضہ دے ۔ لیکن کوئی ایسا امکان نہیں ہے جس میں سود کا سوال پیدا ہو جائے ۔

امانت گذاری

(DEPOSIT) کسی حساب میں رقم جمع کرنے کے مختلف وسائل ہوا کرتے ہیں ۔

سب سے اہم وسیلہ نقد رقم جمع کرنے کا ہے ۔ اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ صاحب مال بذات خود یا اپنے وکیل کے ذریعہ کوئی رقم بینک کے خزانہ میں جمع کردے اور اس سے ایک رسید لے لے جس کے قرض دینے کے خانے میں اس رقم کا اندراج ہو ۔

دوسرا وسیلہ یہ ہے کہ صاحب حساب بینک کے پاس ایسے چک لیکر آئے جو اسی بینک کے نام لکھے گئے ہیں یا اس کی طرف منتقل کردیئے گئے ہیں اور بینک سے یہ خواہش کرے کہ وہ اس چک کو کیش کر کے اس کی رقم حامل چک کے حساب میں درج کردے ۔

اس کی مثال یہ ہے کہ دو آدمی ہیں ایک قرض خواہ ہے اور ایک قرضدار ۔ قرضدار اپنے قرض کو ادا کرنا چاہتا ہے ۔ اس نے قرض کی رقم کے برابر بینک کے نام ایک چک لکھ دیا ۔ اور اپنے قرض خواہ کے حوالے کردیا ۔ قرض خواہ وہ چک لے کر بینک کے پاس آیا اور اس سے یہ مطالبہ کیا کہ اس کی قیمت کے برابر رقم اسکے حساب میں درج کردے ۔ اس کام کا مطلب بھی یہی ہوگا کہ صاحب نے اپنے حساب میں یہ رقم جمع کرادی ۔

فرق صرف یہ ہے کہ نقد کے بجائے چیک کا ذریعہ اختیار کیا ہے۔

جمع کرنے کے اس طریقہ کا تعلق "چیک لکھنے والے" کے حساب سے رقم برآمد کرنے سے بھی ہے اور درحقیقت یہ اسی کی ایک فرع ہے۔ اس لئے اس کی بحث اسی وقت کی جاسکتی ہے جب شرعی اعتبار سے چیک کیش کرانے کے مسائل پر گفتگو ہو اور ہم رقم نکالنے کی شرعی حیثیت طے کر رہے ہوں۔ یہ اور بات ہے کہ نتیجے میں یہ طریقہ بھی صحیح ثابت ہوگا اور اس میں بھی کوئی شرعی اشکال نہ ہوگا۔

تیسری شکل یہ ہے کہ بینک ان حفاظتی کاغذات (PRONOTE) کو کیش کرلے جنہیں صاحب حساب نے کیش کرنے کے قوانین کے ساتھ بینک کے پاس جمع کر دیا ہے اور پھر کاغذ کی قیمت برابر رقم صاحبِ حساب کے رجسٹر میں درج کرے۔ یا اگر کاغذ لکھنے والے مقروض کا حساب بھی بینک میں موجود ہے تو نقد کیش کرانے کے بجائے اس کے حساب سے کاغذ کی مقدار بھر رقم کاٹ دے۔ اور قرض خواہ کے حساب میں درج کرے۔

یہ بھی رقم جمع کرنے کی ایک شرعی صورت ہے جس میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ اس کاغذ سے فائدہ اٹھانے والا اس امر کی اجازت دیدے۔

ان وسائل کے علاوہ اندراج کی کچھ اور قسمیں بھی ہیں جن میں بینک صاحب حساب کے رجسٹر میں رقم درج کر دیا کرتا ہے اور اسے اس وقت تک خبر نہیں ہوتی۔ جب تک حساب کا چارٹ یا کوئی مخصوص اطلاع اس تک نہ پہونچائی جائے۔

یہ کام عموماً اس وقت ہوتا ہے جب بینک کے پاس صاحبِ حساب کے نام کوئی ڈرافٹ داخل ملک یا خارج سے آجاتا ہے۔ اور وہ کسی تجارت کی قیمت وغیرہ کا ہوتا ہے۔ یا کوئی اور رقم ہوتی ہے۔ اور بینک اس حوالہ کی قیمت حوالہ دینے والے کے اکاؤنٹ سے کاٹ کر صاحب کے حساب میں درج کر دیتا ہے اور صاحب حساب کے مال کی مقدار خود بخود بڑھ جاتی ہے اور اس ساکھ میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

یہ کام شرعی اعتبار سے جائز ہے۔ لیکن اس میں شرط یہی ہے کہ بینک کو صاحب حساب کی طرف سے حوالوں کے قبول کرنے کی اجازت حاصل ہو۔ تاکہ وہ اس اجازت کی بناء پر وکالتاً حوالہ کو قبول کرے اور حوالہ کی قیمت کو مقروض کے حساب سے کاٹ کر مستفید (جس کے نام کا حوالہ ہے) کے اکاؤنٹ کی طرف منتقل کر سکے۔ اور اس طرح ڈپازٹ کی ایک نئی شکل وجود میں آجائے۔

ان بیانات سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ رقم کے جمع کرنے کیلئے جہاں صاحب حساب کا براہ راست اقدام صحیح ہے، وہاں اس کے حق میں بینک کے اقدامات بھی جائز اور شرعی ہیں۔ !

اخراج رقم :- (DRAW) حساب سے بھی رقم برآمد کرنے کے مختلف وسائل ہوا کرتے ہیں۔

اہم ترین وسیلہ یہ ہے کہ صاحب حساب اپنے دستخط سے چک بینک کو دیدے اور بینک مطلوبہ رقم نکال کر اس کے حوالے کر دے۔

دوسرا ذریعہ یہ ہے کہ صاحب حساب بینک کو اپنے دستخط کے ساتھ خط لکھ دے کہ میرے حساب میں سے اتنی رقم فلاں بینک یا فلاں مقام کی طرف منتقل کر دی جائے، وہ جگہ ملک کے اندر ہو یا باہر، ایسے حالات میں بینک جس مقدار میں رقم خرچ کریگا اس کی اطلاع صاحب حساب کو بھیجدے گا اور اس کا نام (ADWOISS) ہوگا۔

ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ صاحب حساب بینک کو تحریری حکم بھیج دے کہ میرے حساب میں سے اتنی مقدار میں بانڈ وغیرہ خرید لئے جائیں۔ یا یہ کہ اگر میرے دستخط سے کوئی پرونوٹ بینک کے پاس آئے اور اس میں یہ لکھا ہو کہ عندالاستحقاق بینک سے لیا جاسکتا ہے تو اسے میرے جاری حساب میں دیدیا جائے۔ اس طرح جو بھی رقم صاحب تحریر کو دیدی جائے گی وہ بھی برآمد ہی شمار کی جائے گی۔

اس وقت ہماری بحث کا تعلق اہم ترین وسیلہ یعنی چک سے ہوگا۔ تحویل کے ذریعہ اخراج کی بحث اس وقت ہوگی جب بینک کے خدمات میں حوالہ کا تذکرہ کیا جائیگا۔ اور بانڈ وغیرہ خریدنے کے حکم کی گفتگو بینک کے اس قسم کے خدمات کے ذیل میں ہوگی۔

رہ گیا پرونوٹ کے ذریعے اخراج تو اس بازگشت بینک کے نام اس حوالے کی طرف سے جس کی مدت معین کر دی گئی ہے اور اکی بحث حوالے کے ذیل میں بالتفصیل کی جائے گی۔

مال کے اخراج کے موقع پر چک کا استعمال عام طور پر ادائے قرض کے انداز پر ہوتا ہے۔ گویا کہ چک لکھنے والا مقروض ہوتا ہے۔ اور اس سے استفادہ کرنے والا قرض خواہ۔ قرضدار بینک کے نام چک لکھتا ہے کہ اس کے حساب میں سے رقم نکال کر قرض خواہ کے حوالے کر دی جائے۔

چک لکھنے والے مقروض کی بھی دو قسمیں ہوتی ہیں۔

ایک مقروض وہ ہوتا ہے جس کا اکاؤنٹ بقدر ضرورت بینک میں جمع ہوتا ہے اور وہ اسی اکاؤنٹ کے اعتماد پر چک ایشو کرتا ہے۔ اور وہ ایک مقروض ہوتا ہے۔ جس کے اکاؤنٹ میں مطلوبہ رقم نہیں ہوتی ہے اور وہ اوور ڈرافٹ کے طور پر چک لکھتا ہے۔

ہمیں دونوں قسم کے افراد اور دونوں قسم کے حالات سے بحث کرنا پڑے گی۔

پہلی قسم:۔ جہاں بینک میں بقدر چک اکاؤنٹ جمع ہوتا ہے اور چک لکھنے والا چک کے ذریعے اپنی رقم برآمد کرنا چاہتا ہے۔ یعنی بینک سے اپنے قرض کو وصول کرنا چاہتا ہے۔

اس کے بارے میں بتایا جاچکا ہے کہ اس عمل کی دو تفسیر ممکن ہیں۔

ایک تفسیر یہ ہے کہ اسے استیفا قرض قرار دیا جائے اور یہ کہا جائے کہ اس طرح صاحب مال اپنے قرض کو وصول کر رہا ہے۔

اور ایک تفسیر یہ ہے کہ اسے بینک کی طرف سے ایک قرض شمار کیا جائے جس کے نتیجے میں خود بخود طرفین قرض خواہ اور قرضدار بن جائیں گے۔

پہلی تفسیر کی بنا پر چک کا مفہوم یہ ہوگا کہ ایک مقروض نے اپنے قرض خواہ کو حوالہ دے کر بینک کے پاس بھیج دیا ہے کہ میرے قرض کو وصول کر کے اپنے قرض کا تدارک کر لو۔ اور یہ قسم شرعًا بالکل صحیح ہے۔ جس کے نتیجہ میں مقروض کا ذمہ بری ہو جائے گا۔ اور بینک چک کیش کرنے کے بعد صاحب حساب کے مقابلے میں اپنا ذمہ بھی بری کرے گا۔

غیر سودی بینک کیلئے ہم نے چک کے اسی مفہوم "استیفا قرض" کو ترجیح دی ہے اور اس کے اسباب بھی ظاہر کر چکے ہیں۔

دوسری تفسیر کی بنا پر بینک ایک قسم کا قرض ہوتا ہے۔ اور اس کے نتیجہ میں طرفین سے متقابل قرضے پیدا ہو جاتے ہیں۔ اسلامی قوانین کو منطبق کرنے کیلئے قرض کے قواعد کا لحاظ کرنا پڑے گا۔ اور اسلام میں قرض کے بارے میں یہ شرط ہے کہ اسے خود صاحب قرض یا اس کا نائب و وکیل اپنے قبضے میں لے۔ قبضہ کے بغیر قرض صحیح نہیں ہوتا۔

ایسے حالات میں اگر چک کو بینک سے لئے جانیوالا قرض قرار دیا جائے تو اس کا قبض کرنا ضروری ہوگا۔ چاہے خود صاحب مال قبض کرے یا کم از کم بینک یا قرض خواہ کو اپنا نائب و وکیل بنا دے۔ اس کے بغیر قرض کی صحت کا کوئی امکان نہیں ہے۔ اور موجودہ نظام کی بنیاد یہ ہے کہ بینک وغیرہ کو قبض کا کوئی وکیل نہیں بنایا جاتا۔ بلکہ اکثر اوقات صرف حساب کو اس دفتر سے دوسرے دفتر میں منتقل کر دیا جاتا ہے۔ بنا بریں اس معاملہ کی صحت کا کوئی امکان نہیں ہے۔ قرض کے شرائط مفقود ہیں۔ لہذا قرض غیر صحیح ہے۔ اور جب قرض غیر صحیح ہے تو چک لکھنے والے کے ذمے کے بری ہونے کا بھی کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے بینک سے مال برآمد کرنے کو "استیفاء قرض" قرار دیا تھا۔ اور جدید قرض کی تھیوری سے اختلاف کیا تھا۔ اس لئے کہ جدید قرض میں قبض کی ضرورت ہوگی اور قبضہ تمام حالات میں ممکن ہے۔

دوسری قسم :- جہاں پہلے بقدر ضرورت اکاؤنٹ نہیں ہوتا اور صاحب غرض بینک کے نام چک لکھ دیتا ہے۔ اور قرض خواہ وہ چک لیکر بینک کے پاس آتا ہے تاکہ اس سے رقم لے کر اپنے قرض کو وصول کرے۔ یا بینک رقم نکالنے کے بجائے چک لکھنے والے کو اپنا مدیون لکھ کر اتنی رقم قرض خواہ

کے اکاؤنٹ میں منتقل کر دیتا ہے اور اس کے مالکانہ حساب کا جزو بنا دیتا ہے۔

اس منزل پر بھی اسی صعوبت کا سامنا کرنا پڑتا ہے جس کی طرف سابق میں اشارہ کیا جا چکا ہے۔ اس لئے کہ اگر بینک سے رقم لنا قرض لینے کے مترادف ہے تو اس میں قبضہ کرنے کی شرط ہے اور یہاں قبضہ کا کوئی سوال نہیں ہے۔

اور اگر چک کا مطلب مقروض کی طرف سے قرض خواہ کو بینک کے نام حوالہ کرنا ہے جیسا کہ پہلی قسم میں بتایا جاتا ہے تو یہ حوالہ صحیح ہے۔ یہ اور بات ہے کہ پہلے حوالے میں بینک صاحب حوالہ کا مقروض تھا اور اسی قرض پر حوالہ دیا گیا تھا۔ اور اس حوالے میں بینک مقروض نہیں ہے (جس کا نام شریعت کی اصطلاح میں "حوالہ علی البری" ہے) لیکن اس حوالے میں بھی کوئی اشکال نہیں ہے۔ اور اس حوالے کے قبول کر لینے کا مطلب یہ ہوگا کہ جو رقم مقروض کے ذمہ تھی۔ اس سے مقروض بری الذمہ ہوگیا۔ اور اس کی جگہ پر بینک مقروض ہوگیا۔ اور بینک کی طرف سے چک لکھنے والا مقروض قرار دیا گیا۔

چک لکھنے والے کے مقروض ہونے کی بنیاد بینک سے قرض لینا نہیں ہے کہ اس میں قرضہ کی ضرورت ہو۔ بلکہ اس کی بنیاد بینک کے حوالے کو قبول کر لینا ہے جو قرض سے الگ ایک چیز ہے۔ اور چونکہ بینک ابتداء سے بری الذمہ تھا اس لئے حوالہ قبول کرنے کے بعد وہ مشغول الذمہ ہو جائیگا اور اسے بقدر حوالہ رقم ادا کرنا پڑے گی۔ اور اس کے نتیجہ میں "صاحب چک" بینک کا مقروض شمار کیا جائے گا۔

(اگر اس فقہی مسئلہ کو قبول کر لیا جائے کہ حوالہ لکھنے والا لکھتے ہی دوسرے کا مشغول الذمہ ہو جاتا ہے۔ ورنہ اگر ضمانت کا معیار یہ ہے کہ حوالہ لکھنے والے کے ذریعے دوسرے کا مال تلف کیا ہے تو یہ ضمانت اس وقت تک پیدا نہ ہوگی جب تک بینک مال حوالے نہ کر دے۔ مؤلف)

یہاں تک یہ بات واضح کی جا چکی ہے کہ حوالہ کی بنیاد پر قرض ادا کرنے کیلئے چک کا استعمال کرنا شرعاً صحیح ہے۔ چاہے اپنے موجودہ اکاؤنٹ کی بنا پر لکھا جائے۔ یا بغیر مطلوبہ اکاؤنٹ کے ابتدائی طور پر لکھ دیا جائے۔

اس کے علاوہ صاحبان حساب کے ذمے کچھ اور بھی قرضے ہوتے ہیں، جنھیں ان کی اطلاع کے بغیر ان کے حساب میں درج کر دیا جاتا ہے۔ جیسے مختلف کاموں کی اجرتیں۔ ڈاک کے مصارف۔ کاغذات کی ترتیب کے اخراجات وغیرہ۔

یہ قرضے شرعی اعتبار سے صحیح ہیں۔ اس لئے کہ جب بینک صاحب حساب کے صریحی یا ضمنی حکم کی بنا پر سارے خدمات انجام دیتا ہے اور اس کے کاغذات مرتب بذریعہ ڈاک اطلاعاً بھیجتا رہتا ہے تو "صاحب حساب" کی ذمہ داری ہے کہ اس کے اخراجات کو برداشت کرے اور اس کے عمل محترم کی وہ اجرت ادا کرے جو عام طور سے ایسے اعمال پر ملا کرتی ہے۔

یہ اور بات ہے کہ بینک مطالبات کو نقد وصول نہیں کرے گا بلکہ قہری مقاصہ کی بنا پر صاحبِ حساب کے اکاؤنٹ میں سے کم کر دے گا۔

اجتماع صفات:- کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بینک کے نام چک لکھنے میں ایک ہی شخص میں مفید اور مستفید دونوں حیثیتیں جمع ہو جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر جب "صاحب حساب" اپنے ہی کام کیلئے چک لکھتا ہے تو اس کی حیثیت رقم نکالنے والے کی بھی ہوتی ہے اور استفادہ کرنے والے کی بھی۔

اس عمل کا فقہی مفہوم یہ ہے کہ صاحب حساب اپنے قرض میں سے بقدر قیمت چک رقم وصول کرنا چاہتا ہے اور چک صرف اس لئے لکھ دیا ہے کہ بینک کے پاس بطور سند محفوظ رہے اور وہ یہ ثابت کر سکے کہ اس سے کس قدر قرضہ واپس لیا جا چکا ہے۔

اسی عمل کی دوسری شاخ یہ ہے کہ چک خود بینک کیلئے لکھا جائے یہاں بینک۔۔ ہی بیک وقت برآمد کرنے والا بھی ہوگا اور مستفید بھی اور اس کی شرعی تفسیر یہ ہوگی کہ رقم نکالنے والا کسی نہ کسی سبب سے بینک کا مقروض ہو گیا ہے۔ اور بینک کی سابق مقروضیت اور اس جدید قرض خواہی حیثیت میں مقاصہ ہو جائیگا۔ اور کوئی شئے کسی کے ذمہ نہ رہے گی۔

چک کا فائدہ یہ ہے کہ وہ مقاصہ کے واقع ہونے کا ثبوت بن جائیگا اور یہ ظاہر کرے گا کہ فلاں کی مقدار میں بینک اور صاحب حساب میں قہری مقاصہ ہو چکا ہے، جو ایک شرعی عمل ہے اور اس میں کوئی اشکال نہیں ہے۔

فکسڈ ڈپازٹ (FIXED DEPOSIT) یہ وہ رقمیں ہیں جن کو بینک میں رہنے کا مقصد صرف فائدہ حاصل کرنا ہوتا ہے اور مستقبل قریب میں مالک کو ان کی کوئی احتیاج نہیں ہوتی۔ اس رقم کا اس وقت تک بینک سے نکالنا جائز نہیں ہے جبتک وہ مقررہ وقت نہ آجائے جس کے بارے میں بینک اور پارٹی کے درمیان معاہدہ ہوا ہے۔ مدت پوری ہونے کے بعد طرفین کو اختیار رہتا ہے۔ وہ چاہیں تو مدت میں مزید اضافہ بھی کر سکتے ہیں۔ اور آئندہ کیلئے ایک نیا معاہدہ بھی کر سکتے ہیں۔

درحقیقت یہی امانتیں سودی قرض کہی جاتی ہیں۔ اور انہیں کو قبول کرنے سے غیر سودی بینک عاجز ہے۔ لیکن غیر سودی بینک نے اپنی عملی سیاست کی بنا پر انہیں قرض سے نکال کر "مضاربہ" کی راہ پر لگا دیا ہے اور باقاعدہ طور پر امانت کا مفہوم دیدیا ہے۔ گویا صاحب امانت یہ رقمیں بینک کے حوالے

کرتا ہے تاکہ وہ انہیں کام میں لگاکر مضاربہ کے عنوان سے ان سے فائدہ حاصل کرے۔ جس کی تفصیل گذشتہ صفحات میں گزر چکی ہے۔

سیونگ اکاونٹ

(SAVINGACCOUNT) اس سے مراد وہ حساب ہے جو ایک مخصوص "پاس بک" میں لکھا رہتا ہے اور ہر درآمد برآمد کے موقع پر اسے پیش کرنا پڑتا ہے۔

درحقیقت، یہ بھی ایک قسم کی "ذخیرہ اندوزی" والی امانت ہے۔ یہ اور بات ہے کہ عام طور پر اس کے مالکین کو اختیار ہوتا ہے کہ ہر وقت یا مخصوص شرائط کے تحت رقم برآمد کر سکتے ہیں۔

غیر سودی بینک ان رقموں کو بڑی کشادہ دلی سے قبول کرے گا اور ان کے مالکین کو سودی بینکوں کی طرح رقم برآمد کرنے کا مکمل اختیار بھی دے گا۔ اور مضاربہ کے انداز سے دوسری امانتوں کی طرح کاروبار میں لگاکر استفادہ بھی کرے گا

یہ اور بات ہے کہ غیر سودی بینک میں فکسڈ ڈپازٹ اور سیونگ اکاؤنٹ میں دو قسم کے فرق پائے جاتے ہیں جن کی طرف اشارہ کیا جاچکا ہے اور ان کا اجمالی خاکہ یہ ہے۔

۱۔ سیونگ اکاؤنٹ ہر وقت برآمد کیا جاسکتا ہے۔ لیکن فکسڈ ڈپازٹ کے لئے بینک کو پارٹی سے شرط کرنا پڑے گی کہ کم از کم چھ مہینہ مال بینک کی تحویل میں رہے گا۔ اس کے بعد نکالنے کا اختیار ہوگا۔

۲۔ غیر سودی بینک سیونگ اکاؤنٹ میں سے ایک حصہ جدا کرکے اسے بطور قرض محفوظ رکھے گا۔ اور اس کی نقدی شکل باقی رہے گی۔ اسے مضاربہ میں شامل نہ کیا جائے گا تاکہ اس کے ذریعے وارد ہونے والے ہر خسارے کا مقابلہ کیا جاسکے۔

حقیقی امانتیں

یہ وہ چیزیں ہیں جنہیں ان کے مالک محفوظ رکھنا چاہتے ہیں اور چوری۔ آتش زدگی۔ بربادی وغیرہ کا خطرہ محسوس کرتے ہیں۔ اس خطرے سے بچنے کیلئے بینک کے حوالے کردیتے ہیں۔ تاکہ جس وقت ضرورت ہو اس کو اصلی حالت میں بینک سے واپس لے لیا جائے۔

بینک ان اشیاء کی حفاظت کیلئے مختلف صندوق مہیا کرتا ہے اور انہیں پارٹی کو بطور کرایہ دے کر ان سے اجرت وصول کرتا ہے۔

درحقیقت انہیں امانتوں کو فقہی اصطلاح میں باقاعدہ "امانت" کہا جاسکتا ہے۔ جہاں اصلی مال

کے ساتھ اصلی شکل کی حفاظت بھی ضروری ہوتی ہے اور اسی بنیاد پر بینک کو حفاظت کی اجرت لینے کا حق بھی ہوتا ہے۔ چاہے اس اجرت کو صندوقوں کا کرایہ قرار دیا جائے۔ یا صندوقوں کی حفاظت کا خرچ تصور کیا جائے۔

مصرفی امانتوں کی اقتصادی اہمیت

ابتک کے بیانات سے یہ واضح ہو چکا ہے کہ مصرفی امانتیں اقتصادی دنیا میں بیحد اہمیت کی مالک ہیں۔ ان کی اہمیت کو حسب ذیل تین نکات میں جمع کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ **مصرفی امانتیں**:۔ بینک کے کاغذات میں اندراج سے زیادہ اہمیت نہ رکھنے کے باوجود ادائیگی رقم کا اہم وسیلہ شمار کی جاتی ہیں۔ ان کے گرد بینک کے اعتبار اور اس کی ساکھ کی بیشمار ضمانتیں ہوتی ہیں۔ اور یہی ضمانتیں ان کی اہمیت کو بیش از بیش کر دیا کرتی ہیں چاہے حکومتی قانون نقدی حیثیت سے ان کی کسی اہمیت کا قائل نہ ہو۔ اور ان کاغذات کو کوئی حیثیت نہ دیتا ہو۔

قانون کے قبول نہ کرنے کا یہ اثر ضرور ہے کہ ان کاغذات کا قرض کی ادائیگی میں قبول کرنا کوئی ضروری نہیں ہے اور صاحب قرض نقد کا مطالبہ کر سکتا ہے۔

لیکن اسکے باوجود ان کی معاملاتی اہمیت سے انکار نہیں ہو سکتا۔ ان کی ملکیت چک کے ذریعہ برابر منتقل ہوتی رہتی ہے۔ اور ملک کا تجارتی اور صنعتی کاروبار رو بہ ترقی رہتا ہے۔

۲۔ **مصرفی امانتیں**:۔ زیادہ حصہ ان اموال کی نمائندگی کرتی ہیں جو ملک میں بیکار پڑے رہتے ہیں۔ اور بینک میں داخل کرنے کے ذریعے انہیں پیداوار اور منافع کے راستے پر لگا دیا جاتا ہے صاحبان تجارت وصنعت بطور قرض لیتے ہیں۔ اور کاروبار کر کے ملکی اقتصاد کو تجارت وصنعت کی راہ میں آگے بڑھاتے ہیں۔

۳۔ **مصرفی امانتیں**:۔ بینک میں یہ طاقت پیدا کر دیتی ہیں کہ وہ ان امانتوں سے زیادہ اعتبار پیدا کر سکے اور پھر اس اعتبار کے ذریعے مزید امانتیں جذب کر سکے۔ اس طرح امانت سے اعتبار پیدا

ہوگا اور اعتبار سے امانت ۔ نتیجہ میں وسائل کی ترقی میں اضافہ ہوگا اور تجارتی حرکت کی رفتار تیز تر ہو جائیگی ۔

ضرورت ہے کہ ان نکات کے بارے میں اسلامی شریعت کا نقطۂ نظر واضح کیا جائے اور یہ بتایا جائے کہ ان مقامات پر غیر سودی بینک کا موقف کیا ہوگا ۔؟

مصرفی امانت وسیلۂ ادائگی ہے :-

مصرفی امانتوں کے ذریعہ قرض وغیرہ کی ادائیگی کا بہترین ذریعہ چیک کا استعمال ہے ۔ چونکہ اصل ادائیگی کا ذریعہ مصرفی امانت ہے چیک نہیں ہے ۔ چیک صرف اس امانت کے اخراج کا ذریعہ ہے جو بینک کے ذمے صاحب مال کے قرض کی حیثیت سے محفوظ ہے اس لئے مصرفی امانتوں کو ذریعۂ ادائیگی بنانا انہیں حالات میں جائز ہو سکتا ہے جن حالات میں قرض کا نقد کے بدلے میں استعمال کرنا اور اسے ادائیگی کا ذریعہ بنانا جائز ہوگا ۔

یہ مسئلہ خود قابل تحقیق ہے کہ قرض کو ادائیگی کا ذریعہ کن حالات میں بنایا جا سکتا ہے ۔؟

اس کی تفصیل یہ ہے کہ قرض کے ذریعہ معاملت کرنیکی دو صورتیں ہیں ۔

۱۔ قرض کو دوسرے قرض کی ادائیگی کا ذریعہ بنایا جائے اور قرض کی بنیاد پر حوالہ دیا جائے یعنی ایک مقروض اپنے قرض خواہ کو اپنے سابق مقروض کے حوالے کر دے کہ وہ اس سے اپنا قرض وصول کرلے ۔ قرض کو قرض کی ادائیگی اور ذمے کے بری کرنے کا ذریعہ بنایا جائے ۔ اور چیک کو ادائیگی کے وسیلہ کے طور پر استعمال کیا جائے ۔

اس مسئلہ میں کوئی شرعی اشکال نہیں ہے اور اس طرح امانت کو وسیلۂ ادا بنایا جا سکتا ہے ۔

۲۔ قرض کو اصل عقد و معاملت کا مرکز بنایا جائے اور اسی کی بنیاد پر معاملہ کیا جائے ۔ مثال کے طور پر اس قرض کے عوض جو کسی کے ذمے ہے کوئی مال خریدا جائے یا اسے دوسرے شخص کو ہبہ کر دیا جائے ۔

ایسا معاملہ بعض حالات میں صحیح ہوتا ہے ۔ اور بعض حالات میں باطل ۔ تفصیلِ مسئلہ یہ ہے کہ :-

اگر قرض سے خریدی جانے والی جنس خود ادھار نہیں ہے اور سامنے موجود ہے کہ جنس نقد ہے اور قیمت ادھار (قرض) تو معاملہ میں کوئی ہرج نہیں ہے ۔ لیکن اگر جنس بھی موجود نہیں ہے تو معاملہ باطل ہے ۔ شریعت کی رو سے قرض کا قرض سے سودا جائز نہیں ہوتا ۔ اور دو میں سے ایک طرف کا نقد ہونا ضروری ہوتا ہے ۔

اسی طرح صاحب قرض کا اپنے قرض کو ہبہ کر دینا شرعاً صحیح ہے ۔ لیکن شرط یہی ہے کہ اس کے نام ہبہ کرے جس کے اوپر قرضہ ہے ۔ ورنہ اگر دوسرے کو ہبہ کر دیا تو یہ ہبہ ان فقہا کے نزدیک باطل ہو جائیگا جو ہبہ میں مستفید کے قبض کرنے کو ضروری سمجھتے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ جس کے نام ہبہ کیا جائے اسے

قبضہ بھی کرنا چاہیے۔ اور اس مقام پر کوئی دوسرا آدمی قبضہ نہیں کر سکتا۔ اس لیے اس کے نام ہبہ کرنا جائز نہیں ہے۔

یہ اور بات ہے کہ اگر وہ کسی دوسرے کو وکیل بنادے اور وہ قبضہ کرلے تو کوئی حرج نہیں ہے (چاہے وہ دوسرا خود "مقروض" ہی کیوں نہ ہو)

اس کا مطلب یہ ہے کہ چک کو وسیلۂ ادا بنا کر استعمال کرنے میں کسی قسم کا کوئی شرعی مضائقہ نہیں ہے اور اس سے اس طرح معاملہ کرنا کہ اصل قیمت چک نہ ہو بلکہ مصرفی امانت اور بینک کی موجودہ رقم ہو، کبھی معاملہ کو صحیح رکھتا ہے اور کبھی باطل بنادیتا ہے۔

لیکن مستقل طور پر اسے موضوع عقد بنانا اور مصرفی امانت کو یکسر نظرانداز کر دینا معاملہ کو مکمل طور پر باطل بنادیتا ہے۔ بشرطیکہ چک دینے والے کا بینک میں اکاؤنٹ نہ ہو، اس لیے کہ اس طرح جس چیز سے مال خریدا جارہا ہے اس کی کوئی حقیقت ہی نہیں ہے۔ خالی بینک میں قرضہ کا درج ہوجانا کوئی شے نہیں ہے۔ اس کا قبضہ بھی ضروری ہے۔ اور وہ فی الحال حاصل نہیں ہے۔

البتہ واضح رہے کہ بینک کی عمومی زندگی میں چک کا استعمال صرف وسیلۂ ادا ہی کے طور پر ہوتا ہے اور اس میں کوئی شرعی اشکال نہیں ہے اور غیر سودی بینک بھی اسے باقاعدہ طور پر استعمال کر سکتا ہے۔

غیر سودی بینک اور معطل اموال

بحث کا دوسرا نقطہ یہ ہے کہ ملک میں معطل پڑے ہوئے اموال کو جمع کرنے اور انہیں کاروبار میں لگانے کیلئے غیر سودی بینک کا طریقۂ کار کیا ہوگا؟

بظاہر اس مسئلہ میں سودی اور غیر سودی بینک میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ دونوں ہی مال جذب کرتے ہیں اور دونوں ہی کاروبار میں لگاتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ سودی بینکوں میں کاروباری حضرات کو قرض دیا جاتا ہے اور غیر سودی بینک میں منفعت میں شرکت کے عنوان سے مال دیا جاتا ہے۔

امانت سے زیادہ اعتبار

تیسرا نقطۂ بحث یہ ہے کہ سودی بینکوں میں امانتوں کی مقدار سے زیادہ اعتبار پیدا کر لیا جاتا ہے اور قرضوں کی ذمہ داری لے لی جاتی ہے۔ غیر سودی بینک کا موقف اس سلسلے میں کیا ہوگا۔؟ کیا یہ بینک بھی اپنے اموال کی موجودہ مقدار سے زیادہ قرض دے سکتا ہے۔؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ غیر سودی بینک بھی انہیں امور کو انجام دے سکتا ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ اس کا کوئی شرعی سبب ہونا چاہیے۔ شرعی سبب کے بغیر ایسا کوئی کام نہیں ہو سکتا۔

شرعی اور غیر شرعی اسباب کی تفریق کیلئے حسب ذیل تین حالات پر غور کرنا ہوگا۔

پہلی صورت یہ ہے کہ بینک کے پاس امانتوں کی موجودہ مقدار ہزار روپیہ کے برابر ہے۔ اور دو آدمی ایک ایک ہزار روپیہ بطور قرض مانگنے کیلئے آ گئے۔ اب بینک کو یہ معلوم ہے کہ دونوں قرض لینے والے اپنے اپنے قرضہ کو دوبارہ بینک میں جمع کر دیں گے اور ایک ساتھ واپس نہ لیں گے تو بینک کیلئے بہت آسان ہے کہ دونوں کیلئے ایک ہزار روپیہ کا قرضہ کا التزام کر لے اور اس طرح دو ہزار روپیہ کا قرض خواہ بن جائے جبکہ اس کے خزانے میں ایک ہزار سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ بینک کے پاس امانتوں کی موجودہ مقدار ہزار روپیہ ہے اور ایک شخص ہزار روپیہ قرض مانگنے آگیا اور بینک نے وہ ایک ہزار اسے دیدیا۔ اس نے رقم لے کر اپنے قرض خواہ کو دی اور اس "قرض خواہ" نے دوبارہ بینک میں جمع کر دی۔ تھوڑی دیر کے بعد دوسرا آدمی ایک ہزار کا قرضہ مانگنے آگیا اور بینک نے وہی رقم اٹھا کر اسے دیدی کہ اصل سرمایہ ایک ہزار ہے لیکن دیئے ہوئے قرضوں کی مقدار دو ہزار ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ امانتوں کی رقم ایک ہزار ہے اور دو آدمیوں کے ایک ایک ہزار کے ایسے حوالے آگئے جن کا کوئی مال بینک میں نہیں ہے لیکن بینک کو یہ اندازہ ہے کہ اگر دونوں کے حوالے قبول بھی کر لے گا تو بینک وقت ادائیگی کی زحمت میں نہیں پڑے گا۔ ایسی حالت میں اگر قبول بھی کر لیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں حوالہ کرنے والوں پر ایک ایک ہزار قرض بھی ہوگیا۔ اور اپنا سرمایہ ایک ہزار سے زیادہ بھی نہیں ہوا۔

ان تینوں حالات کا مکمل تجزیہ بتاتا ہے کہ پہلی صورت میں ہزار کے سرمایہ پر دو ہزار کا قرضہ۔ صرف دو آدمیوں کیلئے قرضہ کے التزام اور وعدہ سے پیدا ہوا ہے۔ کسی آدمی نے قرض اپنے ہاتھ میں نہیں لیا۔ صرف اپنے حساب میں درج کرا دیا ہے۔ حالانکہ اسلام میں قرض کیلئے رقم پر قبضہ کرنا ضروری ہے۔ قبضہ کے بغیر قرض باطل ہو جائیگا۔ اور بینک صرف اتنی ہی مقدار کا قرض خواہ فرض کیا جائے گا جتنی مقدار مقروض کے قبضہ میں آگئی ہے۔

دوسری صورت میں بھی بینک کی قرض خواہی دو قرضوں سے پیدا ہوئی ہے۔ لیکن یہاں دونوں قرض قبضہ میں آگئے ہیں اور دونوں نے اپنے اپنے قرضہ کو اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔ دوبارہ بینک کو ان کے مالکان قرض نے دیا ہے انہوں نے نہیں۔ اس لئے یہ دونوں قرض صحیح ہوں گے اور بینک دو ہزار کا قرض خواہ کہا جائیگا۔

تیسری صورت میں بینک کی دو ہزار کی بالادستی حوالوں کو قبول کرنے سے پیدا ہوئی ہے۔ قرض کا کوئی سوال نہیں ہے۔ اور حوالہ اپنے مقام پر صحیح ہے۔ اس لئے بینک دونوں حوالہ کرنے والوں پر ایک ایک ہزار کا حق پیدا کرے گا جبکہ خود اس کی رقم ایک ہزار سے زائد نہیں ہے۔

یہیں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ موجودہ مقدار سے زیادہ رقم کے لئے بینک کا ذمہ دار بن جانا شرعی اعتبار سے ایک جائز امر ہے بشرطیکہ اس کے شرعی اسباب موجود ہوں ـــــ بایں معنی کہ اگر یہ قرض ہو تو قبضہ میں لے لیا جائے (جیساکہ دوسری صورت میں فرض کیا گیا ہے) یا حوالہ کا عنوان ہو (جیساکہ تیسری صورت میں طے ہوا ہے)

لیکن اگر شرعی اسباب موجود نہیں ہیں اور قرضہ پر قبضہ نہیں کیا گیا ہے یا حوالہ نہیں دیا گیا ہے (جیسا کہ پہلی صورت میں فرض کیا گیا ہے) تو اس صورت کی صحت کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

بینک کا اپنے کاغذات میں درج کر کے دو آدمیوں پر ہزار ہزار روپیہ کا حق پیدا کر لینا۔ اور اپنے سرمایہ میں ایک ہزار سے زائد کا نہ ہونا نہ قرض پیدا کر سکتا ہے۔ نہ قرضدار۔ اور نہ قرض خواہ۔

اس مقام پر یہ بھی معلوم رہنا چاہئے کہ پہلی صورت میں قبضہ نہ ہونے کی بنا پر قرض کو باطل ضرور قرار دیا گیا ہے لیکن اس قبضہ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ روپیہ کو بینک سے باہر نکال لیا جائے اور اس کے قبضہ سے ہمیشہ کیلئے جدا کر دیا جائے۔ بلکہ اس بات کا امکان بھی ہے کہ ایک ہزار قرض کا مانگنے والا "صاحب حساب" اتنی رقم کو بینک سے قبض کرے اور پھر دوبارہ اسی بینک میں داخل کر دے۔

اگرچہ اس مسئلہ پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ دوبارہ بینک میں جمع کر دینا بینک کو قرض دینے کے مترادف ہے۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ جمع کرنیوالا بینک کا قرض خواہ بن جائے اور قرض طرفینی ہو جائے۔ بینک پہلے صاحب حاجت کا قرض خواہ بنے۔ اس کے بعد صاحب حاجت بینک کا قرض خواہ بن جائے۔ اور نتیجہ میں دونوں قرض ٹکرا کر ساقط ہو جائیں اور بینک کی مالکانہ حیثیت ختم ہو جائے۔ جس کے بعد یہ کہنے کا امکان بھی نہ رہ جائے کہ ایک ہزار کی مالیت پر بینک دو ہزار کا حقدار بن گیا ہے۔

لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ بینک سے براہ راست یا بالواسطہ قرض لینے والا بہرحال بینک کا مقروض ہو جاتا ہے۔ اب اگر اس نے دوبارہ رقم کو بینک میں جمع بھی کر دیا اور بینک پر ایک ہزار کا حق پیدا بھی کر دیا تو بھی دونوں قرضوں میں ٹکراؤ نہیں ہو سکتا۔ اور نہ باہمی مقاصہ کا کوئی امکان ہے۔ اس لئے کہ "صاحب ضرورت" نے جو قرض بینک سے لیا ہے وہ عموماً "مدت دار" ہوتا ہے۔

اور بینک کو کرنٹ اکاؤنٹ میں جو قرض دیا جاتا ہے اس کی کوئی مدت نہیں ہوتی۔ وہ ہر وقت زیر طلب رہتا ہے اور اس طرح ایک قرض موجل ہوتا ہے۔ اور ایک معجل۔ اور کھلی ہوئی بات ہے کہ ایسے قرضوں میں باہمی سقوط کا کوئی امکان نہیں ہے۔

باہمی سقوط کیلئے ضروری ہے کہ دونوں قرض ایک نوعیت کے ہوں۔ اور جب ایسا نہیں ہے تو بینک کی ایک ہزار کی قرض خواہی بھی سلامت رہے گی۔ اور صاحب ضرورت مقروض بھی کہا جائے گا۔ یہاں تک کہ اس قرض کی مدت پوری ہو جائے اور دونوں قرض ٹکرا کر برابر ہو جائیں اور حساب صاف ہو جائے۔

تصفیہ حساب (CLEARANCE OF ACCOUNT)

بینک کا مختلف قسم کی امانتوں کو قبول کر لینا ایک ایسا کام ہے جس کے بعد حساب کے صاف کرنے کی متعدد قسم کی ذمہ داریاں خود بخود آجاتی ہیں۔ چاہے وہ ان کی اجرت لے یا مفت کام کرے۔ اب اس کا فرض ہے کہ وہ قرضوں کا کلیرنس کرے۔ حسابات ٹرانسفر کرے اور بڑی بڑی رقموں کے بجنسہ منتقل کرنے کی زحمت سے بچ جائے۔ نہ بوجھ اٹھانا پڑے نہ زحمت کرنا پڑے، نہ چوری اور بربادی کے خطرات کا سامنا کرنا پڑے۔

بینک میں تصفیہ حساب کی چند شکلیں ہوتی ہیں۔ چک کیش کرنا۔ پرونوٹ کیش کرنا۔ اعتمادی کاغذات کا وصول کرنا اور چک اور پرونوٹ وغیرہ کا قبول کرنا۔ وغیرہ۔

چک کیش کرنا

کرنٹ اکاؤنٹ کی بحث کرتے ہوئے ہم نے یہ واضح کیا ہے کہ بینک میں امانت جمع کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ صاحب حساب بینک کی کسی پارٹی سے اپنے فائدے کیلئے چک لکھوائے اور اسے بینک میں جمع کر دے اور پھر بینک اس کی رقم صاحب چک" کے اکاؤنٹ سے کاٹ کر حامل چک" کے اکاؤنٹ میں جمع کر دے۔

ابتدائی طور پر چک کی ظاہری تصدیق ضروری ہے۔ اور دیکھنا یہ لازم ہے کہ چک لکھنے والے کا کوئی اکاؤنٹ بینک میں ہے یا نہیں؟

چک کبھی اس مرکزی بینک میں یا اسی شاخ کے نام ہوتا ہے جہاں سے کیش کیا جا رہا ہے اور کبھی دوسری شاخ کے نام ہوتا ہے اور کبھی دوسرے بینک ہی کے نام ہوتا ہے۔

پہلی صورت میں چک کیش کرانے میں صرف ایک عمل ہے کہ چک لکھنے والے نے اپنے

قرض خواہ کو اس بینک کے حوالے کر دیا ہے جس میں اپنا حساب پہلے سے جمع ہے۔

دوسری صورت میں بھی ایک ہی حوالہ ہے۔ اس لئے بینک اپنی تمام شاخوں کے ساتھ ایک شمار ہوتا ہے اور شاخ کی ذمہ داری گویا مرکزی ذمہ داری ہوتی ہے۔

تیسری صورت میں حوالہ مقروض نے اپنے بینک کا دیا ہے۔ اور چک کا کیش کرنیوالا دوسرا بینک ہے۔ اب اگر یہ فرض کیا جائے کہ دوسرا بینک پہلے بینک سے چک کی قیمت اس طرح وصول کرنا چاہتا ہے کہ اس نے بقدر قیمت قرضہ پہلے بینک کے حساب میں درج کر دیا ہے اور بعد میں مقاصہ کے ذریعہ تصفیۂ حساب کرنا چاہتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ چک لکھنے کی وجہ سے پہلا بینک حامل چک کا مقروض ہو گیا ہے اور اس نے اس قرض کی ادائگی کے لئے دوسرے بینک کو ضمناً یا اجارتاً ذمہ دار بنا دیا ہے کہ وہ ہمارے چک کو کیش کر دے۔ اور اصل معاملہ دو حوالوں میں تمام ہو۔

پہلے حوالہ میں مقروض نے چک لکھ کر اپنے بینک کے سپرد کیا۔ اور دوسرے حوالہ میں ضمنی طور پر اس بینک نے دوسرے بینک کے حوالے کر دیا۔ دوسرے بینک کے حوالے کرنے کا تصور اس لئے پیدا ہوا ہے کہ اگر وہ بینک ضمنی قرارداد نہ رکھتا ہوتا تو دوسرا بینک اس کے نام ایشو ہونے والے چک کو قبول ہی نہ کرتا اور اس کی رقم حامل چک کے حوالے ہی نہ کرتا۔

اس معاملہ میں ایک امکان یہ بھی ہے کہ اسے دو حوالوں کے بجائے ایک حوالہ اور ایک فروخت کی شکل دیدی جائے۔

اس کی صورت یہ ہوگی کہ صاحب چک نے اپنے "مستفید" کو اپنے بینک کے حوالے کیا اور اس حوالے کی بنا پر حامل چک بینک کے ذمہ بقدر چک رقم کا مالک ہو گیا۔ اس کے بعد حامل چک نے اپنی اس قیمت کو جو بینک کے ذمہ حوالہ سے ثابت ہو گئی ہے دوسرے بینک کے ہاتھ بیچ دیا اور اب چک کیش کرانے کے نام پر گویا اپنے قرضہ کی قیمت وصول کر رہا ہے۔

بہر حال مسئلہ کو دو حوالوں کی شکل دی جائے یا ایک حوالہ اور ایک بیع بنایا جائے۔ دونوں صورتیں شرعی اعتبار سے جائز ہیں اور ان میں کوئی اشکال نہیں ہے۔

مسئلہ صرف یہ ہے کہ شرعی اعتبار سے بینک ان تمام صورتوں میں چک کیش کرانے کی اجرت وصول کر سکتا ہے یا نہیں؟

اس سوال کا جواب دینے کیلئے گذشتہ تینوں صورتوں پر پھر ایک بار نظر ڈالنا پڑے گی۔

تیسری صورت میں اجرت لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہاں کام دو حوالوں میں تمام ہوا ہے اور دو حوالوں کا مطلب یہ ہے کہ چک کو کیش کرنے والے بینک کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی رقم کی قیمت اس بینک سے وصول کرے جس کے نام چک ایشو کیا گیا ہے۔ اور یہ خود ایک زحمت ہے جس کے لئے اجرت

لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ جس طرح کہ خود حامل چک اصلی بینک میں جاتا تو اُسے اجرت خرچ کرنا ہوتی۔

پہلی صورت کی دو قسمیں ہیں اس لئے کہ چک لکھنے والا آدمی کبھی اس مقدار میں چک لکھتا ہے جتنی رقم بینک میں جمع ہے اور کبھی اس سے زیادہ رقم کیلئے چک لکھتا ہے۔

اب اگر اتنی ہی رقم کے اندر چک لکھا ہے جتنے کا حق بینک کے اوپر ہے تو حوالہ اپنے مقروض کے نام ہوگا اور مقروض کے نام حوالہ میں قبول کرنے کی شرط نہیں ہے بلکہ اسے قبول کرنا ہی پڑے گا۔ اور چک ایشو ہوتے ہی بینک "حامل چک" کا مقروض ہو جائے گا۔ اور اب جو بینک سے چک کیش کرائے گا تو گویا اپنا قرضہ وصول کر رہا ہے یا اپنے حساب میں درج کر رہا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ایسے حالات میں بینک کو اجرت مانگنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اس اجرت کا تو مطلب یہ ہے کہ مقروض اپنے قرض کی ادائیگی کی اجرت مانگے جو کسی قانون میں جائز نہیں ہے۔

البتہ اس مقام پر اجرت لینے کا ایک جواز نکل سکتا ہے کہ بینک روز اول ہی "صاحب حساب" سے یہ طے کر لے کہ قرض کی ملکیت کو بطور حوالہ منتقل کرنے کیلئے بینک سے اجازت لینا ضروری ہوگا اور اجازت کے بغیر منتقل کئے جانے والے قرضہ کی اجرت دینا پڑے گی۔

اس قرارداد کے بعد بینک کو مکمل اختیار ہے کہ وہ حوالہ قبول کرنے کی اجرت لے کر اپنی شرط کو ساقط کر دے۔

لیکن اگر چک لکھنے والے کا اتنا ڈپازٹ بینک میں نہیں ہے جتنے اماؤنٹ کا چک لکھا ہے تو اس چک کا مفہوم ایک بری الذمہ کی طرف حوالہ کرنا ہے جو شرعاً صحیح ہے لیکن غیر ذمہ دار ادارہ" کو مکمل اختیار ہے کہ وہ حوالہ کی ذمہ داری قبول کرنے کی اجرت کا مطالبہ کرے اور بغیر اجرت کے یہ کام انجام نہ دے۔

اس اجرت کو سود کا نام نہیں دیا جا سکتا۔ اس لئے سود اس رقم کا نام ہے جسے قرض خواہ قرض دار سے طلب کرتا ہے۔ اور یہاں کی اجرت وہ رقم ہے جس کا مطالبہ قرضدار۔ قرض خواہ سے کر رہا ہے تاکہ اس کے نتیجے میں قرض داری قبول کر سکے۔ اور حامل چک کا مقروض بن جائے۔

مختصر یہ ہے کہ چک کیش کرنے کی اجرت کا مطالبہ دو صورتوں میں جائز ہے۔ ایک وہ صورت جہاں چک دوسرے بینک سے کیش کرایا اور اکاؤنٹ دوسرے بینک میں ہو۔ اور دوسری سورت جہاں چک کے برابر رقم بینک میں ہو اور رقم اوور ڈرافٹ کے طور پر ادا کی جائے۔

اس کے علاوہ اگر بینک وہی بینک ہے اور رقم پہلے سے موجود ہے تو بینک کو قرض ادا کرنے کی اجرت مانگنے کا کوئی حق نہیں ہے جب تک پہلے سے یہ شرط نہ کرلے کہ دوسرے کے نام چک لکھنے پر اجرت دینا پڑے گی۔

یہاں تک دو صورتوں کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ پہلی صورت وہ تھی جہاں چک اسی بینک یا اس کی کسی

شاخ سے کیش کرایا گیا تھا جس بینک یا شاخ کا وہ چک تھا۔ اور تیسری صورت وہ تھی جہاں کیش کرنیوالا بینک دوسرا تھا اور چک ایشو کرنے والا بینک دوسرا اور کام حوالہ کے طور پر انجام پایا تھا۔

رہ گئی دوسری صورت جہاں چک بینک کی ایک شاخ سے ایشو ہوا ہے اور دوسری شاخ میں کیش کرایا جارہا ہے۔ مثال کے طور پر کلکتہ کی شاخ کا چک ہے اور الہ آباد میں کیش کرایا جارہا ہے۔ ایسی صورت میں بینک چک کیش کرنے کی اجرت لے سکتا ہے یا نہیں؟

اس مسئلہ کی تفصیل یہ ہے کہ ایک بینک جب متعدد شاخیں کھولتا ہے تو ان تمام شاخوں کو ایک ہی جہت کا وکیل قرار دیتا ہے اور ہر شاخ کے معاملہ کو مرکز کا معاملہ تصور کرتا ہے۔ اب اگر کسی شخص نے کلکتہ کی شاخ میں کوئی رقم جمع کی ہے تو صرف اس شاخ پر حق قرض نہیں پیدا کیا ہے بلکہ اس مرکزی جہت کو مقروض بنا لیا ہے۔ جس کے تحت یہ تمام شاخیں کام کر رہی ہیں۔

اور جب کلکتہ کی شاخ کوئی چک ایشو کرتی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اس کی ادائیگی کی ذمہ داری صرف اس شاخ پر ہے۔ بلکہ اس کا واقعی مفہوم یہ ہے کہ پورا بینک اس چک کے کیش کرنے کا ذمہ دار ہے۔ لیکن اس کے باوجود مرکزی ادارہ اس بات کا ذمہ دار نہیں ہے کہ وہ رقم کو ہر شاخ سے ادا کرے بلکہ اس کے اختیار میں ہے کہ جس شاخ سے چک ایشو ہوا ہے وہیں سے کیش کرائے اور اس پر کسی کو اعتراض کا حق نہ ہوگا۔

اب اگر "حامل چک" کلکتہ کے چک کو الہ آباد کی شاخ میں کیش کرانا چاہتا ہے تو اس شاخ کو مکمل اختیار ہے کہ وہ حامل چک سے کلکتہ شاخ کے قرضہ کی ادائیگی کی اجرت وصول کرے۔

اجرت وہاں ناجائز ہوتی ہے جہاں حق کسی کے ذمہ ثابت ہوتا ہے اور وہ واجب الادا حق کو ادا کرتا ہے لیکن جہاں کسی شخص یا جہت پر شخصی ذمہ داری نہیں ہوتی وہاں دوسرے کی ذمہ داری قبول کرنے کی اجرت لی جاسکتی ہے۔

تحصیل اسناد

TO CASH CERTIFICATE کھلی ہوئی بات ہے کہ جب بھی کوئی شخص کسی مال کو غیر مقام کیلئے اکسپورٹ کرتا ہے تو اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ امپورٹ کرنیوالا کوئی ضمانت داخل کرے تاکہ اس کے اعتماد پر مال اکسپورٹ کیا جائے۔ لیکن کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اکسپورٹ کرنیوالا۔ امپورٹر کے ذاتی اعتبار پر ضمانت طلب کرنے کے بجائے اس وعدہ کو کافی سمجھ لیتا ہے کہ جب بھی مال کے کاغذات پہونچ جائیں گے۔ رقم ادا کر دی جائے گی۔

اور اکسپورٹ کرنے والا ان کاغذات کو اپنے اور امپورٹر کے درمیان طے شدہ بینک کے حوالے کر دیتا ہے۔ اور یہ بینک اس شہر میں دوسرے بینک کو کاغذات بھیج دیتا ہے کہ امپورٹ کرنیوالے سے رقم

لے کر کاغذات اس کے حوالے کردے۔ اور اکسپورٹ کرنے والا ان کاغذات کو اپنے اور امپورٹر کے درمیان طے شدہ بینک کے حوالے کر دیتا ہے۔ اور یہ بینک اس شہر میں دوسرے بینک کو کاغذات بھیج دیتا ہے کہ امپورٹ کرنے والے سے رقم لے کر کاغذات اس کے حوالے کردے۔

رقم حاصل کرنے کے بعد اس بینک کا فرض ہوتا ہے کہ وہ پہلے بینک کو اس امر کی اطلاع کردے کہ آپ کی رقم مل گئی ہے اور آپ کے کرنٹ اکاؤنٹ میں درج کر دی گئی ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ ایک جائز خدمت ہے جسے بینک تجارتی سہولتوں کیلئے انجام دیتا ہے اور اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ دوسرے بینک کے ذریعہ تجارتی کاغذات و اسناد اس مقام تک پہونچا دیئے جائیں اور وہاں سے رقم حاصل کرلی جائے۔ اور چونکہ حاصل ہونے والی رقم کو وہاں کا بینک یہاں کے بینک کے حساب میں درج کرتا ہے اس لئے اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ اکسپورٹر کا بینک دوسرے بینک کے ذریعے اکسپورٹر کا مقروض ہوگیا اور اب اس مطالبہ کو نقد قیمت یا اکاؤنٹ میں اندراج کے ذریعہ ادا کرنا چاہتا ہے۔

بینک کو اس درمیانی خدمت کے انجام دینے اور کاغذات کو دوسرے ملک میں پہونچا کر وہاں سے رقم منگانے پر اجرت لینے کا مکمل اختیار ہے۔ بلکہ ان تمام اخراجات کو بھی حساب میں درج کرنے کا حق ہے جو اس ذیل میں پیش آئے ہیں۔ جیسے ڈاک وغیرہ کا خرچ۔ اس لئے کہ یہ تمام اخراجات اکسپورٹ کرنے والے کی اجازت سے کئے گئے ہیں۔ اور جو اخراجات دوسرے کی اجازت اور اس کے اشارہ پر ہوتے ہیں ان کی ذمہ داری حکم دینے والے پر ہوتی ہے۔

اسی طرح وہ تمام فوائد جن کو عام طور سے رقم وصول کرنے والا بینک، اکسپورٹ کرنے والے بینک کیلئے اس دفعہ بھر برداشت کرتا ہے۔ جس میں یہاں سے مال اکسپورٹ ہوتا ہے اور وہاں امپورٹر کے سپرد کیا جاتا ہے۔ اگر انہیں امپورٹر کے ذمہ ڈالنا چاہے تو کوئی ہرج نہیں ہے۔ اس لئے کہ ان فوائد کے اسباب کتنے ہی غیر شرعی کیوں نہ ہوں۔ جب وساطت کی بنا پر دوسرے ملک کے بینک کے ذمے آجاتے ہیں تو اس بینک کو اختیار ہے کہ وہ ایسی وساطت کو اس وقت تک قبول نہ کرے جب تک امپورٹ کرنے والا اس بات کی ذمہ داری نہ لے لے کہ اس سلسلے میں جتنے نقصانات ہوں گے انہیں بذات خود برداشت کرے گا۔ اور بینک پر کوئی بوجھ نہ ڈالیگا۔

داخلی حوالے

:- اگر ایک شہر کا رہنے والا انسان دوسرے شہر کے باشندے کا مقروض ہو جائے تو اسے یہ بھی اختیار ہے کہ ڈاک سے چک بھیجنے کے بجائے بینک کے حوالے کا راستہ اختیار کرے اور بینک کے نام ایک تحریر بھیج دے کہ میرے اکاؤنٹ میں سے اتنی رقم فلاں شخص کو فلاں جہت میں دیدی جائے اور وہ شاخ

یا بینک متعلقہ شخص کو اطلاع دے گا کہ آپ کی اتنی رقم ہمارے پاس محفوظ ہے۔ اسے آکر وصول کرلیں۔ یا اگر اس کا کوئی حساب بینک میں ہے تو اس کے حساب میں درج کر کے اسے اطلاع دیدے۔

فقہی اعتبار سے اس کاروبار کی چند توجیہیں کی جاسکتی ہیں۔

۱۔ یہ صاحب حساب کی طرف سے بینک سے اپنے قرضہ کے وصول کرنے کا ایک ذریعہ ہو کہ فوری طور پر نقد رقم کا مطالبہ کرنے کے بجائے بینک کو یہ حکم دیتا ہے کہ یہ قیمت متعلق شخص کو دیکر میرے قرض سے سبکدوشی حاصل کرلی جائے۔ اور اس طرح میں بھی اس شخص کے قرض سے سبکدوش ہو جاؤں گا۔

۲۔ یہ خود بینک کا اقدام ہو کہ متعلق شخص کے قرضہ کو اپنی پارٹی کے سر سے اتار دیا جائے اور اپنی شاخ یا متعلق بینک کے ذریعہ قرض کی قیمت ادا کر کے اس کو سبکدوش بنا دیا جائے

یہ اور بات ہے کہ اس کام کی تحریک ضرور صاحب حساب نے اپنے سلسلے کی ہے۔ اس لئے بینک جس قدر بھی رقم ادا کرے گا اس کا یہ خود بھی مقروض ہو جائے گا۔ اور دونوں کے قرضوں میں باہمی تصفیہ حساب ہو جائے گا۔ بینک کے ذمہ سے اس کا قرضہ ختم ہو جائیگا اور اس کے ذمہ سے بینک کا قرضہ تمام ہو جائیگا۔

۳۔ اس معاملہ کو سیدھے سیدھے شرعی حوالہ بنا دیا جائے اور اس کی توجیہہ اس طرح کی جائے کہ تحویل کا حکم دینے والا مقروض ہے اور اس سے مستفید ہونیوالا قرض خواہ۔ اب مقروض شخص اپنے قرض کی ادائیگی کو بینک کے حوالے کرتا ہے جو خود بھی اس شخص کا مقروض ہے اور یہی شرعی حوالہ ہے کہ ایک مقروض اپنے قرض کی ادائیگی میں صاحب قرض کو اپنے مقروض کے حوالے کردے۔

اس کے بعد چونکہ بینک حوالہ قبول کرتے ہی مستفید شخص کا مقروض ہو جائیگا۔ اس لئے وہ اپنے قرض خواہ یعنی مستفید کو دوسرے بینک کے حوالے کرتا ہے کہ وہ اس کے ذمہ کا قرض اس سے وصول کرے اور یہ دوسرا حوالہ ہو جائے گا

البتہ اگر بینک نے جس بینک کے حوالے کیا ہے وہ دوسرے شہر میں اسی بینک کی کوئی شاخ ہے تو اسے دوسرا حوالہ نہیں کہا جاسکتا۔ اس لئے بینک اپنی تمام شاخوں کے ساتھ ایک جہت شمار کیا جاتا ہے۔ اور ایک جہت کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کو شرعی حوالہ کرسکے۔ ظاہری طور پر تو وہ حوالہ ہی معلوم ہوتا ہے۔ لیکن حقیقتاً حوالہ نہیں ہے۔

۴۔ معاملہ کو شرعی حوالہ ہی فرض کیا جائے لیکن حوالہ دینے والے صاحب حساب کو نہ فرض کیا جائے بلکہ خود بینک کو فرض کیا جائے کہ وہ صاحب حساب کا مقروض ہونے کے اعتبار سے دوسرے بینک کے ذریعہ اپنے قرض کو ادا کرنا چاہتا ہے۔ بینک کے حوالے کرنے کے بعد دوسرا بینک خود بھی صاحب حساب کا مقروض ہو جائے گا۔ اور اب وہ اپنے قدیم قرض خواہ کو قرض کی وصول یابی کیلئے اس بینک کے حوالے کردیگا اور اس سے اپنے بینک کو مامور قرار دیگا کہ

یہ اس بینک کو اطلاع کرے۔

حقیقت امر یہ ہے کہ ان چاروں تفسیروں میں جو تفسیر دور حاضر کے حالات پر منطبق ہوتی ہے وہ تیسری تفسیر ہے باقی توجیہات صرف ایک فرض کی حیثیت رکھتی ہیں اور بس۔

اس لئے کہ پہلی اور دوسری تفسیر میں تحویل سے فائدہ اٹھانے والے کا دوسرے شہر کے بینک پر کوئی حق نہیں پیدا ہوتا اور نہ بینک اس کا مقروض فرض کیا جاتا ہے صرف اسے اتنا اختیار دیا جاتا ہے کہ اپنے قرضے بھر رقم اس بینک سے وصول کرسکتا ہے۔ اسے یہ اختیار نہیں ہے کہ بغیر قبضہ کئے ہوئے اپنے حساب کی طرف منتقل کر سکے۔ اس لئے کہ اختیار وصول کرنے کا دیا گیا ہے، منتقل کرنے کا نہیں۔

تیسری تفسیر میں یہ نقص نہیں ہے وہاں دوسرے شہر کا بینک مستفید کا مقروض فرض کیا گیا ہے۔ اور مقروض کے سلسلے میں دونوں اختیار ہیں۔ اس سے نقد رقم بھی لی جاسکتی ہے۔ اور حساب میں منتقل بھی کرائی جاسکتی ہے۔

چوتھی تفسیر کیلئے یہی نقص کافی ہے کہ اگر دوسرا بینک پہلے بینک کی شاخ نکل آیا تو یہ سارا حوالہ اور سارا معاملہ باطل و بیکار ہو کر رہ جائیگا۔

بہرحال اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ چاروں تفسیروں کی بنا پر اصل کام صحیح ہے اور شرعی اعتبار سے اس میں کوئی اشکال نہیں ہے۔

اجرت تحویل

رہ گیا یہ سوال کہ بینک اس تحویل کی اجرت لے سکتا ہے یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ سابقاً اس مسئلہ کی وضاحت کی جاچکی ہے کہ اگر بینک دوسرے بینک یا دوسری شاخ کے چک کو کیش کردے تو اسے اجرت لینے کا مکمل اختیار رہے۔ لیکن اگر اپنے ہی ذمہ قرضہ کا چک کیش کرنا ہے تو اسے کسی اجرت کا حق نہیں ہے علاوہ ان مخصوص حالات کے جہاں پہلے سے یہ شرط کرلی جائے کہ بینک کی اجازت کے بغیر دوسرے آدمی کو چک دینے کا کوئی حق نہیں ہے ورنہ اس چک کے کیش کرنے پر اجرت دینا پڑے گی۔ اسی مسئلہ کی روشنی میں تحویل کی کوئی بھی توجیہہ و تفسیر کی جائے۔ شرعی اعتبار سے اس کی اجرت وصول کرنے میں کوئی اشکال نہیں ہے۔

تفصیل مسئلہ یہ ہے کہ اگر بینک اپنی پارٹی کے قرض خواہ کو رقم دلا کر پارٹی کے قرض سے سبکدوش ہونا چاہتا ہے (جیسا کہ پہلی تفسیر میں فرض کیا گیا ہے) تو بھی اسے اجرت لینے کا حق ہے۔ اس لئے کہ بینک "صاحب حساب" کا مقروض ضرور ہے اور قرض دار کو قرض کی ادائیگی پر اجرت لینے کا حق نہیں ہے لیکن یہ بھی اس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے کہ "صاحب قرض" جہاں بھی قرض لینے کا مطالبہ کرے وہ وہیں رقم حاضر کرے۔ بنابریں صاحب حساب نے وہیں رقم کا مطالبہ کیا ہوتا جہاں داخل کیا تھا تو بینک کو اجرت مانگنے کا حق نہیں تھا لیکن اب دوسری جگہ منتقل کرانا چاہتا ہے تو بینک کو

اس تحویل کی اجرت مانگنے کا مکمل اختیار ہے ۔

اور اگر مسئلہ کی نوعیت یہ ہے کہ بینک خود اپنے صاحب حساب کی گردن سے مستفید کے قرضہ کو اتارنا چاہتا ہے (جیسا کہ دوسری تفسیر میں بیان کیا گیا ہے) تو یہ ایک بڑی خدمت ہے جسے بینک اپنے صاحب حساب کے حق میں انجام دے رہا ہے۔ اور اسے حق الخدمت لینے کا حق ہے ۔ یہ اور بات ہے کہ اس حق الخدمت کا وزن صرف یہ ہوگا حکم دینے والے کا بوجھ ہلکا ہو جائیگا اس کا قرضہ ادا ہو جائیگا اور اسے صرف دوسری جگہ ادا کرنے کا خرچ برداشت کرنا پڑے گا ۔ حالانکہ اگر وہ خود جاکر قرض ادا کرنا چاہتا تو مختلف قسم کے اخراجات کا زیر بار ہو جاتا ۔

اور اگر مسئلہ کو شرعی حوالے کی شکل میں دیکھا جائے (جیسا کہ تیسری تفسیر میں ہوا ہے) تو اس کا مطلب یہ ہے کہ حکم دینے والے نے دوسرے شہر میں رہنے والے قرض خواہ کو اپنے بینک کے حوالے کر دیا ہے ۔

اب اس حوالے کی بھی چند قسمیں ہوں گی ۔ یا یہ کہ یہ حوالہ اتنی مقدار رقم پر ہوگا جس مقدار میں رقم کا بینک میں وجود نہیں ہے ۔

یا پہلے سے بینک میں حساب چل رہا ہے اور رقم موجود ہے ۔

یا حوالہ کرتے وقت ہی بینک میں رقم جمع کر رہا ہے تاکہ تحویل کا حق پیدا کر لے اور بینک کے راستے رقم کو منتقل کر دے ۔

اگر حوالہ کا تعلق پہلی قسم سے ہے تو یہ ایک بری الذمہ کے سر حوالے ہوگا ۔ اور اگر دوسری قسم سے ہے تو ایک مقروض کے ذمے حوالہ ہوگا ۔ لیکن دونوں صورتوں میں بینک کو اجرت لینے کا حق ہے ۔ اس لئے کہ مقروض بھی کسی خاص مقام پر قرض ادا کرنے پر مامور نہیں ہے ۔ اس کی ذمہ داری صرف اس مقام پر قرض ادا کرنا ہے جہاں قرض لیا ہے اب اگر اس سے ہٹ کر وصول کرنا ہے تو اس نقل و انتقال کا خرچ برداشت کرنا پڑے گا ۔

رہ گئی تیسری قسم ۔ جہاں حکم دینے والا پہلے رقم ادا کرتا ہے ۔ اس کے بعد حق پیدا ہوتے ہی بینک کو تحویل کا مکلف بنا دیتا ہے تو اس صورت میں بینک کو جمع کرتے وقت ہی یہ شرط کر لینے کا حق ہے کہ آپ اپنے کسی بھی قرض خواہ کو بینک کی طرف بغیر بینک کی اجازت کے تحویل نہیں کر سکتے اور اگر ایسا کریں گے تو بینک کو حوالہ قبول کرنے کی اجرت لینے کا حق ہوگا ۔ اور یہ شرط شرعاً صحیح ہے ۔ اس لئے کہ اس میں قرضدار کی مصلحت ہے قرض خواہ کی نہیں ہے ۔ اور سود وہاں حرام ہوتا ہے جہاں قرضدار کی مصلحت ہوتی ہے ۔

اور اگر تحویل کی بنیاد چوتھی تفسیر پر ہے ۔ جہاں "بینک نامور" خود صاحب حساب کو دوسرے شہر کے بینک کے حوالے کر دیتا ہے تو وہاں بھی اجرت لینے کا حق ہے اس لئے کہ بینک صاحب حساب کا مقروض ضرور ہے لیکن اس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ قرضہ کی رقم دوسرے شہر میں ادا کرے ۔ یہ ایک زائد مطالبہ ہے

جس کی اجرت لینے کا شرعاً اختیار ہے اور اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ (تفصیل ملحقات میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے)

اپنے حق میں تحویل

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک شخص دوسرے شہر میں ایک رقم کی ضرورت محسوس کرتا ہے تو اپنے شہر کے بینک میں اتنی ہی مقدار میں رقم نقد جمع کر دیتا ہے تاکہ دوسرے شہر میں اسی بینک کی دوسری شاخ یا دوسرے متعلقہ بینک سے وصول کر لے۔

اس مقام پر تحویل کرنیوالا وہ بینک ہوگا جو نقد رقم وصول کرنیکے بعد اس شخص کا مقروض ہوگیا ہے اور اب اپنا قرض دوسرے شہر میں ادا کرنا چاہتا ہے۔

اس تحویل کی دو صورتیں ہوں گی۔ یا تو بینک اپنی ہی کسی شاخ کی طرف تحویل کرے گا، یا دوسرے بینک کی طرف۔

اگر تحویل کا تعلق اپنی ہی شاخ سے ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ قرض ادا کرنے کی ایک خاص شکل ہے۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے گویا "جدید" صاحب قرض نے یہ طے کرلیا ہے کہ یہ قرض فلاں شاخ کے ذریعہ ادا ہوگا اور اسے حوالہ سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔ لیکن اگر تحویل کا تعلق دوسرے بینک سے ہے تو صاف صاف شرعی حوالہ ہے۔ اور گویا بینک نے اپنے "صاحب قرض" کو دوسرے بینک کے حوالے کر دیا ہے۔ اب اگر وہ بینک پہلے بینک کا مقروض ہے اور اس کا کوئی اکاؤنٹ وہاں ہے تو مقروض کے نام حوالہ ہوگا ورنہ بری الذمہ کے نام اور دونوں صورتوں میں حوالہ بہرحال صحیح رہے گا۔ بلکہ بینک کو اس حوالہ کی اجرت مانگنے کا بھی حق ہوگا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ شروع ہی سے یہ شرط کرلے کہ حوالہ کی اجرت بھی دینا پڑے گی۔

اس لئے کہ یہ شرط مطابق شرع ہے اور اس پر عمل کرنا شرط کرنے والے کی شرعی ذمہ داری ہے۔

تحویل برائے غیر قرضخواہ

تحویل کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ دوسرے شہر میں رہنے والے کسی شخص کے نام اسے مقروض بنانے کیلئے یا فی سبیل اللہ حوالہ بھیج دیا جائے اور وہ خود پہلے سے قرض خواہ نہ ہو یعنی اس کا کوئی حساب بینک میں نہ ہو۔

یہ تحویل بھی شرعاً صحیح ہے۔ یہ اور بات ہے کہ "صاحب تحویل" رقم وصول کرنے سے پہلے اس رقم کا مالک نہ ہوگا اور یہ حوالہ کبھی فقہی معنی میں حوالہ نہیں ہے۔

حوالہ کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ جس کے نام حوالہ دیا جائے اسے صرف "مبلغ حوالہ" میں تصرف کرنے کا اختیار دیا جائے اور بس۔ اس صورت میں حوالہ کی رقم حوالہ دینے والے کی ملکیت سے خارج نہ ہوگی۔ صرف اتنا ہوگا کہ اس شہر کا بینک دوسرے شہر کے بینک کو یہ اطلاع دیدے گا کہ فلاں شخص کو اتنی مقدار میں

رقم دیدی جائے۔ اور وہ بینک اپنی قرارداد کے مطابق اس حکم پر عمل درآمد کرے گا۔

پرونوٹ کا کیش کرنا

مذکورہ بالا خدمات کے علاوہ بینک اپنے صاحبان حساب کیلئے ایک خدمت اور انجام دیتا ہے۔ جس کا نام ہے "پرونوٹ کا کیش کرنا"۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ پرونوٹ کی مدت پوری ہونے سے چند دن پہلے بینک مقروض آدمی کو نوٹ کے نمبر اور تاریخ کی اطلاع دیتا ہے۔ اور قیمت وصول ہوجانے پر اسے قرضخواہ کے حساب میں درج کردیتا ہے۔ صرف اپنے اخراجات منہا کرلیتا ہے۔

ظاہر ہے کہ اس خدمت کا تعلق اگر صرف کاغذات کے کیش کرنے سے ہے اور اسکے پیچھے کوئی سودی کاروبار نہیں ہے تو یہ ایک جائز خدمت ہے جس کی شرعاً اجرت لی جاسکتی ہے۔ چاہے رقم کی تحصیل کا مطلب نقد وصول کرنا ہو۔ یا نوٹ لکھنے والے کے اکاؤنٹ سے قرض خواہ کے اکاؤنٹ کی طرف ٹرانسفر کرنا ہو کہ گویا نوٹ لکھنے والا اپنے صاحب قرض کو بینک کے حوالے کر رہا ہے۔

اسی انداز کا وہ پرونوٹ بھی ہوتا ہے جو صاحب کے دستخط سے بینک کے سامنے پیش کیا جاتا ہے اور اس میں یہ لکھا جاتا ہے کہ وقت استحقاق اسے بینک میں پیش کر کے اتنی مقدار میں رقم برآمد کی جاسکتی ہے۔ اور گویا نوٹ لکھنے والا اپنے صاحب قرض بینک کے حوالے کرتا ہے کہ وہ اپنے قرض کو میرے بینک کے اکاؤنٹ سے وصول کرلے۔

یہ اور بات ہے کہ پہلے نوٹ اور اس نوٹ میں ایک فرق ہے اور وہ یہ کہ پہلا نوٹ میعاد پوری ہونے پر آیا ہے اور یہ نوٹ پہلے سے محفوظ ہے صرف اس نوٹ کا استحقاق مدت کے ساتھ مشروط ہے۔ لیکن اس سے اصل حوالہ کے جواز پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

بینک کے لئے اس پرونوٹ کے کیش کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اتنی رقم صاحب حساب کے حساب سے وضع کر کے قرض خواہ کے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کردے یا اسے نقد ادا کردے۔

لیکن پرونوٹ کی ان دونوں قسموں میں فرق کرنا بھی ضروری ہے۔

جس قسم میں استفادہ کرنے والا بینک کے پاس کاغذ لے کر آتا ہے اور وہ کاغذ ابتدائی طور پر بینک کے حوالے نہیں ہوتا بلکہ مستفید اسے کیش کرانا چاہتا ہے۔ اس قسم میں بینک کو اجرت لینے کا حق ہے۔ اس لئے کہ وہ رابطہ پیدا کر کے اس سے ادائے قرض کا مطالبہ کرتا ہے۔ نقد رقم کے ذریعہ ہو یا بینک ٹرانسفر کے ذریعے۔

لیکن جہاں استفادہ کرنے والا اس نوٹ کو لے کر آتا ہے جو ابتدائی طور پر بینک ہی کے حوالہ کیا

جاتا ہے اور اسے ہدایت دی جاتی ہے کہ مقروض کے اکاؤنٹ سے ادا کرے۔ یہاں بینک خود ہی مستفید کا مقروض ہو جاتا ہے۔ اور اس میں قبول کرنے کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے کہ لکھنے والے کا اکاؤنٹ موجود ہے اور اسے حوالہ کرنے کا حق ہے اور جب بینک مقروض ہو گیا تو مقروض کو ادائے قرض کی اجرت لینے کا کوئی حق نہیں ہے۔

ایسے نوٹ کیش کرنے میں اجرت لینے کا اس وقت تک حق ہے جب تک اس کا حوالہ براہ راست بینک ہی کے نام نہ ہو۔ ورنہ ادائے قرض میں اجرت کا کوئی سوال نہیں ہے۔ البتہ یہ بات ممکن ہے کہ بینک روز اول سے صاحبان حساب سے طے کرے کہ اس کی اجازت کے بغیر حوالہ کرنے کا حق نہیں ہے ورنہ اس شرط کو ساقط کرنے کی اجرت ادا کرنا پڑے گی۔

پرونوٹ اور چک کی توثیق

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ پرونوٹ (سرخط) لکھنے والا "مقروض" اپنے اس تجارتی کاغذ کو بینک کی توثیق اور اس کی قبولیت اور دستخط سے باوزن بنانا چاہتا ہے۔ اس توثیق کی دو قسمیں ہیں۔

پہلی قسم۔ وہ توثیق ہے جہاں بینک خود استفادہ کرنے والے کے مقابلے میں مسئول بن جاتا ہے۔

اور دوسری قسم۔ وہ تصدیق ہے جہاں بینک پر کوئی مسئولیت اور ذمہ داری نہیں ہوتی وہ صرف اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ نوٹ لکھنے والے کا حساب بینک میں موجود ہے اور وہ کسی وقت بھی اس رقم سے اس قیمت کو ادا کر سکتا ہے۔

ہماری بحث بالترتیب دونوں قسموں کے متعلق ہوگی۔

۱۔ بینک کا اس طرح پرونوٹ وغیرہ قبول کرنا کہ اس سے استفادہ کرنے والے کے مقابلہ میں خود مسئول بن جائے۔ ایک جائز امر ہے اور اس کی بنیاد قرض کی ضمانت نہیں ہے۔ بلکہ یہ ذمہ داری ہے کہ مقروض اپنے قرض کو ادا کرے گا۔ اور اس کا شرعی اثر یہ ہے کہ اگر مقروض نے قرض ادا نہیں کیا تو مستفید کو حق ہے کہ وہ بینک کی طرف رجوع کر کے اپنی قیمت وصول کرلے۔ البتہ اس کے آمادہ ہونے کی صورت میں بینک سے مطالبہ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اس لئے کہ بینک نے قرض اپنے ذمے نہیں لیا بلکہ ادا کرنے کی ذمہ داری لی ہے۔

۲۔ بینک کا اس طرح پرونوٹ قبول کرنا کہ اس پر ادائیگی کی کوئی ذمہ داری نہ رہے اور وہ صرف بینک میں قابل ادا اکاؤنٹ کے موجود ہونے کی تصدیق کرے۔ یہ بھی ایک امر جائز ہے۔ لیکن اس سے بینک پر کوئی ذمہ داری نہیں آتی۔ بینک کا کام صرف کاغذ کو باوزن اور قیمتی بنا دینا ہے۔ اسے حق ہے کہ اس خدمت

خدمت کے لئے اجرت کا مطالبہ کرے اور بغیر اجرت کے اس عمل کو انجام نہ دے اس لئے پرونوٹ لکھنے والا تو بہرحال اس تصدیق سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ بینک رقم کو ادا کرے یا نہ کرے۔

پرونوٹ ہی کی طرح چک قبول کرنے کی بھی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ بینک چک لکھنے والوں کے چک کو اس طرح قبول کرے کہ اپنے دستخط سے ان کا وزن بڑھائے اور اس بات کی ذمہ داری بڑھائے اور اس بات کی ذمہ داری لے لے کہ جو شخص بھی ادائگی قرض کے طور پر اسے استعمال کرے گا بینک اسے قبول کرے گا۔ یعنی بینک ہر وقت اس کام کے لئے آمادہ ہے کہ صاحب چک کے حوالہ کو قبول کرے چاہے وہ کسی ایک معین شخص کے نام ہو یا بغیر نام کے دستخط شدہ ہو۔

ایک شخص کے نام ہونے کا مطلب یہ ہے کہ بینک اس شخص خاص کے مقابلے میں مسئول ہے۔ اور گویا قسم اول کا پرونوٹ قبول کیا ہے۔ لہذا اس کے اثرات بھی مثل اول ہوں گے۔ لیکن غیر معین چک کا مطلب ایک غیر محدود جماعت کے مقابلہ میں مسئول ہونے کا ہے جس پر کسی بینک کو مجبور نہیں کیا جاسکتا۔

۲۔ چک کا اس معنی میں قبول کرنا کہ بینک پر کوئی ذمہ داری نہ ہو، اور وہ صرف اس بات کی تصدیق کرے کہ اینڈو کرنے والے کا اکاؤنٹ بینک میں موجود ہے اور وہ کسی وقت بھی اس کی قیمت دے سکتا ہے یہ بھی ایک جائز کام ہے چاہے اس کا تعلق فرد خاص سے ہو یا نامعلوم جماعت سے ہو۔ اور بینک کو مثل سابق اس کام کی اجرت لینے کا حق ہے۔ اس نے ایک محترم خدمت انجام دی ہے۔ اور خدمتِ محترم کو اجرت ملنی چاہئے۔

مالیاتی کاغذات اور بینک کے خدمات

مالیاتی کاغذات سے مراد ہے شیئر اور سند۔ (SHARE & CERTIFICATE)

شیئر:۔ کسی مشترک کمپنی کے ایک حصۂ سرمایہ کی نشانی ہے۔ اور سند وہ چک ہے جو حکومت یا کسی رسمی یا غیر رسمی ادارہ کے قرضوں کی نشاندہی کرتا ہے۔

یہ مالیاتی کاغذات کسی برائے نام قیمت سے صادر کئے جاتے ہیں۔ اور اس کے بعد ان کی قیمت بازار کے دوسرے اجناس کی طرح بدلتی رہتی ہے۔ لوگ ان کی خریداری کی طرف اس لئے توجہ کرتے ہیں کہ ان سے "قیمت خرید" اور "قیمت فروخت" کے درمیانی فرق کا فائدہ ہوجاتا ہے۔

بعض اوقات تو خود بینک بھی خرید و فروخت کرتا ہے اور اس کے ذریعے کافی نفع کماتا ہے۔ یہ کاغذات ایک قسم کے نقد کا کام بھی دیتے ہیں اور ان سے فائدہ بھی ہوتا ہے۔

اس نکتہ کی بحث بینک کے استفادوں کے ذیل میں ہوگی۔ اس وقت تو صرف بینک کے وساطتی خدمات سے بحث ہو رہی ہے اور یہ دیکھا جا رہا ہے کہ بینک اپنے متعلقین کی خواہش کی بنا پر کس طرح ان کاغذات کی خرید و فروخت کرتا ہے۔

صورت حال یہ ہے کہ "صاحبان کاغذ" ان کاغذات کی تجارت کرنے کیلئے انہیں بینک کے سپرد کر دیتے ہیں اور بینک سارے معاملات کا جائزہ لینے کے بعد دستخط وغیرہ کی تصدیق۔ مالکانہ اکاؤنٹ دیکھ کر یا مقروض ہونے کی سند دیکھ کر اپنی تحویل میں لے لیتا ہے

اس سلسلہ میں ماہرین سے تعلق پیدا کر کے بازار کی قیمت کا اندازہ کرتا ہے۔ اس کے بعد مناسب قیمت دیکھ کر خرید یا فروخت کا عمل درجۂ تکمیل تک پہونچا دیتا ہے۔ اس کا ذریعہ اس کام کے ماہرین ہوتے ہیں یا بینک کا مستقل نمائندہ اس فرض کو انجام دیتا ہے۔

بینک کی اس وساطت کا تعلق براہ راست "ان کاغذات" کی خرید و فروخت سے ہے اس میں اس رقم کی تحویل یا بیع و شرا کا کوئی سوال نہیں ہے جو اس کے پیچھے پوشیدہ ہے۔ اس لیے یہ معاملہ اسی صورت میں صحیح ہو سکتا ہے جس صورت میں اس قسم کے کاغذات کی خرید و فروخت جائز ہو۔ ورنہ معاملہ بھی باطل ہے اور اجرت لینا بھی ناجائز ہے۔ اجرت صرف جائز کاموں کیلئے ہوتی ہے۔ حرام کام کی اجرت بھی حرام ہے۔

رہ گیا یہ مسئلہ کہ ان کاغذات کی خرید و فروخت جائز ہے یا نہیں؟ تو اس کی شرعی بحث بینک کے ذاتی کاروبار کے ذیل میں آئے گی اس لئے

کہ بینک وساطت کے علاوہ ان اوراق کا کاروبار بھی کرتا ہے اور انہیں ذریعہ آمدنی بھی قرار دیتا ہے۔

مالیاتی اوراق کی حفاظت

کبھی کبھی بینک سے متعلق افراد اپنے کاغذات کو بینک کے سپرد کر دیتے ہیں تاکہ وہ ان کی حفاظت بھی کرے اور ان کے دیگر خدمات بھی انجام دے۔

بینک اس سلسلہ میں بڑے بڑے مستحکم صندوق تیار کراتا ہے اور ان میں کاغذات کو محفوظ کرتا ہے اور اس کے بعد محفوظ کرانے والوں سے حفاظت کی اجرت وصول کرتا ہے۔ اجرت کے علاوہ بینک کا ایک فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ لوگوں سے تعلقات بڑھتے ہیں۔ اور برابر اپنے اموال کو بینک میں جمع کرتے رہتے ہیں۔

اب چونکہ ان اوراق کی حفاظت ایک امر جائز ہے اس لئے بینک کو اجرت وصول کرنے کا بھی حق ہے۔ بلکہ اس سلسلے کے تمام خدمات "اوراق کی ضمانت"۔ "جن کی مدت ختم ہوگئی ہے ان کا کیش کرانا"۔ "نئے نئے کاغذات خریدنا" وغیرہ۔ سب ہی جائز ہیں۔ اس لئے سب کی اجرت وصول کرنے کا حق ہے۔

ان اوراق کے سلسلے میں بینک کی ایک خدمت یہ بھی ہے کہ وہ اپنے متعلقہ افراد کیلئے کوپن خریدتا ہے۔ اب اس خدمت کی اجرت لینا جائز ہے یا نہیں۔ ؟ اس کا تعلق کوپن کے فائدے کے جواز سے ہے۔ اگر کوپن کا فائدہ تجارتی فائدہ ہے جس طرح شیئر وغیرہ میں ہوتا ہے تو کوئی ہرج نہیں ہے۔ لیکن یہ فائدہ تجارتی کے بجائے سودی ہے جیسا کہ اسناد کے قرضوں کا فائدہ ہوتا ہے تو ناجائز اور حرام ہے۔

بینک مالیاتی اوراق کے کوپن خریدنے کے علاوہ کمپنیوں کی نیابت میں ان کی رقم بھی ادا کرتا ہے۔ اور اکثر کمپنیاں بینک سے یہ قرارداد کرلیتی ہیں کہ حصہ داروں کا فائدہ بینک تقسیم کرے اور اسکے بعد کمپنی تمام کوپنوں کی نقد رقم بینک میں جمع کرے گی یا اتنی رقم اپنے اکاؤنٹ سے منہا کرا دیگی۔

کمپنی کی نیابت میں بینک کا کوپن کی رقم ادا کرنا ایک امر جائز ہے۔ بشرطیکہ اس کا فائدہ بھی جائز ہو جس طرح کہ ان کوپنوں کی رقم وصول کرنا جائز تھا جنہیں متعلقہ افراد نے بینک کے پاس جمع کر دیا تھا۔ اور جب اصل عمل جائز ہے تو بینک کیلئے اجرت لینا بھی جائز ہے اور اسے حق ہے کہ قیمتیں تقسیم کرنے پر کمپنی سے اجرت وصول کرے۔ اس لئے کہ یا تو کمپنی کا حساب پہلے سے موجود ہے اور اسی حساب کی بنا پر اس نے کوپنوں کی تقسیم کرنے کا حکم دیا ہے۔ یا کمپنی اسی وقت قیمت ادا کر رہی ہے اور یہ چاہتی ہے کہ اس مقام پر تقسیم بینک کے ذریعے ہو۔ یا کمپنی کا مقصد یہ ہے کہ بینک ساری رقم بطور قرض ادا کرے اور کمپنی کے اکاؤنٹ میں بطور قرض درج کرے۔

پہلی صورت میں بینک کو اجرت لینے کا بنیادی حق نہیں ہے۔ وہ صاحب مال کے حوالہ پر قرض ادا کرنے کا مکلف ہے۔ لیکن اگر اس نے شروع سے شرط کر لی ہے کہ بلا اجازت حوالہ کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ تو اسے ایسے حوالہ کے قبول کرنے پر اجرت لینے کا باقاعدہ حق ہے۔

اس کے علاوہ ایک صورت جواز یہ بھی ہے کہ اجرت کو ادا ہونگی رقم پر قرار نہ دے بلکہ ان زحمات کے مقابلہ میں طلب کرے جو ابتدائی طور پر بینک کو انجام دینا پڑتی ہیں۔ جیسے صاحبان طلب کو اطلاع کرنا۔ انہیں جمع کرنا وغیرہ۔ اس لئے کہ مقروض ہونے کے رشتے سے بینک قرض ادا کرنے کا مکلف ہے۔ قرض خواہوں کے جمع کرنے یا انہیں اطلاع کرنے کا مکلف نہیں ہے۔

دوسری صورت میں جہاں بینک فی الفور قیمت ادا کر کے بینک کے ذریعہ قیمتیں تقسیم کرانا چاہتا ہے۔ بینک کو یہ اختیار ہے کہ اصل رقم کے قبول کرتے اور اسکے لوگوں تک پہونچانے کی اجرت وصول کرلے۔ اگر کمپنی کا مقصد یہ ہے کہ بعینہ وہی رقم حصہ داروں تک پہونچائی جائے۔ اور اگر اس کا مقصد یہ نہیں ہے تو گویا بینک مقروض ہوگیا اور کمپنی اپنے قرضہ کو ادا کرنا چاہتی ہے۔ اس صورت میں اجرت کا جواز صرف یہ ہے کہ بینک روز اول سے

یہ طے کرے کہ اجرت کے بغیر کوئی حوالہ قبول نہ کرے۔

تیسری صورت میں جہاں بینک سے قرض دلوا کر بعد میں رقم ادا کی جاتی ہے وہاں بھی بینک کیلئے اجرت وصول کرنا جائز ہے۔ اس لئے کہ بینک ایک مخصوص رقم کمپنی کیلئے مقرر کرنے کے بعد پھر اس کو تقسیم کرنے کی ذمہ داری کرتا ہے اور یہ ذمہ داری اس کے بنیادی فرائض میں نہیں ہے۔ قرض لینے والے کی ذمہ داری صرف قرض دینا ہے۔ مقروض کے تعلیمات پر عمل کرنا نہیں ہے۔ اور جب وہ غیر واجب اعمال انجام دے گا تو اس کی اجرت بھی لے گا۔

اندراج

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بینک بعض کمپنیوں کے حصوں کے اندراج میں بھی وساطت کا کام انجام دیتا ہے۔ حصے صادر کرنے والی کمپنی سے یہ قرارداد کرتی ہے کہ وہ کمپنی کی نیابت میں حصے صادر کرے۔

اس قرارداد کی دو صورتیں ہوتی ہیں:۔

ایک صورت یہ ہے کہ بینک حصوں کو صادر کرے اور اس کی کوئی ضمانت نہ لے۔ بایں معنی کہ جس قدر حصے فروخت ہو جائیں گے بینک اس کا حق المحنت لیلے گا۔ اس کے بعد اس کی ذمہ داری نہیں ہے کہ سارے حصے فروخت ہی ہو جائیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ حصوں کی فروخت میں بینک اس بات کی ضمانت بھی لے کہ جو حصے باقی رہ جائیں گے وہ خود بینک خرید لے گا۔

ظاہر ہے کہ ان اعمال میں ذاتی طور سے کوئی اشکال نہیں ہے۔ بشرطیکہ خود کمپنی میں کوئی شرعی اشکال نہ ہو۔ فرق صرف یہ ہے کہ پہلی صورت میں بینک حصوں کے اندراج کا وکیل ہوگا۔ اور کمپنی سے اپنی محنت کی اجرت لے کر الگ ہو جائیگا اور دوسری صورت میں یہ فرض کیا جا سکتا ہے کہ بینک کو حصے فروخت کرنے کا اجیر بنایا گیا ہے۔ لیکن معاملہ کے ذیل میں یہ شرط کر لی گئی ہے کہ جو حصے فروخت نہ ہوں گے اس کی ذمہ داری خود بینک پر ہوگی۔

شرعی اعتبار سے اس شرط میں کوئی اشکال نہیں ہے چاہے فریقین کو پہلے سے یہ اندازہ بھی نہ ہو کہ کس قدر حصے صرف ہوں گے اور کس قدر بچ جائیں گے۔

ضمانتی تحریریں

(LETTER OF GUARANTEE)

گارنٹی لیٹر سے مراد بینک کی یہ قرارداد ہے کہ وہ بینک سے ضمانت دلوانے والوں کی مقررہ شرائط سے انحراف کرنے کی صورت میں معینہ رقم اس شخص کے حوالے کر دیگا جس کے حق میں یہ ضمانت لی گئی ہے۔

ضمانتی **خطوط** کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ ابتدائی اور انتہائی۔

ابتدائی ضمانت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ حکومت یا غیر حکومت ٹھیکہ دیتے وقت یہ اعلان کرے کہ اس کام میں حصہ لینے والوں کو اتنی مقدار میں رقم پہلے جمع کرنا پڑے گی۔ اور حصہ لینے والا اپنے شوق کی بنا پر رقم دینے کے بجائے بینک سے ضمانتی خط ایشو کرا دے کہ اگر اس شخص نے حسب قرارداد حصہ نہیں لیا اور کام شروع نہیں کیا تو مقررہ رقم بینک ادا کرے گا۔

انتہائی ضمانت کا مطلب یہ ہے کہ ٹھیکہ لینے والے سے حکومت یا غیر حکومت یہ ضمانت طلب کرے کہ اگر مقررہ مدت کے اندر کام تمام نہیں ہوگیا تو اتنی مقدار میں رقم ادا کرنا پڑے گی۔ اور ٹھیکہ دار نقد رقم دینے کے بجائے بینک سے ضمانتی خط لکھوا دے کہ اس شخص کے بجائے بینک اس رقم کے ادا کرنے کا ذمہ دار ہوگا۔ اس ضمانت کا نام انتہائی ضمانت اس لئے ہے کہ کام ٹھیکہ دار کے ذمہ آچکا ہے۔ اور ضمانت کا تعلق کام کی انتہاء اور اس کے ختم کرنے سے ہے۔

ایسے خطوط کی بنیادی ضرورت یہ ہے کہ حکومت کسی پلانٹ پر ٹنڈر طلب کرنے یا کسی مال کو زیادہ سے زیادہ قیمت پر بیچنے کا ٹھیکہ دینے میں اس بات کی ضرورت محسوس کرتی ہے کہ کام میں حصہ لینے والے تمام افراد کوئی ضمانت داخل کریں کہ کام شروع کریں گے۔ یا شروع کرنے کے بعد نامکمل نہیں چھوڑیں گے۔ تاکہ حکومت کسی خسارے میں نہ پڑنے پائے۔ اور اس کو مزید دشواریوں کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

اس لئے حکومت پہلے اشتراک کرنیوالے سے مطالبہ کرتی ہے۔ اور اس کے بعد جس کے نام ٹنڈر نکل آتا ہے اس سے دوسری ضمانت لیتی ہے کہ وہ ٹھیکہ کی معقول فیصدی نسبت کے اعتبار سے

نقد رقم جمع کرے اور اسے ان حالات کیلئے ضمانت بنا دے۔ جب کام مکمل نہ ہو سکے اور حکومت کو کسی خسارہ کا سامنا کرنا پڑے۔

ٹھیکہ دار لوگ اپنی نقد رقم پھنسانے کے بجائے بینک سے ضمانت دلوا دیتے ہیں کہ اگر اس شخص نے حسب قرارداد کام کو مکمل نہ کیا تو جس قدر رقم طے ہوئی ہے وہ بینک ادا کرے گا۔ اور حکومت کو خسارہ نہ ہوگا۔ اسی ضمانتی تحریر کا نام (L.G.) "ایل جی" رکھا جاتا ہے۔ اور یہ تحریر نقد رقم جمع کرنے کا کام کرتی ہے۔ جس کے بعد ٹھیکہ دار عمل کو انجام دینے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اور انجام نہ دینے کی صورت میں حکومت بینک سے رقم لے لیتی ہے۔ اور بینک ٹھیکہ دار سے وصول کرتا ہے۔

ہماری گفتگو کا سلسلہ انتہائی ضمانت سے شروع ہوگا۔ اس کے بعد ابتدائی ضمانت کی شرعی حیثیت پر روشنی ڈالی جائے گی۔

انتہائی ضمانتی تحریر (LAST LETTER OF GUARANTEE)

انتہائی ضمانت کے صادر ہوتے وقت پہلے ایک معاہدہ ضمانت سے استفادہ کرنے والی جہت اور اس شخص کے درمیان ہوتا ہے جس نے بینک سے ضمانتی خط لکھوایا ہے۔ جس کے بعد ٹھیکہ دار اس جہت کے صلاح میں کام کرنے کا عہد کر لیتا ہے اور جہت ٹھیکہ کی کل رقم میں سے ایک معقول فیصدی نسبت کی مالک ہو جاتی ہے۔ بشرطیکہ ٹھیکیدار اپنے شرائط پر عمل نہ کرے اور اپنا کام انجام نہ دے۔

ظاہر ہے یہ شرط اگر اجارہ وغیرہ کے ذیل میں طے ہوئی ہے تو جائز بھی ہے اور واجب الوفا بھی ہے اور جہت کو ٹھیکہ دار کی رقم میں سے مخصوص مقدار کا حق بھی پیدا کرا دیتی ہے۔ اور یہ حق تیسرے فریق کی طرف سے قابل توثیق و تصدیق بھی ہے۔

لہذا جس طرح مقروض کے قرض کی ادائیگی کی ضمانت لینا صحیح ہے اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ "صاحب شرط" کے بارے میں شرط کو پورا کرنے کی ضمانت لی جائے۔

یہ ضمانت صحیح ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ تیسرے آدمی کے قرض کی ضمانت کی طرح بینک اس بات کا ذمہ دار ہو گیا ہے وہ ٹھیکہ دار کے مطالبہ کو ادا کرے گا۔

اور جس طرح قرضہ کی ضمانت میں ضامن سے مطالبہ کرنے کا حق ہے۔ اسی طرح اس مقام پر شرط کے شرط پر عمل نہ کرنے کی صورت میں بینک سے مطالبہ کرنے کا حق رہے گا۔

اور چونکہ بینک نے یہ ذمہ داری ٹھیکہ دار کی خواہش کی بنا پر لی ہے اس لئے اس کی ذمہ داری ہے کہ

بینک کے جملہ نقصانات کی تلافی کرے بلکہ بینک کو اصلی ادا کردہ رقم کے علاوہ اپنی اجرت مانگنے کا بھی حق ہے۔ اس نے اپنے التزام سے ٹھیکہ دار کے قول کی عظمت بڑھادی ہے اور اس کے اعتبار میں اضافہ کر دیا ہے اور یہ ایک محترم عمل ہے جس کی اجرت لی جاسکتی ہے۔

ابتدائی ضمانتی تحریر۔ (FIRST LETTER OF GUARANTEE)

ابتدائی ضمانت کا خط بھی بینک ایشو کرتا ہے۔ لیکن اس عمل کے واجب ہونے کی کوئی شرعی صورت نہیں ہے۔ اس لئے کہ ضمانت طلب کرنے والے نے جہت کے ساتھ کوئی معاملہ نہیں کیا ہے کہ اس کے ذیل میں کوئی شرط کر لی جائے۔ اور وہ شرط واجب العمل ہو جائے۔

بلکہ یہ ایک ابتدائی ضمانت اور ابتدائی شرط ہے جس پر عمل کرنا واجب نہیں ہے۔ شرعی قانون کی رو سے شرط پر عمل اسی وقت واجب ہوتا ہے جب وہ کسی "لازم عقد" کے ذیل میں ہو۔ تاکہ عقد کے لزوم کے ساتھ شرط بھی لازم ہو جائے ورنہ شرط کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

داخلاقی اعتبار سے انسان کو اس پر عمل کرنا چاہئے۔ لیکن عمل نہیں کیا تو کوئی شرعی مواخذہ نہیں کیا جاسکتا۔ جوادی)

اعتمادی کاغذ LETTER OF CREDIT (L.C.)

غیر ملکی تجارت میں "اعتمادی کاغذ" رقم کی ادائیگی کا بہترین ذریعہ ہے۔

اعتمادی کاغذ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ بینک خریدار کے تقاضے پر بیچنے والے کیلئے یہ ضمانت لے لے کہ آپ مال دیدیجئے۔ اس کے بعد اگر خریدار قیمت ادا نہیں کریگا تو بینک ان کاغذات کو دیکھ کر پوری قیمت ادا کر دیگا۔

اعتمادی کاغذ کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ اکسپورٹ کا اعتماد اور امپورٹ کا اعتماد

امپورٹ کا اعتماد اکسپورٹر کھولتا ہے تاکہ غیر ملک میں رہنے والے اکسپورٹر کو اعتماد رہے اور بینک کے بھروسہ پر مال بھیجتا رہے۔

اور اکسپورٹ کا اعتبار غیر ملک میں رہنے والا امپورٹر کھولتا ہے تاکہ اس کے نتیجے میں ملک کے اموال باہر جاتے رہیں۔

اعتماد کی دونوں قسموں میں صرف ایک نسبت کا فرق ہے۔ ورنہ حقیقی اعتبار سے دونوں میں کوئی

کوئی فرق نہیں ہے۔ مقصد بینک کا یہ التزام ہے کہ وقت ضرورت استفادہ کرنے والے کی رقم ادا کردی جائیگی۔
بینک کے اعتبار کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ خریدار کے ذمہ بائع کے قرضے کا ذمہ دار بن جاتا ہے اور بائع کو یہ قول دیدیتا ہے کہ اگر خریدار نے آپ کے مال کی قیمت ادا نہیں کی تو بینک اس قیمت کی ادائیگی کا ذمہ دار ہوگا۔

بینک کے اس التزام سے مشتری کے قول کی اہمیت بڑھ جائے گی اور بینک کا کام یہ ہوگا کہ تجارت کے جملہ کاغذات وصول کر کے قیمت بائع کے حوالے کردے۔ اگر بائع اور مشتری کے درمیان قرارداد یہ ہے کہ قیمت کا استحقاق مال کے روانہ کرتے ہی پیدا ہو جائے گا۔

ورنہ اگر قرارداد کی شکل یہ ہے کہ مال وصول ہونے کے پہلے قیمت نہیں جاسکتی تو بینک اس وقت تک قیمت ادا نہیں کرے گا جب تک خریدار یہ اطلاع نہ دیدے کہ مال وصول ہوگیا ہے۔

بینک ان تمام خدمات کو ادا کرتے ہوئے اعتمادات کا دروازہ کھولنا بائع حضرات کی رقم کے فی الفور یا مال وصول ہونے کے بعد ادا کرنے کی ضمانت لینا ایک شرعی کام ہے۔ اور اس ضمانت کی بنا پر قیمت ادا کرنا بھی امر جائز ہے۔ چاہے مشتری کے اکاؤنٹ سے رقم ادا کی جائے یا اپنے ذاتی سرمایہ سے۔

یہ اور بات ہے کہ دوسری صورت میں مشتری بینک کا مقروض ہو جائے گا اور اسے بقدر قیمت رقم بینک کو ادا کرنا پڑے گی۔

رہ گئے وہ فوائد جو بینک کو اعتمادات کا سلسلہ قائم کرنے سے حاصل ہوتے ہیں۔ تو ان کی بھی دو قسمیں ہیں۔

ایک وہ فائدہ ہے جو بینک کو التزام کی اجرت اور لوگوں سے رابطہ پیدا کرکے رقم ادا کرنے کے لئے حق المحنت کے طور پر ملتا ہے۔ اور ایک وہ فائدہ ہے جو بینک ادا کردہ رقم کے بدلے مشتری سے وصول کرتا ہے۔ اور اس کا دعویٰ یہ ہوتا ہے کہ ہم نے آپ کا قرض اپنی طرف سے روانہ کردیا ہے۔ اور ہمارا پیسہ آپ کے کام میں اتنے دنوں تک پھنسا رہا ہے۔ لہٰذا اس کی اجرت ملنا چاہئے جو واقعی حیثیت سے سود ہے اور اس کا غیر سودی بینک کے اصول و قوانین کے سانچے میں ڈھالنا ضروری ہے۔

پہلے قسم کا فائدہ قطعاً جائز ہے اور دوسرے قسم کا فائدہ قطعاً حرام ہے۔

اس کے علاوہ ایک فائدہ اور ہے جو اکسپورٹ کرنے والے کا بینک امپورٹ کرنے والے کے بینک کے ذمہ ڈالتا ہے اور وہ امپورٹ کرنے والے سے وصول کرتا ہے یہ فائدہ اس رقم کا فائدہ ہے جو دوسرے ملک میں متعلقہ بینک سے رقم وصول ہونے کے درمیان گزرنے والی مدت سے متعلق ہوتا ہے۔

اس کی شرعی توجیہہ یہ ہوسکتی ہے کہ مال اکسپورٹ کرنے والا خرید و فروخت کے عقد ہی میں امپورٹ کرنے والے شرط کرلے کہ جب تک رقم وصول نہ ہو جائے آپ کو یومیہ اس قدر رقم دینا پڑے گی جس کے بعد مشتری اور اس کا بینک دونوں اس رقم کی ادائیگی کے ذمہ دار ہو جائیں گے۔ اور یہ سود نہ ہوگا۔ اس لئے کہ سود کے معنی قرض دے کر مدت کا فائدہ وصول کرنا ہے اور یہاں کوئی قرض نہیں ہے۔ یہاں فائدہ تجارت کے ذیل میں طے ہوا ہے اور تجارت کے ذیل میں طے ہونیوالی ہر شرط پر عمل کرنا واجب ہوتا ہے۔

تحفظ اجناس

بعض اوقات بینک یہ کام بھی انجام دیتا ہے کہ کسٹم کے باہر یا اندر بڑے بڑے گودام قائم کر کے مال کو محفوظ رکھتا ہے اور جب لوگ کاغذات لاکر دکھاتے ہیں تو ان کے حوالے کر دیتا ہے۔

زیادہ حصہ مال اسی وقت جمع ہوتا ہے جب منگانے والا تاخیر کرتا ہے یا قبول کرنے ہی سے انکار کر دیتا ہے۔

بینک اپنے متعلقین کے فائدے کیلئے مال کو محفوظ رکھتا ہے اور ان کے ہدایات کا انتظار کرتا رہتا ہے۔

اسی طرح بینک ان اموال کو بھی محفوظ رکھتا ہے جن کے کاغذات کو دیکھ کر قیمت ادا کرنے کا التزام کر چکا ہوتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ یہ تحفظ مشتری کے حق میں ہوتا ہے۔ اس کے متعلق نہیں جس نے کاغذات دکھلاکر اپنی قیمت وصول کر لی ہے۔

پہلی صورت میں بینک کا مال کو محفوظ رکھنا ایک امر جائز ہے جس کی اجرت لی جاسکتی ہے۔ بشرطیکہ بینک یہ کام صاحب معاملہ کے صریحی یا ضمنی حکم کی بنا پر انجام دے۔

دوسری صورت میں بھی مال کا محفوظ رکھنا جائز ہے۔ اور بینک مشتری سے اجرت وصول کرسکتا ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ تحفظ مشتری کے مطالبہ سے ہو۔ یا اس سے ضمنی طور پر اعتماد کھولتے وقت ہی طے ہو چکا ہو کہ بینک مال کے آنے پر اس کی حفاظت کریگا۔ اور مشتری سے اجرت وصول کرے گا۔

غیر ملکی سکوں کی تجارت

ظاہر ہے کہ جس طرح ایک ملک کے دو باشندوں میں ایک کا قرض یا مطالبہ دوسرے کے سر ہو جاتا ہے اسی طرح دو ملکوں کے باشندے بھی ایک دوسرے کے مقروض ہو سکتے ہیں۔ اس قرض کا سبب عام خرید و فروخت کا سلسلہ ہوا کرتا ہے۔ جہاں خریدار جنس کی قیمت کا مقروض ہو جاتا ہے اور فروخت کرنے والا قرض خواہ۔

جن مقامات پر بینک کا رواج نہیں ہے وہاں غیر ملکی قرضوں کی ادائگی کے لئے بھی وہی ذرائع اختیار کئے جاتے ہیں جو ملکی قرضوں میں استعمال ہوتے ہیں ۔ یعنی اگر تجارت میں یہ طے ہو گیا ہے کہ رقم کی ادائگی مشتری کے سکوں میں ہوگی تو مشتری بقدر قیمت سکے کو تاجر کے ملک میں بھیج دیتا ہے اور اس طرح قرض سے گلو خلاصی کر لیتا ہے ۔

اور اگر یہ طے ہو گیا ہے کہ قیمت کی ادائگی اکسپورٹر کے سکوں میں ہوگی تو مشتری کا فرض ہوتا ہے کہ بازار سے بقدر قیمت دوسرے ملک کے سکے خریدے اور پھر انہیں دوسرے ملک میں بھیج کر اپنے قرضہ کو ادا کرے ۔

یہی وہ کاروبار تھا جہاں سکہ فروشوں کی حکومت تھی ۔ اور قیمتوں پر وہی قبضہ جمائے ہوئے تھے ۔ یہاں تک کہ بینکوں نے میدان میں قدم رکھا اور نقد ادائگی کی اہمیت کو گھٹا کر اس کی جگہ دوسرے اہم وسائل ایجاد کر دیئے ۔

اب حوالہ اور چک نقد ادائگی کا قائمقام بن چکا ہے ۔ اور کاروبار کی وسعت کی بنا پر بینک کے لئے آسان ہو گیا ہے کہ وہ سکوں کے تاجروں کی جگہ لے کر پورے کاروبار پر مسلط ہو جائے ۔ اور اس نے یہ کام شروع بھی کر دیا ہے ۔

غیر ملکی زر مبادلہ کی تجارت پر بحث کرنے اور بینک کے وسائل ادا پر گفتگو کرنے کے لئے پہلے ان سکوں کی تجارت کو زیر بحث لایا جائیگا جو کاغذ کی شکل میں چل رہے ہیں ۔ اس کے بعد نقد سکوں کی تجارت کے مسائل پر گفتگو کی جائے گی ۔

ادائے قرض کی مصرفی ترقی

مصرفی ترقی کی بنیاد پر ادائے قرض نے اس بات کو عین ممکن بنا دیا ہے کہ نقد رقم کے منتقل کے بغیر قرض اور مطالبات ادا ہو جائیں اور انسان کو کوئی زحمت نہ کرنا پڑے ۔

اس کاروبار کا آسان طریقہ وہ تجارتی اوراق ہیں جنہیں بینک ان کاموں کے لئے استعمال کرتا ہے ۔ ان کاغذات کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اگر کوئی عراقی امپورٹر ہندستانی اکسپورٹر کا مقروض ہو گیا ہے اور وہ اپنے آنے والی جنس کی قیمت ادا کرنا چاہتا ہے تو اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ ہندستانی سکے فراہم کرے ۔ بلکہ بینک کے چک کے ذریعے اپنے قرض کو ادا کر سکتا ہے ۔ عراقی بینک ہندستانی بینک کے نام چک لکھ دے گا اور تاجر اسے اپنی پارٹی کے نام ہندستان بھیج دے گا ۔

یا اگر کسی عراقی کا کوئی قرض کسی ہندستانی کے اوپر ہے اور اس نے ہندستانی تاجر سے ہندستانی بینک کا چک حاصل کر لیا ہے ۔ تو پہلا تاجر اس چک کو عراقی تاجر سے خرید کر اپنے فریق کو ہندستان بھیجدیگا ۔ اور وہ اسے ہندستانی بینک سے کیش کر لے گا ۔

دونوں صورتوں میں نقد رقم کے تبادلے کا کوئی سوال نہیں ہے ۔ سوال صرف یہ ہے کہ اس کاروبار کی فقہی توجیہہ کیا ہوگی ۔؟

پہلی صورت کی توجیہہ دو حوالوں کی بنا پر کی جا سکتی ہے ۔

پہلا حوالہ عراقی امپورٹر نے ہندستانی آدمی عراقی بینک کے نام دیا ہے ۔ اور اس کے ذریعہ ہندستانی آدمی عراقی بینک کے ذمہ اپنی جنس کی قیمت کا حقدار ہو گیا ہے ۔

اس کے بعد دوسرا حوالہ عراقی بینک نے اپنے فریق ہندوستانی بینک کو دیا ہے تاکہ ہندوستانی آدمی اپنی رقم وہاں سے وصول کر لے ۔ اور یہ دونوں حوالے صحیح ہیں ۔ ان میں کوئی شرعی اشکال نہیں ہے ۔

دوسری صورت کی توجیہہ ایک حوالہ اور ایک خریداری کی بنا پر ہوگی ۔ حوالہ کی شکل یہ ہے کہ عراقی امپورٹر نے عراقی اکسپورٹر سے وہ قرض خرید لیا جو ہندستانی تاجر کے ذمہ ہے اور خود ہندوستانی تاجر کے ذمے ایک قرض کا مالک ہو گیا ۔ اس کے بعد یہ عراقی تاجر اپنے قرضدار ہندوستانی تاجر کو اس دوسرے ہندوستانی اکسپورٹر کے حوالے کرتا ہے جس کے ذمہ پہلی خریداری کی بنا پر عراقی تاجر کی رقم آچکی ہے ۔

اس طریقہ سے یہ خریداری بھی صحیح ہے اور حوالہ بھی ۔ اور بینک کی اس ترقی میں کوئی شرعی اشکال نہیں رہ جاتا ۔

رہ گئے وہ معاملات جنہیں بینک اس سلسلے میں انجام دیتا ہے ۔ تو ان کی بالتفصیل بحث ضروری ہے ۔ اس بحث میں خارجی صرافی کا جائزہ لیتے ہوئے اور وسائل ادائگی بڑھتی ہوئی رفتار کو دیکھتے ہوئے یہ فرض کرنا ہوگا کہ صرافی کا کاروبار حکومتی نوٹوں سے متعلق ہے ۔ اس کے بعد اصل سکوں کی بحث کی جائے گی ۔ اور باقی سکوں کا شرعی حکم دریافت کیا جائیگا ۔

غیر ملکی سکوں کی تجارت

آج کل بینک غیر ملکی سکوں کی خرید و فروخت پر خاصی توجہ دیتے ہیں اس طرح ان کے پاس اپنے متعلقین کی ضرورت کیلئے فارن ایکسچینج بھی جمع ہو جاتا ہے ، اور ان حالات میں فائدہ بھی ہو جاتا ہے جہاں فروخت کی قمت خرید کی قیمت سے زیادہ ہو ۔ یا برابر ہی ہو ۔ اس لئے کہ اس طرح بینک کو بغیر کسی نقصان کے خریداری کے مواقع ملتے رہتے ہیں ۔

یہی وجہ ہے کہ بینک والے باہر سے آنے والے سیاحوں۔ اور ملک کے واپس آنے والے اہل وطن سے سارے باہر کے سکے خرید لیتے ہیں۔

باہر کے سکوں کا ملکی سکوں کے عوض خرید نے کا طریقہ یہ ہے کہ جس مقدار میں سکے خریدنا چاہتا ہے ان کی رسمی قیمت دریافت کر کے اسے اپنے مقامی سکے میں تبدیل کرے۔

خرید و فروخت کا یہ معاملہ شرعی طور پر جائز ہے چاہے نقد ہو یا مدت معین ہو۔ اس لئے کہ بینک دونوں قسم کے کاروبار کرتے ہیں۔ اور کبھی کبھی پارٹی سے یہی معاہدہ ہوتا ہے کہ غیر ملکی سکوں کی خرید و فروخت کی جائے لیکن اس میں مدت مقرر کی جائے۔ اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب بینک کا کوئی کھاتہ دار باہر سے کوئی مال منگاتا ہے اور اس کی قیمت میں ایک ماہ کی مدت ہوتی ہے۔ اور شرط یہ ہوتی ہے کہ قیمت کو اکسپورٹ کرنے والے کے ملک کے سکوں میں ادا ہونا چاہیئے۔ اور خریدار کو یہ خطرہ ہوتا ہے کہ شاید ایک ماہ کے اندر سکوں کا بازار بدل جائے۔ اور مجھے آج کے ایک ہزار کے بجائے کچھ زیادہ دینا پڑے تو وہ اپنے بینک سے یہ درخواست کرتا ہے کہ وہ مرکزی بینک سے بقدر ضرورت اس ملک کا سکہ خرید لے۔ اور قیمت کی ادائیگی میں ایک ماہ کی مہلت لے لے۔ تاکہ اس کے بعد بازار کا بھاؤ بدل بھی جائے تو آنے والے مال کی قیمت ادا کرنے میں ہزار سے زیادہ نہ دینا پڑے۔

یہ عمل شرعی اعتبار سے جائز ہے لیکن اس کی شرط یہ ہے کہ جس قیمت سے باہری سکے ایک ماہ کی مہلت پر خریدے گئے ہیں۔ وہ قیمت ادھار نہ ہو ورنہ اگر قیمت بھی ادھار ہے تو یہ قرض سے قرض کی تجارت ہو جائے گی جو شرعی اعتبار سے باطل ہے۔ خریدار کو قیمت دیر میں دینا ہے تو صیغۂ عقد میں اس کا معاہدہ نہ کرے۔ بلکہ خرید و فروخت تمام ہونے کے بعد الگ سے مہلت لے لے ورنہ معاملہ مشکل ہو جائیگا۔

بینک کے صادر ہونیوالے حوالے۔ جس طرح کھاتہ دار اپنے قرضخواہ کو چک ایشو کر کے بینک کے حوالے کر دیتا ہے یا بینک کو تحریری حکم بھیج دیتا ہے کہ اتنی مقدار میں رقم فلاں مقام پر میرے قرضخواہ تک پہونچا دی جائے۔ اسی طرح خود بینک بھی یہ عمل انجام دے سکتا ہے۔

بلکہ بینک کے اس طریقۂ کار کو ادائیگی کا محفوظ ترین طریقہ فرض کیا گیا ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ اگر امپورٹ کرنے والا تاجر غیر ملک کے اکسپورٹر کا مقروض ہو جائے تو اس کو چاہیے کہ وہ بینک سے گذارش کرے اور بینک اس اکسپورٹر کو دوسرے مقام پر اپنی کسی شاخ یا متعلق بینک کا حوالہ دیدے۔ تاکہ وہ وہیں سے رقم وصول کرے۔

ظاہر ہے کہ اس کام کیلئے بینک کو دوسری شاخ یا دوسرے بینک میں حساب رکھنا پڑے گا اور حوالہ کی قیمت اسی حساب میں سے کٹتی رہے گی جس کے بعد "صاحب معاملہ" بینک کو اپنے شہر کے سکوں میں حوالہ کی قیمت ادا کریگا۔ چاہے نقد کی صورت میں ہو۔ یا اپنے حساب میں کھولے اور بینک تحویل کا کمیشن یلیلے گا۔

بینک کی یہ تحویل شرعی اعتبار سے صحیح ہے اور اس کی گذشتہ چار میں سے کوئی بھی تفسیر کی جاسکتی ہے۔

صرف داخلی اور خارجی حوالہ کا ایک فرق ملحوظ رکھنا پڑے گا۔ اور وہ یہ کہ داخلی تحویل میں جو قیمت تحویل کا حکم دینے والے کھاتہ دار کے پاس بینک میں ہے۔ اور جو قیمت بینک تحویل کے بعد ادا کرنا چاہتا ہے دونوں ملکی سکے میں ہیں۔ اور غیر ملکی تحویل میں ایسا نہیں ہے۔ یہاں کھاتہ دار کا حساب بینک میں ملکی سکے میں ہے۔ اور بینک کو ملک کے باہر تحویل کے مطابق غیر ملکی سکوں میں قیمت ادا کرنا ہے۔

اس لئے اگر تحویل کی یہ تفسیر کی جائے کہ گویا بینک اپنے کھاتہ دار کا قرض ادا کر کے اپنے قرض سے سبکدوش ہونا چاہتا ہے تو غیر جنس میں ادائیگی ہوگی جس کے جواز کیلئے قرض خواہ کی اجازت لازم ہوگی۔

اور اگر اس کی تفسیر کی جائے کہ کھاتہ دار نے اپنے قرضخواہ کو بینک کا حوالہ دیدیا ہے تو یہ بری الذمہ کا حوالہ ہوگا۔ اس لئے کہ بینک کے ذمے خارجی سکوں میں کچھ نہیں ہے۔ وہ ملکی سکوں کا ذمہ دار ہے نہ کہ خارجی سکوں کا۔

البتہ اس حوالے کو مقروض کے نام بھی حوالہ بنایا جاسکتا ہے۔ اور اس کی شکل یہ ہوگی کہ پہلے ایک خرید و فروخت کی جائے جس میں تحویل کا طلب گار "کھاتہ دار" بینک کے ذمے داخلی سکوں کے ذریعے خارجی سکے خریدے اور جب بینک خارجی سکوں کا مشغول الذمہ ہوجائے اور اسے اپنا مقروض بنائے تب اپنے قرضخواہ کو حوالہ دیدے۔

خرید و فرخت سے بینک خارجی سکوں کا مقروض بنے گا۔ اور حوالہ مقروض کے نام حوالہ ہوجائے گا جس کی ادائیگی ضروری ہوگی۔

تحویل کی ایک تفسیر یہ بھی ممکن ہے کہ بینک دوسرے ملک کے بینک میں رہنے والے اپنے غیر ملکی سکوں کو اپنے کھاتہ دار کے ہاتھ ملکی سکوں میں بقدر قیمت دضرورت فروخت کردے اور جب کھاتہ دار غیر ملکی بینک پر اپنا حق پیدا کرلے تو اپنے قرضخواہ کو براہ راست اس بینک کے حوالے کردے کہ اس طرح اپنے بینک کی طرف سے غیر ملکی بینک کے ذمہ پڑے ہوئے سکوں کی تجارت ہوگی۔ اور خود اپنی طرف سے ان

ملکوں کا حوالہ ہو گا۔

حوالہ کی یہ تمام قسمیں صحیح اور جائز ہیں اور ان پر اجرت لینا بھی جائز ہے۔ اس کے وجوہ داخلی حوالے کی بحث میں بیان کئے جا چکے ہیں۔

یہاں صرف ایک نکتہ کا اضافہ کیا جا سکتا ہے اور وہ یہ کہ اگر تحویل کی تفسیر یہ ہے کہ بینک نے دوسرے بینک پر اپنے قرضہ کو بیچا ہے اور کھاتہ دار نے اسی قرضہ کا حوالہ دیا ہے تو بینک کے امکان میں ابتدا ہی سے یہ ہے کہ وہ باہری سکوں کو بیچتے وقت ہی اپنے کمیشن کو قیمت کا جزء بنائے اور الگ سے کمیشن کا کوئی مسئلہ ہی نہ رہ جائے۔

بینک میں آنیوالے حوالے

کسی بینک کی شاخ یا متعلقہ بینک میں وارد ہونے والے حوالوں کو اس نگاہ سے دیکھا جائے کہ اس نے اپنے کھاتہ دار کی خواہش کے مطابق حوالہ کو لے لیا ہے تو صادر ہونے والے اور وارد ہونے والے حوالوں میں کوئی فرق نہ رہ جائے گا۔ بلکہ جب بھی یہ حوالے کسی شاخ یا متعلقہ بینک میں وارد ہوں گے وہ بینک تحویل کی قیمت نقد مستفید کو دیدیگا یا اس کے حساب میں درج کر دے گا۔ یا دوسرے بینک کی طرف منتقل کرے گا۔ جیسی اس کی خواہش ہو گی بینک اسی کے مطابق عمل کرے گا۔ اور یہ عمل شرعاً جائز بھی ہوگا۔ بشرطیکہ حوالے کی شرعی صورت برقرار رہے۔ اور مالک اکسپورٹ کرنے والا جس بینک کو حوالہ بھیج رہا ہے اسے بمحض قبولیت حوالہ اپنا مقروض بنالے۔ تاکہ اس قرض کی روشنی میں حوالہ کرنے کا امکان رہے۔ ورنہ اگر حوالہ صرف ایک حکم ہے کہ اس قدر رقم دیدی جائے تو اس حکم سے اکسپورٹ کرنے والا متعلقہ بینک کے ذمہ حوالہ کی قیمت کا مالک نہیں بن سکتا جب تک وہ خود قیمت پر قبضہ نہ کرلے۔ یا کوئی دوسرا شخص اپنے قبضہ میں کرلے یا خود بینک ہی نیابۃً قبضہ کرلے۔ اس کے بغیر اکسپورٹر کو کوئی حق نہیں ہے کہ بینک میں کسی کے حساب میں درج کرتے یا دوسرے حساب میں منتقل کرنے کا حکم دے سکے۔

بینک کے چک

جسطرح کرنٹ اکاؤنٹ کرنے والے بینک کے نام چک کاٹ دیا کرتے ہیں اسی طرح کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ خود بینک اپنے متعلقہ دوسرے شہر کے بینک کے نام اپنے کھاتہ دار کے لئے چک کاٹ دیتا ہے۔ اور کھاتہ دار اس چک کو لے کر دوسرے بینک کے پاس جاتا ہے اور مذکورہ رقم وصول کرلیتا ہے جس کے بعد متعلقہ بینک چک کاٹنے والے بینک کے حساب سے اتنی رقم وضع کر دیتا ہے۔

اس چک سے استفادہ کرنے والے کھاتہ دار کی دو قسمیں ہیں۔ کبھی اتنی مقدار میں رقم داخلی بینک میں موجود

ہوتی ہے۔ اور کبھی بینک چک کاٹ دیتا ہے اور کھاتہ دار کی اس مقدار میں رقم بینک میں نہیں ہوتی۔
پہلی صورت میں اس معاملہ کی فقہی توجیہہ حسب ذیل طریقوں سے ہوسکتی ہے۔

۱۔ چک کاٹنے والے بینک نے اپنے قرضخواہ کھاتہ دار کو دوسرے بینک کی طرف حوالہ کردیا ہے کہ وہ اس بینک سے اپنے قرض کو وصول کرلے۔

یہ معاملہ شرعاً صحیح ہے۔ نقص صرف یہ ہے کہ قرض دوسرے سکے میں ادا کیا جارہا ہے۔ لیکن اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ صاحب قرض خود ہی راضی ہے۔

۲۔ مثل سابق چک کاٹنے والا اپنے قرضخواہ کو ادائے قرض کیلئے دوسرے بینک کی طرف حوالہ کررہا ہے۔
لیکن یہ دوسرے سکے میں قرض کی ادائیگی نہیں ہے۔ اس لئے کہ بینک اور قرضخواہ نے پہلے ہی داخلی اور خارجی سکوں کی خرید و فروخت کرلی ہے۔ بینک نے داخلی سکوں کے عوض خارجی بینک میں اپنے خارجی سکہ کو بیچ دیا ہے اور کھاتہ دار نے خرید لیا ہے۔ اس معاملہ میں تو پہلا جیسا اشکال بھی نہیں ہے۔

۳۔ بینک اپنے اس قرض کو جو خارجی بینک کے ذمہ ہے۔ اسی مقدار میں داخلی سکے کے عوض اپنے کھاتہ دار قرض خواہ کے ہاتھ بیچ رہا ہے اور وہ اس قرض کو خرید رہا ہے۔ یعنی معاملہ صرف ایک خرید و فروخت پر تمام ہورہا ہے۔ اور حوالہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

دوسری صورت میں معاملہ کی فقہی صورت حال یہ ہے کہ چک مقامی بینک کی طرف سے خارجی بینک کے نام ایک حکم ہے کہ حامل چک کو چک کے اماؤنٹ کے برابر رقم بطور قرض دیدی جائے۔ میں اس قرض کی ادائیگی کا ضامن ہوں۔

یا یہ کہ صاحب چک کو میرے حساب میں سے بطور قرض بقدر چک رقم دیدی جائے۔
یا یہ کہ چک لکھنے والا خارجی بینک میں جمع شدہ اپنے قرضہ کو حامل چک کے نام بقدر چک رقم کے عوض فروخت کررہا ہے۔ اور وہ مقامی سکوں کے عوض خارجی سکہ خرید رہا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ رقم نقد ادا نہیں کی جارہی ہے۔

اس مسئلہ کی صورت حال یہ ہے کہ اگر قیمت کا موجل ہونا اصل معاملہ میں طے ہوا ہے تو معاملہ باطل ہے اس لئے کہ قرض کے عوض قرض کی فروخت ہے جو اسلام میں باطل ہے۔
اگر معاملہ سیدھا سادھا ہوا ہے لیکن الگ سے یہ طے ہوگیا ہے کہ قیمت کی ادائیگی میں تاخیر ہوگی تو کوئی حرج نہیں ہے۔

بہرحال معاملہ کی تمام صورتیں شرعی اعتبار سے صحیح ہیں اور ان پر اجرت لینا بھی جائز ہے۔ اجرت کی

کی تفسیر مختلف وجوہ سے کی جاسکتی ہے جن کی طرف اشارہ کیا جاچکا ہے۔

شخصی اعتماد کے خطوط

ان خطوط سے مراد وہ تحریریں ہیں جو بینک اپنے کھاتہ داروں کو اس انداز سے دیا کرتا ہے کہ وہ ان تمام متعلقہ بینکوں سے رقم وصول کر سکتے ہیں۔ جن کے نام تحریر کی پشت پر درج ہیں ۔ عام طور سے بینک وہ پوری رقم تحریر لکھتے وقت ہی وصول کر لیتے ہیں۔ اور اس خدمت پر اپنا کمیشن بھی لے لیا کرتے ہیں۔

فقہی اعتبار سے تحریر حاصل کرنیوالا اگر بینک میں اپنا حساب رکھتا ہے یا تحریر حاصل کرتے وقت اتنی مقدار میں جمع کر دیتا ہے تو اس معاملہ کی دو تفسیریں ممکن ہیں۔

۱۔ اس تحریر کو استفادہ کرنے والے کے نام بینک کی طرف سے وکالت نامہ فرض کیا جائے کہ وہ بینک کے ذمہ اپنے قرضہ کو مذکورہ بینکوں میں سے کسی بینک سے بھی وصول کر سکتا ہے۔ اس میں صرف دوسری جنس میں ادائیگی کا نقص رہے گا جو صاحب معاملہ کی رضامندی سے برطرف ہو جائے گا۔

۲۔ اس تحریر نے "حامل تحریر" کو یہ اختیار دیدیا ہے کہ وہ جب چاہے بینک پر اپنے قرضہ کو داخلی سکے سے خارجی سکے کی طرف منتقل کر سکتا ہے۔ یا صاحب تحریر کو بینک نے مذکورہ بینکوں کا حوالہ دیدیا ہے اور اس نے اس حوالے کو قبول کر لیا ہے۔

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ "اعتمادی" حاصل کرنے والے کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ تحریر صرف خارجی سکے میں ہو۔ تاکہ وہ ان کی موجودہ قیمت بینک کو ادا کر کے فرصت پا جائے۔ اور خارجی سکوں کی قیمت بڑھ جانے کا خطرہ نہ رہے۔

اس خواہش کی فقہی تفسیر یہ ہے کہ ایک خرید و فروخت ہے جس میں بینک نے مقامی سکوں کے عوض خارجی سکے فروخت کئے ہیں اور صاحب تحریر کو یہ اختیار دیدیا ہے کہ وہ اپنے خریدے ہوئے سکوں کو بینک کے متعلق کسی بھی بینک سے وصول کر سکتا ہے۔

بینک کو اس کاروبار پر اجرت لینے کا مکمل اختیار ہے اور اس کی حسب ذیل توجیہیں ممکن ہیں۔

۱۔ اگر بینک پہلے سے تحریر حاصل کرنے والے کا مقروض ہے۔ تو اجرت کا تعلق غیر مقام پر قرض ادا کرنے سے ہے جو کسی بھی مقروض کی ذمہ داری نہیں ہے۔

۲۔ اگر صاحب تحریر کا کوئی حساب بینک میں نہیں ہے اور بینک بقدر تحریر رقم قرض دلوانا چاہتا ہے تو اس قرض کی قیمت اسی وقت مکمل ہوگی جب غیر ملک میں رقم وصول کر لی جائے گی۔ اس لئے کہ شریعت

میں قبضہ کے بغیر قرض تمام نہیں ہوتا۔ اور قبضہ کرنے کے بعد قبضہ کرنے والا بینک کا مقروض ہو جائیگا۔ اور بینک کو اختیار ہے کہ وہ ادائیگی قرض کا اسی مقام پر مطالبہ کرے جہاں قرض لیا گیا ہے کہ اصولی بات ہے۔ اور قرض لینے والے کے بس کی بات نہیں ہے کہ وہ ملک کے باہر قرض ادا کر سکے اس لئے وہ بینک سے اس سہولت کا طلبگار ہوگا کہ ملک کے اندر قرض ادا کرے اور بینک کو اختیار ہوگا کہ اس چھوٹ دینے کے عوض اس سے کمیشن وصول کرے۔

یا دوسرے انداز سے یہ کہا جائے کہ تحریر سے استفادہ کرنے والا غیر ملکی سکوں کا مقروض ہے اور ملکی سکوں میں ادائیگی کرنا چاہتا ہے یعنی ادائیگی غیر جنس میں ہو رہی ہے۔

اور اس کا قبول کرنا کسی بھی صاحب قرض پر واجب نہیں ہے لہذا وہ اس رعایت کا کمیشن لے سکتا ہے۔

۳۔ اگر اس تحریر کی توجیہ کی جائے کہ بینک نے حامل تحریر کو یہ اختیار دیا ہے کہ وہ داخلی سکے دیکر خارجی سکے خرید لے اور اس نے خریداری کی بنا پر باہر وصول کیا ہے تو بینک کو اس اختیار دینے کا کمیشن لینے کا حق ہے۔

مختصر یہ کہ بینک کے لئے کمیشن لینا شرعاً جائز ہے اور اس جواز کی متعدد توجیہیں کی جا سکتی ہیں۔

مختلف سکوں کی تجارت

ابتک خارجی تجارت، مصرفی ادائیگی کے وسائل اور خارجی سکوں کی خرید و فروخت کے مسائل پر سکے کو کاغذ فرض کر کے بحث کی جا رہی تھی۔ اب دوسرے انداز کے سکوں کی تجارت پر گفتگو کی جائے گی ضد کہ

اسلام میں سکوں کی مختلف قسموں کے درمیان تجارت کے احکام بھی مختلف حیثیت رکھتے ہیں۔

اسلام میں سکوں کی خرید و فروخت پر بحث کرنے سے پہلے سکوں کی چار قسمیں کرنا پڑیں گی۔

۱۔ سونے چاندی کے معدنی سکے۔

۲۔ وہ کاغذی سکے جو صادر کرنے والے شعبہ کے بینک میں موجود سونے کی نمائندگی کرتے ہیں۔

۳۔ وہ کاغذی سکے جن کے پیچھے بینک میں سونا ہو یا نہ ہو۔ لیکن انہیں صادر کرنے والا شعبہ اس بات کا ذمہ دار ہوتا ہے کہ وقت طلب اتنی قیمت کا سونا دے سکتا ہے۔

۴۔ وہ کاغذی سکے جن کی ضمانت کا قانون ختم ہو چکا ہے اب ان کے عوض سونا ملنے کا کوئی ذمہ دار نہیں ہے۔

قسم اوّل معدنی سکّے

پہلی قسم کے معدنی سکّے۔ شرعی اعتبار سے قوانین کے تحت سونے

چاندی کے سکوں کی خروخت کے احکام میں داخل ہیں اور ان سکوں کی خرید وفروخت کی صحت کیلئے فقہاء کے نزدیک دو شرطیں ہیں۔

۱۔ طرفین میں جنس اور قیمت کی مقدار برابر ہونی چاہئے۔ کہ اگر سونے کے مقابلہ میں سونے کا سکہ۔ یا چاندی کے مقابلہ میں چاندی کا سکہ رکھا گیا ہے۔ اور مقدار میں فرق آگیا۔ تو یہ سود ہے اور قطعی حرام ہے۔ البتہ سونے کے مقابلہ میں چاندی ہو یا چاندی کے مقابلہ میں سونا ہو تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

۲۔ معاملہ کے تمام مراحل اسی وقت تمام ہوجائیں۔ خریدار قیمت دیدے اور فروخت کرنے والا جنس تحویل کردے۔ ورنہ اس تحویل سے پہلے اگر فریقین مجلس عقد سے منتشر ہوگئے تو معاملہ باطل ہوجائیگا۔

اس شرط میں علماء نے یہ عمومیت رکھی ہے کہ یہ ہمجنس سکوں کی تجارت میں بھی لازم ہے اور سونے کو چاندی یا چاندی کو سونے کے عوض فروخت کرنے میں بھی ضروری ہے۔ لیکن میری رائے یہ ہے کہ یہ صرف مختلف جنسوں کی تجارت کا قانون ہے۔ ہمجنس سکوں کی تجارت میں اس قانون کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اور مجلس عقد کے منتشر ہونے کے بعد قبض کر لیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے بلکہ معاملہ صحیح ہو جائیگا۔

اس لئے کہ جن روایات میں مجلس عقد میں باہمی قبض کی شرط کی گئی ہے ان کا موضوع بیع درہم بہ دینار ہے۔ درہم بہ درہم یا دینار بہ دینار۔ کے بارے میں کوئی روایت نہیں ہے۔ اس لئے عمومی قانون کی بناء پر مجلس عقد میں قبض لازم نہیں ہونا چاہئے۔

اگر کوئی شخص یہ تصور کرے کہ جب سونے کے چاندی سے بیچنے میں قبض شرط ہے تو سونے کے سونے سے بیچنے میں بطریق اولیٰ شرط ہونا چاہئے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ فرق بہر حال موجود ہے۔ سونے کے سونے سے بیچنے میں زیادتی اور کمی کا کوئی احتمال نہیں ہے۔ اس کا مسئلہ پہلی شرط میں طے ہوچکا ہے۔ لیکن سونے کے چاندی سے بیچنے میں یہ احتمال بھی ہے۔ اب اگر یہ شرط نہیں کی گئی اور مجلس عقد برہم ہوگئی تو یہ بھی ایک امکان ہے کہ ایک فریق دوسرے فریق سے قیمت کے موجل ہونے کا مطالبہ کرے۔ اور وہ اس مدت کیلئے کچھ زیادتی کردے اور صاحب شریعت کا منشأ یہ ہے کہ اس معاملہ میں اس قسم کی کوئی حرکت نہ ہونے پائے۔ اس لئے یہ پابندی عائد کردی گئی ہے کہ مجلس عقد ہی میں باہمی قبضہ ہوجائے۔ اور یہ جھگڑا نہ رہ جائے۔

البتہ بعض روایات سے یہ ضرور استفادہ ہوتا ہے کہ ہم جنس سکوں کی تجارت میں نقد اور نسیہ کا معاملہ نہیں ہونا چاہئے۔ جیسا کہ تلواروں کی تجارت میں یہ کہا گیا ہے کہ بقدر چاندی۔ چاندی نقد ہونا چاہئے چاہے باقی ادھار ہی رہے۔ لیکن ان روایات سے نقد و نسیہ کے علاوہ کسی مسئلہ کا استفادہ نہیں ہوتا۔

اور نقد و نسیہ کی بحث مجلس عقد میں باہمی قبض سے قطعی مختلف ہے جیسا کہ فقہی کتابوں سے معلوم ہو سکتا ہے (مولف)

قسم دوم - سونے کے نمائندہ کاغذات

اگر طرفین معاملہ سونے کے نمائندہ سکے اور اور کاغذات ہیں ۔ جن کے مقابلہ کا سونا بینک میں موجود ہے تو یہاں صرف ایک شرط ہے کہ جس سونے کی نمائندگی یہ سکہ کر رہا ہے اس کی مقدار اس سونے کی مقدار سے کم یا زیادہ نہ ہو جس کی نمائندگی دوسرا کاغذ کر رہا ہے۔

اس کے علاوہ مجلس عقد میں باہمی قبض شرط نہیں ہے اس لئے کہ یہ کاغذات سونے کی نمائندگی کرتے ہیں۔

اور سونے کی سونے سے تجارت میں باہمی شرط نہیں ہے ۔

یہ اور بات ہے کہ خود مساوات کی شرط بھی کسی قیامت سے کم نہیں ہے ۔ ان کاغذات کی قیمت مختلف عوامل اور اسباب کے زیر اثر بدلتی رہتی ہے ۔ اور مساوات کی شرط ہر وقت ایک نئی مصیبت کا پیش خیمہ بنے گی ۔

غنیمت یہ ہے کہ اس قسم کے سکوں کا کوئی وجود آجکل کی دنیا میں نہیں ہے ۔

قسم سوم - کاغذ کے التزامی سکے

وہ سکے جن کے بارے میں صادر کرنے والی جہت کا یہ التزام ہوتا ہے کہ وقت طلب اتنی قیمت کا سونا دیا جا سکتا ہے ۔ ان کی تفسیر دو وجہوں سے کی جا سکتی ہے ۔

۱ ۔ جہتِ صدور کا عند الطلب بقدر قیمت سونا ادا کرنے کا مستقل التزام ۔ ایک ضمانت ہو جس کی وجہ کاغذ کی سماجی مالیاتی قیمت پیدا ہو جائے ۔ اور جہت صدور پر اعتماد کی بنا پر اس پر بھروسہ کرنے لگیں ۔

۲ ۔ جہت صدور کے التزام کا مقصد یہ ہو کہ اس نے اتنی مقدار میں سونے کا اپنے کو مشغول الذمہ فرض کر لیا ہے ۔ اور کاغذ کا سکہ با ارزش ہونے کے بجائے اس جہت کے مقروض ہونے کی سند بن گیا ہے ۔

ان دونوں تفسیروں کا فرق نہایت واضح ہے ۔

پہلی تفسیر کی بنا پر جب سکہ رائج کرنے والا شعبہ نوٹ جاری کرتا ہے اور یہ ذمہ داری لیتا ہے کہ وقت طلب اس کے مقابلہ میں سونا دیا جائیگا تو اس نوٹ کو جنس کی قیمت کے طور پر دیا جائے یا خدمت کے مقابلہ میں دیا جائے ۔ گویا اس کے مقابلہ میں سونے کی ذمہ داری دیدی گئی ہے ۔ اور اسے سند بنا دیا گیا ہے ۔

اب یہ شعبہ جنس بیچنے والے یا خدمت کرنے والے کیلئے سونے کا مقروض ہے اور جب یہ بیچنے والا اس نوٹ سے کوئی شے خریدے گا تو خریداری نوٹ سے نہیں ہوگی ۔ بلکہ اس کی غرض سونے سے ہوگی

جو شعبہ کے ذمہ ثابت ہو چکا ہے اور نوٹ اس کے لئے ایک سند کی حیثیت رکھتا ہے اور اس نوٹ کی واقعی نوعیت دیگر سندی کاغذات سے مختلف نہیں ہے۔ بلکہ یہ بھی ایک قسم کا سندی کاغذ ہے۔ لیکن دوسری تفسیر کی بنا پر ایسا نہیں ہے۔ وہاں شعبۂ اصدار جب قیمت کے طور پر یا خدمت کے صلہ میں یہ نوٹ دیتا ہے تو گویا جنس کی قیمت یا خدمت کا حق اسی نوٹ سے ادا کرتا ہے۔ نوٹ کے علاوہ اپنے ذمہ کسی قرضہ کا التزام نہیں کرتا۔ نوٹ کی قیمت صرف اس اعتبار سے پیدا ہو گئی ہے کہ لوگ "شعبۂ اصدار" پر اعتماد کرتے ہیں اور اس نے سونا دینے کا وعدہ کیا ہے۔

کھلی ہوئی بات ہے کہ حکم شریعت بھی دونوں تفسیروں کی بنا پر جدا گانہ ہو گا۔

پہلی تفسیر کی بنا پر نوٹ سے معاملہ اس سونے سے معاملہ ہے جو بینک کے ذمہ بطور قرض محفوظ ہے۔ اور سونے سے معاملہ کیلئے جنس و قیمت کی مساوات ضروری ہے اس لیے جب بھی بینک کے نوٹ سے دوسرا سکہ خریدا جائیگا جس کی قیمت زیادہ یا کم ہے تو معاملہ باطل ہو جائیگا۔ اور بازاری قیمت کے اتار چڑھاؤ کی بنا پر سکوں کی معاملت تقریباً ناممکن ہو جائے گی۔

لیکن دوسری تفسیر کی بنا پر ایسا نہیں ہے۔ وہاں معاملہ کاغذ سے ہوتا ہے۔ سونے سے نہیں۔ اس لیے کمی یا زیادتی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اور "التزامی کاغذات" کی طرح ان نوٹوں سے بھی معاملہ کیا جا سکتا ہے۔

شواہد و علامات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نوٹ کی حیثیت دوسری تفسیر کی بنا پر زیادہ صحیح اور واضح ہے۔ پہلی تفسیر درست نہیں ہے اور اس کا راز یہ ہے کہ پہلی تفسیر کی بنا پر یہ بینک کے قرضے کی ضمانت ہے اور کھلی ہوئی بات ہے کہ سند کے گم ہو جانے یا درجۂ اعتبار سے ساقط ہو جانے سے اصل قرضہ ساقط نہیں ہوتا۔ حالانکہ دنیا جانتی ہے کہ اگر نوٹ پارہ پارہ ہو جائے یا حکومت اس کے اعتبار کو ساقط کر دے اور حامل نوٹ فوراً نئے نوٹ سے تبدیل نہ کرائے تو شعبۂ صدور کسی قسم کی ذمہ داری نہیں لیتا اور وہ سونے کے ادا کرنے کا ذمہ دار نہیں ہوتا۔

دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ شعبۂ نوٹ کے مالک کو سونا دینے کا ذمہ لیا ہے۔ نوٹ نے اپنے مالک کو سونے کا حقدار نہیں بنایا۔ اس لیے جب تک وہ التزام باقی رہے گا سونا بھی ملے گا اور جب وہ التزام ختم ہو جائیگا تو سونا بھی نہیں ملے گا چاہے کتنی ہی مقدار میں نوٹ کیوں نہ رکھے ہوں۔

اور یہی وجہ ہے کہ قانون ان نوٹوں کو دوسرے تجارتی اوراق چک پرونوٹ وغیرہ سے الگ رکھتا ہے اور انہیں نقد کی صفت دے کر ان کی ادائگی کو لازم قرار دیتا ہے اور باقی کاغذات کو صرف ایک سند کی منزل میں رکھتا ہے۔

بیکار سکے (DENOMINATED CURRENCY)

اگر حکومت نے نوٹ کے مقابلہ میں سونا دینے کا التزام ختم کر دیا ہے تو نوٹ کی قدر و قیمت کا تعلق سابق کی دونوں تفسیروں سے ہی ہوگا۔ اگر وہاں دوسری تفسیر قبول کی گئی ہے اور فرض کیا گیا ہے کہ نقدی اوراق کا حکم التزامی اوراق کا ہے تو دونوں قسموں کا حکم ایک ہو جائیگا اور سب حکم التزامی اوراق کا حکم ہوگا۔ جہاں سونے سے معاملت کے شرائط کی کوئی پابندی نہیں ہے اور کم و بیش پر بھی معاملہ ہو سکتا ہے۔

اور اگر وہاں پہلی تفسیر کو اختیار کیا گیا ہے اور ان اوراق سے معاملت کو سونے کی معاملت قرار دیا گیا ہے تو اس قسم کے حکم شرعی کی تحقیق کیلئے " الغاء قیمت " کے قانون پر نظر کرنا پڑے گی اور اس کی شرعی حیثیت پر بحث کی جائے گی۔

اگر الغاء قیمت کا مطلب یہ ہے کہ شعبۂ اصدار نے اپنے سونے کی ذمہ داری ختم کر دی ہے اور نقدی اوراق کو صرف ایک التزامی کاغذ بنا دیا ہے تو یہاں سونے کے معاملہ کا کوئی سوال ہی نہیں ہے اور اس کا تعلق کاغذات کی خرید و فروخت سے ہوگا جس کے احکام سابق میں چک، پرونوٹ وغیرہ کے ذیل میں بیان کئے جا چکے ہیں۔

اور اگر قانون الغاء قیمت (DENOMINATION) کا مقصد شعبۂ صدور کو اس ذمہ داری سے بری کر دینا ہے کہ اسے ملک کے اندرونی معاملات میں سونا ادا نہ کرنا پڑے۔ اور سونے کو محفوظ کر کے اسے بیرونی تجارتوں کی ادائیگی میں صرف کیا جائے۔ تو اس کے معنی یہ ہیں کہ نوٹ کی قیمت باقی ہے اور بینک سونے کا مقروض ہے۔ یہ اور بات ہے کہ فی الحال ادا نہیں کرنا چاہتا۔ یا صرف بیرونی معاملات میں ادا کرنا چاہتا ہے۔ اور اس صورت میں نوٹ کا اصلی حکم باقی رہے گا۔ الغاء قیمت کے قانون کا کوئی اثر نہ ہوگا۔

بینک کے اعمال کی دوسری قسم

قرض و سہولت

بینک اپنے سابقہ خدمات کے علاوہ کچھ سہولتیں بھی فراہم کرتا ہے اور کچھ قرض بھی دیتا ہے۔ بینک کی یہ سہولتیں اکثر مقامات پر خدمات میں مندرج ہو جاتی ہیں۔ لیکن ہمارا مقصد یہ ہے کہ سہولتوں کی بحث خدمات سے الگ کر کے کی جائے چاہے بعض مقامات پر دونوں متحد ہی کیوں نہ ہو جائیں۔ جیسا کہ سندی اعتبارات، ضمانتی تحریر۔ شخصی اعتماد کی تحریر وغیرہ کا حال ہے کہ انہیں بینک کے خدمات میں شمار کیا گیا ہے حالانکہ اگر ان کی مکمل رقم پہلے سے بینک میں موجود نہ ہو تو زائد مقدار کے اعتبار سے یہ سب بینک کی سہولت میں شمار کئے جائیں گے اور ان کا حساب قرضوں کا ہوگا جو بینک اپنے صاحبان حساب کو دیا کرتا ہے۔

بینک کی زبان میں مصرفی سہولت، کی اصطلاح قرض سے عام ہے۔ سہولت کے دائرے میں کفالت و ضمانت جیسی چیزیں بھی آجاتی ہیں جو کبھی قرض کی شکل اختیار کرتی ہیں۔ اور کبھی نہیں۔

ضمانت و کفالت کا جائزہ کبھی اس عنوان سے لیا جاتا ہے کہ اس کے ذریعہ ضمانت دار کی عزت و قیمت میں اضافہ ہو جاتا ہے چاہے اس میں کسی قرض دینے کا سوال نہ ہو۔ اور کبھی اسے اس عنوان سے دیکھا جاتا ہے کہ اس سہولت کے نتیجہ میں اس وقت قرض بھی دینا پڑتا ہے۔ جب بینک اپنے صاحب ضمانت انسان کی طرف سے رقم جمع کرنے پر مجبور ہو جائے۔

پہلے جائزہ کی بنا پر ضمانت و کفالت صرف ایک خدمت ہے جسکے بارے میں مفصل گفتگو کی جا چکی ہے اس پر جواز اجرت کا اعلان کیا جا چکا ہے لیکن دوسرے جائزے کی بنا پر ایسا نہیں ہے۔ یہاں ضمانت کا حکم قرض کا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ عام قرضے ابتدائی ہوتے ہیں۔ اور ضمانت ایک کام ہے جو کبھی کبھی قرضہ تک پہونچ جایا کرتا ہے۔

بینک کے قرضے عام طور سے تین قسم کے ہوتے ہیں۔ (۱) طویل مدت کے قرضے۔ (۲) اوسط مدت کے قرضے۔ (۳) مختصر مدت کے قرضے۔

بینک کے قرض کا کاروبار کبھی عمومی قرضوں کی طرح ہوتا ہے کہ پارٹی بینک سے قرض مانگتی ہے اور مطالبہ کے

مطابق ایک محدود مقدار میں نقد رقم لے لیتی ہے اور کبھی اعتماد کھولنے کی شکل میں ہوتا ہے کہ بینک ایک مخصوص مقدار رقم کو مقررہ مدت تک کیلئے اپنی پارٹی کے زیر تصرف قرار دیدیتا ہے کہ وہ جس وقت چاہے اس رقم کو برآمد کر سکتا ہے ۔ اعتماد کھولنے کی حقیقت مسلسل قرض دینے کے علاوہ کچھ نہیں ہے ۔

موجودہ بینک ان تمام قرضوں پر سود وصول کیا کرتے ہیں اور ان کا کاروبار سود کی بنا پر ہی چلا کرتا ہے ۔ لیکن ظاہر ہے کہ غیر سودی بینک کے لئے یہ بات ممکن نہیں ہے ۔ اس کا فرض ہے کہ اپنی عمومی سیاست کے تحت ان معاملات کی کوئی نئی شکل اختیار کرے ۔

اس نئی پالیسی کی چند صورتیں ہیں ۔

۱۔ بینک کے تمام قرضوں کو مضاربہ کی شکل میں تبدیل کر دیا جائے ۔ جہاں بینک عامل اور صاحب مال کے درمیان وساطت کا فرض انجام دے ۔

۲۔ قرضہ کو مضاربہ کی شکل میں تبدیل کرنا ممکن نہ ہو تو اسے قرض ہی باقی رہنے دیا جائے ۔

۳۔ قرض میں مقروض سے یہ شرط کرلی جائے کہ اسے قرض کی کتابت وغیرہ کیلئے اجرت دینا ہوگی اور اس کے علاوہ دیگر تمام فوائد چھوڑ دیئے جائیں ۔

۴۔ مقروض سے یہ شرط کرلی جائے کہ ادائیگی کے وقت فائدہ کی مقدار میں بینک کو طویل مدت کیلئے قرضہ دینا پڑے گا ۔

۵۔ فائدہ کی مقدار برابر بینک کو عطیہ دینے والوں کو پہلے درجے کی پارٹی قرار دیا جائے اور اس کے مطالبات کو دوسرے افراد پر مقدم رکھا جائے ۔

تجارتی کاغذات کیش کرانا

تجارتی اوراق کا کیش کرانا بھی ایک قسم کا قرض ہے ۔

جہاں ان اوراق سے فائدہ اٹھانیوالا مدت پوری ہونے سے پہلے بینک کے پاس آتا ہے اور اس سے مطالبہ کرتا ہے کہ اس کی رقم اسے دیدی جائے ۔ اور اس میں سے اتنی رقم کاٹ لی جائے جو اس وقت سے لے کر مدت پوری ہونے تک کے زمانے میں بطور سود ملنی چاہیئے ۔

اس کے علاوہ اپنا کمیشن حق الخدمت ۔ اور مدت پوری ہونے کے بعد کیش کرانے کے اخراجات بھی وضع کرلے اگر کاغذ دوسرے مقام پر کیش ہونیوالا ہے ۔

مدت پوری ہونے کے بعد بینک اس کاغذ کے لکھنے والے سے اس کی قیمت کا مطالبہ کرے گا ۔ اور ملنے والی قیمت بینک کی ملکیت ہو جائے گی اس لئے کہ استفادہ کرنے والے کو بینک اپنے پاس

سے دے چکا ہے۔ اب اگر صاحب کاغذ نے رقم دینے سے انکار کر دیا تو استفادہ کرنے والے کو رقم ادا کرنا پڑے گی اور بینک اسی سے اپنی رقم کا مطالبہ کرے گا۔ بلکہ اگر مدت پوری ہو جانے کے بعد بھی بینک کو مال نہیں ملا تو اسے حق ہے کہ وہ قرض کے سود کی عام قیمت کے اعتبار سے اس مدت کا سود بھی لے لے۔

کھلی ہوئی بات ہے کہ کاغذات کیش کرنے کا یہ کاروبار کاغذ لانے والے کو بینک کی طرف سے قرض دیئے جانے کے مترادف ہے اور اس مستفید کی طرف سے ایک حوالہ ہے جس میں "اپنے قرضخواہ بینک" کو "مقروض صاحب کاغذ کے حوالے کیا گیا ہے اور حوالہ مقروض کی طرف حوالہ ہے۔ بری الذمہ کی طرف نہیں ہے۔

قرض و تحویل کے علاوہ ایک کام اور بھی ہے۔ اور وہ یہ کہ کیش کرنے والے "مستفید" نے یہ عہد کیا ہے کہ اگر وقت پورا ہونے پر لکھنے والے نے اس کی رقم نہ دی تو میں رقم واپس کرنے کا ذمہ دار ہوں گا۔

ان عناصر کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قرض کی بنا پر مستفید ہونے والا اس رقم کا مالک ہو جاتا ہے جو بینک نے کاغذ کیش کرنے میں دی ہے۔ اور حوالہ کی بنا پر بینک حوالہ لکھنے والے کا قرضخواہ ہو جاتا ہے۔

اور مستفید کے عہد کی بنا پر بینک کا حق ہے کہ وہ صاحب کاغذ کے رقم نہ دینے کی صورت میں خود مستفید سے مطالبہ کرے۔ اور ورقہ نویس کے بینک کا مقروض ہو جانے کا اثر یہ ہے کہ بینک وقت مقرر سے ادائیگی میں تاخیر ہو جانے کی صورت میں فائدہ لینے کا حق رکھتا ہے۔

ایسے حالات میں کاغذات کو کیش کرنے والے بینک نے جو کمیشن اس مدت کے مقابلہ میں کاٹ لیا ہے جو ادا کرنے اور وصول ہونے کے درمیان کی ہے تو یہ سیدھے سیدھے قرض کا سود ہے جو بہر حال حرام ہے۔

ہاں خدمت کی اجرت میں کوئی مضائقہ نہیں ہے جس طرح کتابتِ قرض کی اجرت میں بھی کوئی مضائقہ نہیں تھا۔

رہ گیا کاغذ کے دوسرے دوسرے مقام پر کیش کرانے کا کمیشن۔ تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے اس لئے کہ بینک مستفید کو رقم دے کر اس کا قرض خواہ بن چکا ہے۔ اور قرضخواہ کا حق ہے کہ وہ اپنے قرض کا اسی مقام پر مطالبہ کرے جس جگہ قرض لیا گیا ہے۔ اب اگر مقروض اس جگہ ادا نہیں کر سکتا ہے تو اس سے دوسری جگہ وصول کرنے کی اجرت وصول کرنے کا حق ہے۔

اس اجرت کا تعلق اس شرط کے ساقط کرنے سے ہے جس کا انتظار ابتداء سے ہر قرضخواہ کو ہے۔

اب اگر ہم کاغذ کیش کرانے کے کاروبار میں ان عناصر کو نکالنا چاہیں جو اسلامی شریعت کے

خلاف ہیں تو خدمت اور دوسرے مقام پر رقم وصول کرنے کے کیشن کے علاوہ تمام اجرتیں باطل ہیں۔ سود اسلام میں کسی طرح حلال نہیں ہو سکتا۔ وہ حرام ہے اور حرام رہے گا۔

غیر سودی بینک میں اس کی جگہ۔ بقدر فائدہ طویل مدت کیلئے قرض اور عطیہ سے کام لیا جاتا ہے۔ یہ اور بات ہے یہ طریقہ بینک کے تحفظ کیلئے کافی نہیں ہے۔ اس لئے کہ اگر یہ شرط پرونوٹ کیش کرانے والے کے ساتھ ممکن بھی ہے تو پرونوٹ لکھنے والے کے ساتھ ممکن نہیں ہے جو بینک کا مقروض صرف اس لئے ہو گیا ہے کہ کیش کرانے والے نے ضمنی طور پر بینک کو اس کے حوالے کر دیا ہے۔ براہ راست بینک اور اس کے درمیان کوئی معاہدہ نہیں ہے تو اس کے ساتھ کوئی شرط کیونکر کر سکتا ہے؟

ضرورت ہے کہ شرعی طور پر کیش کرانے کے عمل کو کوئی رنگ دیا جائے جس میں شرط بھی ممکن ہو اور سود بھی نہ ہونے پائے۔

گذشتہ صفحات میں اس عمل کو تین عناصر سے مرکب مانا گیا تھا۔ قرض، حوالہ۔ اور عہد۔

جدید فکر کی روشنی میں یوں فرض کیا جائیگا کہ اس معاملہ میں ایک قرض ہے جسے پرونوٹ کو کیش کرانے والے نے بینک سے لیا ہے۔

ایک اس کی طرف سے وکالت جس میں بینک کو حق دیا گیا ہے کہ مدت پوری ہونے پر کاغذ لکھنے والے سے رقم وصول کر لے اور جس مقدار میں مستفید کو رقم دی ہے اصل قیمت میں سے وہ رقم کاٹ دے۔

اور بینک کا یہ ذاتی حق ہے کہ وہ قرض کی اس کتابت اور دوسرے معاملات کیلئے پرونوٹ کی قیمت میں سے اپنی اجرت لے لے۔

اس تفسیر کی بنا پر پرونوٹ لکھنے والا مستفید کا مقروض ہوگا۔ بینک کا مقروض نہ ہوگا۔ بینک کا حق مستفید کے ذمے ہوگا۔ اور مستفید نے اسے وقت پورا ہونے پر رقم وصول کرنے کا وکیل بنایا ہے۔ اب بینک کو یہ حق ہے کہ وہ مستفید سے یہ شرط کرے کہ اسے بقدر فائدہ رقم بطور قرض بینک کو دینا ہوگی۔ اور وہ رقم اپنے اختیار سے عطیہ کی شکل میں بدل جائے گی جیسا کہ سابق میں بیان کیا جا چکا ہے۔

پرونوٹ کی تجارت

اس مقام پر ایک فقہی رجحان یہ بھی ہے کہ پرونوٹ کے کیش کرانے کو تجارت کی شکل بھی دی جا سکتی ہے۔ اور وہ اس طرح کہ بینک کے پاس کاغذ کیش کرانے والے مستفید کے بارے میں یہ فرض کیا جائے کہ وہ کاغذ پر لکھے ہوئے سو روپیہ کے قرضہ کو ۹۵ روپیہ نقد پر بیچنا چاہتا ہے اور بینک ۹۵ کے عوض میں اس پوری رقم کا مالک ہو جاتا ہے جو اصل کاغذ میں لکھی ہوئی ہے اور اس کے

کیش ہونے میں تھوڑی مدت باقی رہ گئی ہے۔

اس رجحان کی بنا پر بہت سے علماء نے اس عمل کے جواز کا فتویٰ دیا ہے کہ قرض کو اس سے کم نقد رقم پر فروخت کیا جا سکتا ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ قرض صرف سونا چاندی نہ ہو۔ اور ناپ تول کے لائق نہ ہو۔ اور یہاں بکنے والا قرض نہ سونا ہے نہ چاندی۔ بلکہ چند نقدی کاغذات ہیں جنہیں کمتر قیمت پر فروخت کیا جا رہا ہے۔

رہ گئی مستفید کی مسئولیت کہ اگر صاحب تحریر نے وقت پر رقم ادا نہ کی تو کیش کرانے والا اس رقم کی ادائگی کا ذمہ دار ہوگا۔ تو اس کی توجیہہ خرید و فروخت کے بعد بھی اس طرح ہو سکتی ہے کہ مستفید نے قرض کو بیچنے کے بعد بھی اس کے ادا کرنے کی ذمہ داری لے لی ہے۔ یا بینک نے قرض خریدتے وقت ہی یہ شرط کر لی ہے کہ وقت پورا ہونے پر اس قرض کو ادا کرانا پڑے گا۔

پہلی بنیاد پر مستفید از خود اس کا مسئول ہوگا کہ اگر مقروض نے قرض نہ ادا کیا تو وہ ادا کر دے گا۔ اور دوسری بنیاد پر مستفید بہر حال ادائے قرض کا ذمہ دار ہوگا۔ چاہے بینک براہ راست اسی سے مطالبہ کرے اور مقروض کے ادائے قرض سے انکار کا موضوع بھی نہ پیدا ہو۔

یہ اور بات ہے کہ مسئلہ کی اصل توجیہہ قرض کی خرید و فروخت کی بنیاد پر خود ہی محل اشکال ہے۔ اس لئے کہ سونے چاندی کے نہ ہونے کی بنا پر سود سے نجات مل سکتی ہے۔ لیکن اس مقام پر کچھ مخصوص روایات ہیں جن میں اس معاملہ سے منع کیا گیا ہے۔ اور یہ بتایا گیا ہے کہ ایسی حالت میں خریدار کو صرف اتنی ہی مقدار میں قرض وصول کرنے کا حق ہے جتنی رقم اس نے ادا کی ہے۔ اس سے زیادہ کا حق نہیں ہے۔ بلکہ وہ مقروض کے ذمے سے خود بخود ساقط ہو جائے گی۔

مطلب یہ ہے کہ اگر بینک کے اس عمل کو قرض کی خریداری سے تعبیر کیا جائے تو بینک کو مقروض سے اتنا ہی لینے کا حق ہوگا جتنا مستفید کے حوالہ کیا ہے اور باقی مقروض کے حق میں ساقط ہو جائیگا۔ مشتری کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

مذکورہ بالا روایات میں ایک روایت ابو حمزہ کی امام باقرؑ سے ہے۔ جس میں آپ سے اس مسئلہ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ ایسی حالت میں جس مقدار رقم سے قرض کو خریدا ہے وہ اسے مل جائے گی اور اس سے زیادہ کا حق نہ ہوگا۔

دوسری روایت محمد بن الفضیل کی امام علی رضاؑ سے ہے۔ جس میں دریافت کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کے ذمہ قرض کو خریدے اور اس کے بعد اس کے پاس وصول کرنے کیلئے جائے تو کیا کرنا چاہئے۔ سارا قرض دینا چاہئے یا نہیں؟

"آپ نے فرمایا جس مقدار میں رقم صاحب قرض کو دی ہے اتنی رقم اسے مل جائے گی اور باقی قرض سے مقروض کو نجات مل جائے گی۔"

ان روایات سے استدلال کسی حد تک اشکال ضرور رکھتا ہے۔ لیکن اس کے بعد بھی میں فقہی اور نفسی اعتبار سے مخالف رائے کی حمایت نہیں کر سکتا۔ میرے نفس اور میرے فقہی ذوق میں اس امر کی گنجائش نہیں ہے کہ میں ان روایات کے ہوتے ہوئے اس کے مخالف رائے کو اختیار کروں۔

ایسے حالات میں غیر سودی بینک کیلئے پرونوٹ وغیرہ کا خرید و فروخت کرانا ممکن نہیں ہے۔ باقی رقم کو بہر حال ترک کرنا پڑے گا۔ اور اس کے بعد معاملہ کا کوئی ماحصل نہ ہوگا۔

اعمال بینک کی تیسری قسم

نفع آوری :- نفع آوری سے مراد بینک کا اپنے مخصوص سرمایہ کے ایک حصہ کو۔ یا اپنے پاس جمع شدہ امانتوں کو مالیاتی اوراق کے خرید نے پر لگا دینا ہے۔ یہ کاغذات عام طور سے اسناد کی شکل میں ہوتے ہیں۔ جن کی تجارت فائدہ کی امید اور اس توقع پر ہوتی ہے کہ اس طرح بینک میں نقد رقم کا امکان محفوظ رہے گا۔ اور وہ جس وقت چاہے گا ان کاغذات کو نقد کی شکل میں تبدیل کرے گا۔

فقہی اعتبار سے ان کاغذات کی تجارت میں بینک اور دوسرے افراد کی تجارت میں کوئی فرق نہیں ہے۔

فن کے اعتبار سے البتہ بینک اپنے قرض اور استفادہ میں مختلف طریقوں سے فرق کر سکتا ہے۔

ایک فرق یہ ہے کہ قرض میں مال تھوڑی مدت کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ اور اس کاروبار میں اکثر بڑی طویل مدت تک مقید رہتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ کبھی کبھی اس کے برعکس بھی ہو جاتا ہے۔

نفع آوری اور قرض میں بینک کے طریقۂ کار میں بھی اختلاف رہتا ہے۔ استفادہ میں بینک اپنے مال کو بازار میں لاتا ہے اور اسے طولانی مدت کیلئے استعمال کرنا چاہتا ہے اور قرض میں صاحب ضرورت بینک کے پاس آتا ہے۔ خود بینک کوئی اقدام نہیں کرتا۔

تیسرا فرق یہ ہے کہ قرض میں بینک کی حیثیت نمایاں رہتی ہے۔ اور وہ اہم ترین فرد شمار ہوتا ہے۔ استفادہ میں ایسی بات نہیں ہوتی۔ اس کی حیثیت ایک عام فرد کی ہوتی ہے۔

لیکن ان فنی امتیازات کے باوجود فقہی حیثیت میں کوئی اثر نہیں پڑتا۔

فقہی اعتبار سے اسناد کے کاروبار کی دو تفسیریں ہو سکتی ہیں۔

پہلی تفسیر یہ ہے کہ اس معاملہ کو قرض کی بنیاد پر قرار دیا جائے۔ اور یہ کہا جائے کہ سند کو صادر کرنیوالی جہت اس کی ایک برائے نام قیمت مقرر کرتی ہے۔ مثال کے طور پر ایک ہزار۔ اور اس سند کو ایک سال کی مدت کیلئے ۹۵۰ پر فروخت کر دیتی ہے۔ گویا خریدار کو ۹۵۰ روپیہ قرض دیا جاتا ہے۔ اور سال تمام ہونے پر اسے وصول کر لیا جاتا ہے۔ ۵۰ روپیہ مزید اس مدت کا سود ہوتا ہے جس مدت تک ۹۵۰ روپیہ دوسرے کی تحویل میں رہا ہے۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس کو مدت کی قید کے ساتھ خرید و فروخت قرار دیا جائے۔ اور یہ کہا جائے کہ سند کو صادر کرنے والی جہت ایک ہزار روپیہ کو مدت کی قید کے ساتھ ۹۵۰ روپیہ نقد پر بیچ دیتی ہے۔ اور اس کمی و زیادتی میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس لئے کہ جنس ناپ تول والی نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس عمل کی خرید و فروخت کی بنا پر تفسیر ایک لفظی فریب کے علاوہ کچھ نہیں ہے اور اس فریب سے حقیقت پر پردہ نہیں ڈالا جا سکتا۔

واقعہ یہی ہے کہ یہ ایک قرض ہے جسے مختلف شکلوں میں پیش کیا جا سکتا ہے۔

قرض کی روح یہی ہے کہ انسان دوسرے شخص سے مال کی ملکیت حاصل کرلے۔ اور نتیجہ میں اتنی ہی مقدار میں ادا کرنے کا ذمہ دار ہو۔ اور یہی وہ بات ہے جو اس معاملہ میں صریحی طور پر پائی جاتی ہے۔ ۹۵۰ روپیہ لینے والا ۱۰۰۰ کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ اور بطور فائدہ اسے ۵۰ روپیہ مزید دینا پڑتا ہے جو شرعی سود ہے اور اسلامی نقطۂ نظر سے حرام ہے

اس تحقیق کی بنا پر اس کاروبار کا مطلب بینک کی طرف سے ایک قرض ہے جو فقہی اعتبار سے بینک کے دوسرے قرضوں سے کوئی امتیاز و اختلاف نہیں رکھتا۔ اور بینک مقررہ قیمت اور ادا کی ہوئی قیمت کے درمیان جو فرق بطور فائدہ دینا چاہتا ہے وہ سود ہے۔ جو اسی طرح حرام ہے جس طرح قرضوں پر حاصل کیا جانے والا فائدہ سود اور حرام ہوتا ہے۔

غیر سودی بینک اس قسم کے اسناد کا کاروبار کرنے سے قطعی معذور ہے۔ وہ یہ کاروبار ان ہی اسناد میں کر سکتا ہے جنہیں حکومت یا ایسی ہی کوئی جہت صادر کرتی ہے جس سے اس بینک کیلئے سود لینا جائز ہے۔ جیسا کہ بینک کے بنیادی خطوط میں چوتھے نکتہ کے ذیل اشارہ کیا جا چکا ہے۔

غیر سودی بینک اپنے اموال سے حکومت وغیرہ کے اسناد خرید سکتا ہے اور ان پر فائدہ بھی لے سکتا ہے۔ اس کے علاوہ دیگر اسناد و اوراق کی تجارت اس کے لئے حرام اور ناممکن ہے۔ والحمدللہ رب العالمین۔

باسمہ سبحانہ

ضمیمے

①

اس ضمیمہ میں فقہی اعتبار سے ان توجیہات پر تفصیلی بحث کی گئی ہے جن میں سودی فائدہ کسب حلال کی طرف منتقل کرنے اور اسے مشروع شکل میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور پھر ان پر اشکالات کا بھی اظہار کیا گیا ہے۔

قرض کے سودی فائدے کو ختم کرنے کیلئے غیر سودی بینک کی عمومی سیاست کے ذیل میں ہم نے وہ طریقہ کا اختیار کیا تھا۔ جو صرف شکلی اعتبار سے نہیں بلکہ حقیقت اور روح کے اعتبار سے "سودی فکر" سے جداگانہ حیثیت رکھتا تھا اس نظریہ سے قطع نظر کرنے کے بعد ایسی بیشمار توجیہیں ہو سکتی ہیں جنکے ذریعہ سود کی شکل بدل جاتی ہے چاہے حقیقت سود ہی تک کیوں نہ منتہی ہوتی ہو۔

بحث کے جملہ شعبوں کی تکمیل کیلئے اس قسم کی چند توجیہات کا ذکر کیا جاتا ہے۔ تاکہ ان پر اپنے خیالات و اشکالات کا اظہار کر کے ان کی حقیقت کو واشگاف کیا جا سکے۔

توجیہ اول

بینک کیلئے قرضوں پر فائدہ کا جواز یہ ہے کہ قرض میں دو عناصر پائے جاتے ہیں۔

ایک مال جو بطور قرض دیا جاتا ہے۔

اور ایک قرض دینے کا عمل جو مصدری معنی میں استعمال ہوتا ہے (جیسے اردو زبان میں لفظ "کھانا" کہ یہ اس شئے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جسے کھایا جاتا ہے اور اس مصدری معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جس کا مفہوم حلق سے لقمہ نیچے اتار دینا ہے)

شریعت میں سود کے معنی ہیں قرض پر دیئے ہوئے مال کے مقابلہ میں اضافہ کا مطالبہ۔ لہٰذا اگر اس اضافہ کو مال کے بجائے مصدری معنی کے مقابلہ میں رکھ دیا جائے اور اسے ایک قسم کا جعالہ قرار دیدیا جائے تو کوئی شرعی اشکال نہ رہ جائے گا۔

جعالہ کا مطلب یہ ہے کہ قرض لینے والا اس قرارداد کا اعلان کرتا ہے کہ جو شخص بھی مجھے ایک دینار قرض دیگا میں اس کے اس عمل پر ایک درہم بطور اجرت دوں گا۔

اس اعلان کا فائدہ یہ ہوگا کہ ہر شخص قرض دینے کے لئے تیار ہوجائے گا اور کسی کو کوئی اعتراض نہ ہوگا۔

لیکن کھلی ہوئی بات ہے کہ یہ درہم دینار کے مقابلہ میں اضافہ نہیں ہے بلکہ عملِ قرض کی اجرت ہے۔ اور اس کی شرعی دلیل یہ ہے کہ اگر کسی بنا پر یہ جعالہ باطل ہوجائے تو اس درہم کا استحقاق ختم ہوجائیگا۔ لیکن قرض اپنی اصلی حالت پر باقی رہے گا۔

اس کی مثال اس شخص کی ہے جو گھر خریدنے کے لئے جعالہ قرار دے اور یہ اعلان کردے کہ جو شخص بھی اپنا گھر میرے ہاتھ بیچے گا اُسے قیمت کے علاوہ ایک درہم مزید دوں گا۔

ظاہر ہے کہ یہ درہم جعالہ کا نتیجہ ہوگا نہ کہ خرید و فروخت کا۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس پر جنس و قیمت کے احکام نافذ نہ ہوں گے۔

اس توجیہہ کے بارے میں دو جہتوں سے گفتگو ہوسکتی ہے۔ مسئلہ کی بنیاد۔ اور مسئلہ کا قانون۔

بنیادی اعتبار سے محل کلام یہ ہے کہ اس تقریب میں زیادتی کو مال قرض کے بجائے عمل قرض کے مقابلہ میں رکھا گیا ہے۔ حالانکہ عقلاء عالم کا ارتکاز یہی ہے کہ یہ زیادتی مال کے مقابلہ میں ہے اور عمل قرض کا نام صرف تبدیلئ لفظ اور پردہ پوشی کی بنا پر استعمال ہوا ہے۔ اس لئے جعالہ کا ذکر کرنا بالکل بیکار ہے جعالہ عمل پر ہوتا ہے مال پر نہیں۔ اور محل بحث میں عقلاء کے رجحان کی بنا پر مال ہی مال ہے عمل کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

قانونی گفتگو یہ ہے کہ اگر عقلاء کا یہ اتفاق و رجحان نہ بھی مانا جائے اور واقعاً درہم کو عمل قرض کے مقابلے میں رکھ دیا جائے۔ تو کیا اس مقام پر جعالہ صحیح ہوسکتا ہے؟ اور کیا یہ واقعاً جعالہ ہے؟۔

مسئلہ کی تحقیق کیلئے یہ جان لینا ضروری ہے کہ شریعتِ اسلام میں کسی مال کے ضامن ہونے کے دو اسباب ہوتے ہیں۔ معاملت اور اتلاف و نقصان۔ معاملت کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص کسی سے کوئی سودا کرے تو اس کا فرض ہے کہ وہ جنس خریدار کے حوالے کرے اور نقصان کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے سبب سے کسی کا نقصان ہوجائے تو نقصان کرنے والا اس کی تلافی کا ضامن ہوگا۔ پہلی قسم کا نام ضمان معاملہ ہے اور دوسری قسم کا نام ضمانِ تلافی۔

خیاط کو آرڈر دیکر کپڑا سلوانے والا اس کی اجرت کا ضامن ہوتا ہے۔ لیکن کسی معاملہ کی بنا پر نہیں بلکہ صرف اس بنا پر کہ اس نے اس کے کہنے سے عمل انجام دیا ہے اور اپنا وقت و عمل صرف کردیا ہے۔ اب اس کا فرض ہے کہ اس کی قیمت ادا کرے اور ایسے کاموں کی اجرت عمومی اجرت کے برابر ضرور دے۔

بلکہ اس مقام پر یہ بھی ممکن ہے کہ عمومی اجرت کو ایک مقررہ اجرت سے بدل دے اور یہ کہدے کہ جو میرا کپڑا سیئے گا اُسے ایک روپیہ دیا جائے گا۔ بات ایک ہی رہے گی ضمان۔ ضمانِ تلافی ہی رہیگا، ضمان معاملہ نہ ہوگا اور اسی کا نام جعالہ ہو جائے گا۔

مطلب یہ ہے کہ جعالہ دو اجزاء سے مرکب ہوتا ہے۔ ایک عمل کا حکمِ خاص یا حکم عام۔ اور دوسرے اجرت کی تعیین اس کی مقدار مقرر کرتی ہے۔ ورنہ عمومی اجرت سے زیادہ کوئی استحقاق نہ ہوگا۔

جعالہ کی اس تشریح سے واضح ہو جاتا ہے کہ جعالہ اسی مقام پر ممکن ہے جہاں عمل کی کوئی مالیت ہو اور اس کے لئے ایک عمومی اجرت مقرر ہو تاکہ جعالہ کے ذریعہ اس کی خاص مقدار معین کی جاسکے۔ ورنہ اگر اصل عمل کی کوئی اجرت نہیں ہے تو جعالہ کا کوئی سوال ہی نہیں ہے۔ جعالہ اصل ضمان کے ثابت ہونے کے بعد ہوتا ہے۔ جعالہ سے کوئی ضمانت ثابت نہیں کی جاسکتی۔

ایسے حالات میں اگر پہلے نکتہ سے قطع نظر بھی کر لیا جائے اور عملِ قرض کی کوئی حیثیت بھی تسلیم کر لی جائے تو اس عمل پر جعالہ ممکن نہیں ہے۔ اس لئے کہ جعالہ قابلِ ضمانت مالیت چاہتا ہے اور مالِ قرض سے ہٹ کر عملِ قرض کی ایسی کوئی مالیت نہیں ہے۔

واضح لفظوں میں یوں کہنا چاہیے کہ محل کلام میں صرف ایک مالیت ہے اور بس۔ اور وہ مالیت مالِ قرض کی ہے عمل قرض کی طرف اس مالیت کو مجازاً منسوب کر دیا جاتا ہے۔ ورنہ اس کے لئے مزید کسی ضمانت کا کوئی سوال نہیں ہے۔

۲

قرض پر فائدہ کے جواز کی دوسری توجیہہ یہ ہے کہ فائدہ کی حرمت کا راز صرف یہ ہے کہ یہ قرض کو سودی بنا دیتا ہے اور سودی قرض اسلام میں حرام ہے اب اگر فقیہہ کیلئے یہ ممکن ہو جائے کہ وہ فائدہ کے مسئلے کو قرض سے نکال لے جائے تو فائدہ میں کوئی اشکال نہ رہ جائے گا۔

فائدہ کو قرض سے نکالنے کے لئے دو قسم کے حالات پر غور کرنا ہوگا۔

ایک قسم یہ ہے کہ زید خالد کے دس روپیہ کا مقروض ہے اور اس سے ادائے قرض کا مطالبہ کیا جارہا ہے اب وہ بینک سے دس روپیہ قرض لیتا ہے اور اپنا قرض ادا کر دیتا ہے۔

دوسری قسم یہ ہے کہ صورتِ مذکورہ میں زید بینک سے رقم نکالنے کے بجائے خود اسی سے یہ کہتا ہے کہ میرا دس روپیہ کا قرضہ خالد کو ادا کر دیا جائے۔

دونوں صورتیں نتیجہ میں ایک ہیں۔ لیکن فقہی اعتبار سے ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔

پہلی صورت میں زید براہ راست بینک کا دس روپے کا مقروض ہوجائے گا اور دوسری صورت میں زید نے براہ راست کوئی رقم نہیں لی۔ بلکہ بینک کے قرض ادا کر دینے کی بنا پر اس کا مقروض ہوگیا ہے۔ اور یہ ذمہ داری صرف اسلئے آئی ہے کہ بینک نے خالد کو قرض ادا کر کے زید کے حکم کی بنا پر اپنا دس روپیہ تلف کر دیا ہے۔ اب زید کی ذمہ داری ہے کہ وہ یہ رقم ادا کرے۔ لیکن یہاں قرض کا کوئی گذر نہیں ہے۔ اسلئے کہ زید نے کوئی رقم نہیں لی صرف بینک کو مال تلف کرنے کا حکم دیا ہے اور اتلاف مال ضمانت لاتا ہے مقروض نہیں بناتا اور جب قرض کا کوئی سوال نہیں ہے تو سود بھی نہیں ہے۔

واضح لفظوں میں یوں کہا جائے کہ سود۔ قرض۔ بیع۔ صلح جیسے معاملات میں ہوا کرتا ہے اور یہاں کوئی معاملہ نہیں ہے صرف تلافی کی ضمانت ہے جس کے بعد نہ کوئی سود ہے نہ حرمت۔

لیکن اس توجیہ میں دو قسم کے اشکالات کئے جا سکتے ہیں۔

پہلا اشکال:۔ یہ ہے کہ جس دلیل نے قرضخواہ کے قرضدار کو قرض سے زیادہ رقم کے دینے پر مجبور کرنے کی ممانعت کی ہے۔ اسی دلیل نے عرفی رجحانات کی بنا پر یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ بغیر معاملہ قرض کے حاصل ہونے والے قرض پر بھی اضافہ نہیں کیا جا سکتا۔ صرف لفظ کے بدل جانے سے شریعت کے مزاج میں فرق نہیں آسکتا۔

دونوں صورتوں کے احکام مختلف بنا دینے کا مطلب یہ ہے کہ جہاں ملکیت کا سوال آجائے وہاں سود حرام ہے اور جہاں ملکیت کا لفظ نہ آنے پائے وہاں فائدہ حلال ہے۔ حالانکہ ایسی کوئی بات شریعت اسلام میں نہیں ہے۔ شریعت نے ملکیت کو کوئی ایسا جرم نہیں قرار دیا ہے جس کے بعد فائدہ حرام ہوجائے اور باقی حالات میں جائز رہے۔

دوسرا اشکال:۔ یہ ہے کہ اگر غیر قرض کی صورت میں زیادہ کے مطالبہ کو جائز بھی قرار دیدیا جائے تو کوئی ایسا سبب تلاش کرنا پڑے گا جس سے اس زیادتی کی ادائیگی ضروری اور لازمی قرار پا جائے۔ ورنہ کسی عقد لازم کے بغیر صرف شرط کر لینے سے شرط پر عمل کرنا واجب نہیں ہوتا۔

بعض لوگوں نے عقد لازم کے بجائے جعالہ کے ذریعہ اس زیادتی کو لازم قرار دینا چاہا ہے' ان کا کہنا ہے کہ اگر زید بینک والوں سے یہ کہہ دے کہ اگر آپ نے میرے دس روپے کے قرض کو ادا کر دیا تو میں ایک روپیہ اور دوں گا۔ اور بینک اس رقم کو ادا کر دے تو قانون تلافی کی بنا پر ۱۱ روپیہ کا حقدار ہوجائے گا۔ دس روپیہ وہ۔ جو قرض میں دیئے ہیں۔ اور ایک روپیہ وہ۔ جو جعالہ کی بنا پر ثابت ہوا ہے۔

اس جعالہ میں سابق جعالہ سے ایک فرق ہے۔ سابق جعالہ کے ناجائز ہونے کی وجہ یہ تھی کہ وہاں جعالہ قرض دینے پر مقرر کیا گیا تھا اور یہ عرفی طور پر کوئی مالیت والا عمل نہیں تھا جس پر تلافی کی ضمانت ثابت ہوجائے۔ اور یہاں ملکیت یا قرض دینے کا جعالہ نہیں ہے بلکہ قرض ادا کرنے کا جعالہ ہے اور یہ ایک محترم عمل ہے جس کی سماج وعلوم میں بڑی قیمت ہے۔

لیکن اس کے باوجود یہ دلیل کمل نہیں ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قرض ادا کردینا مالیت رکھنے کے باوجود ایسا عمل نہیں ہے جس پر الگ سے جعالہ مقرر کیا جاسکے۔ قرض ادا کرنے کی ساری اہمیت قرض کی بنا پر ہے۔ رقم کے علاوہ صرف عملِ ادائیگی کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ اور جب اس عمل کی کوئی قیمت نہیں ہے تو اس پر جعالہ بھی نہیں ہوسکتا۔ جعالہ کیلئے عمل کا صاحب مالیت ہونا ضروری ہے۔ جعالہ ضمانت کی تجدید کرتا ہے۔ ضمانت کی ایجاد نہیں کرتا۔

البتہ اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ ادائیگی کی بھی کوئی قیمت ہے تو جعالہ میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور اس کی شکل یہ ہے کہ قرض کی ادائیگی مال کے عطا کرنے کے علاوہ کوئی مزید زحمت رکھتی ہو۔ جیسے ادا کرنے والا بینک دوسرے شہر میں ہو اور لینے والا خالد دوسرے شہر میں ہو۔

ظاہر ہے کہ یہاں بینک کو صرف رقم نہیں دیدینا ہے بلکہ دوسرے شہر میں پہونچانا بھی ہے اور یہ ایک مزید زحمت ہے جس کی اجرت لی جاسکتی ہے اور اس کے لئے جعالہ صحیح بھی ہے۔

(۳)

تیسری توجیہہ کا تعلق صرف ان قرضوں سے ہے جو بیرونِ ملک ادا کئے جاتے ہیں۔ ان کے بارے میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ یہاں اضافہ کا لینا جائز ہے۔

ان کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص بغداد کے بینک کے پاس آیا اور اس نے یہ خواہش کی کہ ہندوستان میں میرے وکیل کو مقررہ مقدار میں رقم دیدی جائے اور اس بینک نے اپنے وسائل کے ذریعہ ہندوستان میں وہ قرض دلوادیا۔ ظاہر ہے کہ ہندوستان میں قرض دینے کا مطلب یہ ہے کہ ادائیگی ہندوستان میں ہونی چاہئے۔ لیکن یہ کام عراقی انسان کے بس کے باہر ہے۔ وہ اس قرض کو عراق ہی میں ادا کرنا چاہتا ہے۔ اب بینک کو حق ہے کہ وہ دوسرے مقام پر قرضہ قبول کرنے کیلئے مزید رقم کا مطالبہ کرے جسکے صلے میں ہندوستان میں ادائیگی کا حق ساقط ہوجائیگا واضح لفظوں میں ہندوستان میں قرض لینے والے کے سامنے دو راستے ہیں۔

ایک راستہ یہ ہے کہ ہندوستان ہی میں ادا کرے اور اسی مقدار میں دے جس مقدار میں لیا ہے۔

اور دوسرا راستہ یہ ہے کہ عراق میں ادا کرے لیکن مقدار بڑھادے۔

ظاہر ہے کہ قرضدار عراق میں ادا کرے گا۔ ہندوستان میں ادا نہیں کرے گا۔ اسلئے اس کا فرض ہے کہ ہندوستان کا حق ساقط کرنے کیلئے بینک کو مزید رقم دے۔ جو مالِ قرض کے مقابلہ میں نہ ہو کہ سود ہو جائے۔

بلکہ اسقاطِ حق کے صلے میں ہو جیسکے حرام ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

گذشتہ صفحات میں اس توجیہہ کو بینک کمیشن کے جواز میں پیش کیا جا چکا ہے۔ لیکن اس میں نقص یہ ہے کہ اس سے سود کا پورا فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا۔ اور اس کا راز یہ ہے کہ ایسے حالات میں بینک ہندوستان میں اصلی رقم کی ادائیگی پر راضی ہو گا یا نہیں۔؟

اگر راضی نہ ہو اور عراق میں فائدہ ہی کا مطالبہ کرے تو یہ کھلا ہوا سود ہے۔ اور اگر راضی ہو جائے تو مقروض کو کیا ضرورت ہے کہ وہ بینک کو فائدہ دے کر اپنا قرض ادا کرے؟

اس کی آسان شکل یہ ہے کہ کسی دوسرے بینک کو صرف کمیشن دیکر رقم ہندوستانی بینک میں منتقل کرا دے اور وہاں حقدار کے حوالہ کر دے۔

کھلی ہوئی بات ہے کہ کمیشن کی یہ رقم سود کے برابر نہیں ہو سکتی۔

(۴)

بعض فقہی حلقوں میں یہ بات مشہور ہے کہ سود سے بچنے کا ایک ذریعہ یہ بھی ہے کہ سود کو بیع کی شکل دے دی جائے اور یہ کہا جائے کہ زید نے آٹھ روپیہ قرض دے کر دس روپیہ نہیں لیا کہ سود اور حرام ہو جائے بلکہ زید نے روزِ اول ہی آٹھ روپیہ کو دس روپیہ کے عوض بیچ دیا ہے اور قیمت کی ادائیگی میں دو ماہ کی مدت رکھدی ہے۔ اب خریدار کو اعتراض کرنے کا بھی حق نہیں ہے اور بیچنے والے کو دو روپیہ کا فائدہ بھی ہو جائے گا۔

اس خرید و فروخت کو اس لئے حرام نہیں کہہ سکتے کہ یہاں ناپ تول کا کوئی سوال نہیں ہے۔ صرف ایک کاغذ ہے جو بک رہا ہے اور کاغذ کی خرید و فروخت میں قیمت کی کوئی تعیین نہیں کی جا سکتی۔

بعض لوگوں نے اس توجیہہ پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس سے بھی سود کا پورا فائدہ حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ اسلئے کہ ۸ روپیہ لیکر دس روپیہ دینے والا اور ۲ ماہ کی مہلت قرار دینے والا۔ اگر اس رقم کو بربنائے قرض لیتا ہے تو یہ کھلا ہوا سود ہے۔ اور بینک دو ماہ کے بعد مزید تاخیر کی بنا پر مزید اضافہ لینے کا حق رکھتا ہے اور اگر بربنائے خرید و فروخت لیا تو دو ماہ سے زیادہ تاخیر میں مزید مطالبہ کرنے کا حق نہیں ہے اور اس طرح بیچنے والا مزید مدت کے فائدے سے محروم ہو جائے گا جو قرض میں نہ ہوتا۔

لیکن اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اس کا حل روز اوّل ہی نکالا جا سکتا ہے۔ اور وہ اس طرح ۸ روپیہ کو دس روپیہ میں فروخت کرنے والا۔ روز اوّل ہی خریدار سے شرط کرلے کہ اگر قیمت کی ادائیگی میں ۲ ماہ سے زیادہ تاخیر ہوئی تو ہر ماہ کے عوض ایک روپیہ دینا ہوگا۔ اس طرح یہ سود بھی نہ ہوگا اور سود کے برابر رقم بھی ملتی رہیگی۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ یہ شرط بیع کے ذیل میں ہوئی ہے اسلئے اس پر عمل کرنا بھی واجب ہے۔

واضح لفظوں یوں کہا جائے کہ قرض کے ذیل میں زیادتی کی شرط کرنا سود اور حرام ہے۔ جس طرح کہ تجارت کے موقع پر مدت کے عوض میں اضافہ کی شرط کرنا ایک فعل حرام ہے اگرچہ بیع کے ذیل میں واقع ہو۔ لیکن اس مقام پر ایسا نہیں ہے۔ یہاں نہ کوئی قرض ہے کہ سود کا سوال پیدا ہو جائے۔ اور نہ مدت کے مقابلہ میں کوئی رقم طلب کی گئی ہے کہ اسے بھی سود کا عنوان دیدیا جائے۔ بلکہ روز اوّل سے ایک شرط کی گئی ہے اور اس میں کوئی اشکال نہیں ہے۔

لیکن تحقیق یہی ہے کہ یہ توجیہہ بھی ناتمام ہے۔ اور دس روپیہ کے عوض آٹھ روپئے کا بیچنا عرفی رجحان کی بنا پر ایک قرض ہے جسے بیع و شراء کا لباس پہنا دیا گیا ہے جیسا کہ استاذ علام آیۃ اللہ السید ابوالقاسم الخوئی دام ظلہ نے فرمایا ہے۔

لیکن اس کی وہ توجیہہ نہیں ہے جو انہوں نے فرمائی ہے کہ ایسے معاملات کو خرید و فروخت کہا ہی نہیں جا سکتا خرید و فروخت میں جنس اور قیمت کے الگ الگ ہونے کی شرط ہے اور یہاں ایسا کچھ نہیں ہے۔ وہی روپیہ جنس ہے اور وہی روپیہ قیمت۔ جنس و قیمت نقد ہوتے تو یہ کہنے کا امکان تھا کہ یہ اور ہے اور وہ اور۔ لیکن قیمت خریدار کے ذمّے ہے۔ اور جو کچھ اسکے ذمّے میں ہے اس رقم کا انطباق موجودہ رقم پر بھی ہو سکتا ہے۔ اس لئے یہ قرض ہے بیع و شراء نہیں ہے۔"

اس لئے کہ بیع و شراء میں جنس و قیمت کی مغایرت کے لئے مکمل مغایرت ضروری نہیں ہے۔ صرف ایک کا نقد اور ایک کا ذمہ میں ہونا بھی کافی ہے مافی الذمہ کا جنس حاضر پر منطبق ہو جانا کوئی عیب نہیں ہے۔ ورنہ ایک گھوڑے کا دو ادھار گھوڑوں کے عوض بیچنا حرام ہو جاتا۔ کہ "گھوڑا" موجود گھوڑے پر بھی منطبق ہو جاتا ہے۔ حالانکہ متعدد روایات میں اس تجارت کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ جس کا مطلب ہی یہ ہے کہ جنس قیمت کی ادنیٰ مغایرت بھی کافی ہے مکمل مغایرت کی ضرورت نہیں ہے۔

اصل وجہ یہ ہے کہ اس معاملہ کو بیع کہا ہی نہیں جا سکتا۔ یہ سیدھے سیدھے ایک قرض ہے جسے بیع کی شکل دیدی گئی ہے۔ اس کا زندہ ثبوت عرف عام کا یہ رجحان ہے کہ ایسے معاملات میں فریقین کا مقصد قرض ہوا کرتا ہے۔ بیع کا استعمال صرف لفظوں میں ہوتا ہے۔ اور اس سے بالاتر عرف کا یہ قانون ہے کہ شریعت نے

جس قرض کو حرام قرار دیا ہے اس کا اطلاق ایسی تجارت پر بھی ہوتا ہے۔

واضح لفظوں میں یوں کہا جائے کہ یہ معاملہ ابتدائی طور پر بھی قرض ہے۔ اور قانونی طور پر بھی قرض کے احکام کی ایک فرد ہے۔ اس پر بیع کے قوانین نافذ نہیں ہو سکتے۔

ہماری اس دلیل کے پہلے جزء پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ فریقین کے مقصد سے مراد فروخت کرنے والے اور خریدار کا ذاتی مقصد ہے۔ تو اس پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے کہ ذاتی مقاصد اصل معاملہ سے الگ ہوا کرتے ہیں۔ ان سے معاملہ کی نوعیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ کون آدمی کس مقصد سے خرید و فروخت کر رہا ہے اُس اصل معاملہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جوادی)

اور فریقین کے مقصد سے مراد وہ مفہوم ہے جو انھوں نے معاملہ میں انشا کیا ہے تو انشا ر کا مسئلہ نہایت ہی آسان ہے۔ انسان کسی بھی مفہوم کو عالم اعتبار میں ایجاد اور فرض کر سکتا ہے۔ فرض کرنے میں کوئی زحمت نہیں ہوتی۔ فرض تجارت بھی کی جا سکتی ہے اور قرض بھی۔ یہ انسان کے اختیار کی بات ہے کہ وہ اپنے مصالح کو دیکھتے ہوئے کیا فرض کرے اور کیا نہ کرے۔

اور یہ کہنا کہ اس مقام پر دونوں فرض ایک جیسے ہیں، غلط ہے۔ اسلئے کہ معاوضہ کے ساتھ ملکیت اور ہوتی ہے اور ضمانت کے ساتھ ملکیت اور۔ پہلے کا نام تجارت ہے اور دوسرے کا نام قرض۔ اور اسی لئے قرض میں قبضہ کرنا ضروری ہوتا ہے۔ بیع و شرا میں یہ ضروری نہیں ہے۔

یہ اعتراض بڑی حد تک معقول بھی ہے۔ اسلئے مناسب یہی ہے کہ ان مسائل میں پڑنے کے بجائے قانونی طور پر عرف کو حاکم بنایا جائے اور یہ کہا جائے کہ عرف اپنے عمومی رجحانات کی بنا پر ایسے معاملات کو قرض کے دلائل کی ایک فرد سمجھتی ہے۔

قرض خارجی مال کو مافی الذمہ سے تبدیل کرنے کا نام ہے۔ اس کا استعمال عموماً مثلی چیزوں میں ہوتا ہے۔ قیمتی اشیاء میں اس لفظ کا استعمال مجازاً ہوتا ہے۔ اب جہاں جہاں یہ عنوان پیدا ہو جائے گا اسے قرض ہی کہا جائے گا چاہے طرفین اسے بیع و شرا ہی کیوں نہ قرار دیں۔

(مثلی ان اشیاء کا نام ہے جن کے اجزاء کی قیمت یکساں ہوتی ہے جیسے ایک من گیہوں کا ہر ایک کلو گرام یا ہر دانہ گندم۔ اور قیمتی وہ اشیاء ہیں جن کے اجزاء میں فرق ہوتا ہے جیسے جانور کہ اس کے ہر عضو کی قیمت الگ الگ ہوتی ہے۔ جوادی)

(۵)

ایک توجیہ یہ بھی ہے کہ قرض کو بیع سے تبدیل کیا جائے لیکن اس طرح نہیں کہ ۸ دینار کو دس دینار کے

عوض فروخت کیا جائے کہ اس پر اعتراض کی گنجائش نکل آئے کہ درحقیقت قرض ہے جسے بیع کا عنوان دیدیا گیا ہے۔

بلکہ اس اعتبار سے ۸ دینار کو دوسرے ایسے سکّے کے عوض فروخت کیا جائے جس کی قیمت دس دینار ہو اور اس کے بعد ادائیگی کے موقع پر اسے دوسری جنس میں ادائیگی کے عنوان سے دینار کی شکل میں وصول کر لیا جائے۔

مثال کے طور پر ۸ دینار کو ایران کے دو سو تومان کے عوض بیچا جائے اور ادائیگی کے موقع پر اس کے مساوی دس دینار کو وصول کر لیا جائے۔ اس بیع میں کوئی اشکال بھی نہیں ہے۔ اس لئے کہ نوٹ کی خرید و فروخت پر سکّے کے معاملات کا حکم نافذ نہیں ہوتا کہ اس میں مجلس عقد میں قبضہ کی شرط ہے۔ بلکہ اس میں بطور ذمہ فروخت کرنے کا بھی جواز ہوتا ہے اور اس طرح ۸ دینار کے عوض دس دینار بھی ملجائیگا اور عرفی اعتبار سے قرض کو بیع سے بدلنے کا الزام بھی نہیں آئے گا۔

لیکن یہ توجیہہ بھی اسی وقت مکمل ہوگی جب ہم یہاں بھی قرضیت کا دعوےٰ نہ کریں۔ ورنہ اگر عرفی رجحانات کی بنا پر اسے بھی قرض قرار دیدیا گیا تو اس قدر طول مسافت کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

عرفی رجحان کا معاملہ یہ ہے کہ وہ کسی شئے کو اس کے ہم جنس سے بطور مافی الذمہ تبدیل کرنے کو قرض ہی سمجھتا ہے۔ اور سکّوں کے معاملہ میں اس کی نظر خصوصیات پر نہیں ہوتی بلکہ مالیت پر ہوتی ہے۔ وہ کاغذ کی سیاہی و سفیدی یا عراقیت و ایرانیت کو نہیں دیکھتا۔ بلکہ مالیت کے اعتبار سے ۸ دینار کے دو سو تومان سے تبادلہ کو اس مالیت کا اس مالیت سے تبادلہ قرار دیتا ہے۔ اور نتیجہ میں ایسے تمام معاملات کو قرض ہی سمجھتا ہے چاہے ان کا عنوان کچھ ہی کیوں نہ ہو۔

واضح لفظوں میں عرفی رجحانات کی بنا پر ایک طرف ہمجنس سے تبادلہ قرض ہے اور دوسری طرف سکّوں کے خصوصیات کو نظر انداز کرنے کے بعد ہم مالیت سکے "ہم جنس" ہی شمار کئے جاتے ہیں۔

بنابریں اس توجیہہ کی صحت کا بھی امکان نہیں ہے۔ البتہ اگر عرفی رجحانات کو نظر انداز کر دیا جائے اور یہ سوچا جائے کہ فریقین حقیقتاً ۸ دینار کو ۲۰۰ تومان سے تبدیل کرنا چاہتے ہیں اور ان کی نظر میں تومان کی واقعی کوئی اہمیت ہے صرف مالیت مقصود نہیں ہے تو معاملہ کی صحت کے بیحد امکانات پیدا ہو سکتے ہیں۔

(۶)

اس معاملہ کی صحت کا ایک امکان یہ بھی ہے کہ بینک اپنے کو صاحبان امانت کا وکیل فرض کرلے اور

قرض دیتے وقت ان کی طرف سے وکالتہً قرض دے اور انہیں کو قرضخواہ قرار دے۔ اس کے بعد قرض لینے والے سے اصل معاملہ کے درمیان یہ شرط کرلے کہ ادائیگی کے وقت مع اضافہ کے ادا کرنا ہوگا۔ لیکن یہ اضافہ صاحبانِ اموال کا نہ ہوگا کہ سود لازم آئے بلکہ اس کا حقدار خود بینک ہوگا جس نے کوئی قرض نہیں دیا ہے بلکہ صرف وکالت کی ہے اور یہ سود نہیں ہے۔

سود صاحبِ مال کا اضافہ کی شرط کرنا ہے کسی دوسرے کا اضافہ حاصل کرلینا سود نہیں ہے۔ اس کی مثال وہی ہے کہ زید خالد کو ایک دینار قرض دے اور اس پر ایک درہم صدقہ کرنے کی شرط کر دے۔ ظاہر ہے کہ یہ شرط سود نہیں ہے اسلئے کہ اس کا کوئی تعلق قرض دینے والے سے نہیں ہے۔

لیکن اس توجیہہ میں ایک خدشہ یہ ہے کہ قرض کے بعض روایات میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ قرض دینے والے کو مالِ قرض کے علاوہ کسی شئے کے شرط کرنے کا حق نہیں ہے۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اضافہ کی شرط کسی طرح جائز نہیں ہے۔ چاہے اس کا تعلق خود صاحبِ مال سے نہ ہو کسی اور شخص سے ہو۔

(۷)

اس توجیہہ میں قرضداروں سے انشورنس کی اجرت لینے کے جواز پر بحث کی گئی ہے۔ عام فائدوں پر نظر نہیں ہے۔

کہا یہ جاتا ہے کہ ہر قرض دینے والا بینک اس حقیقت سے باخبر ہے کہ ان بے شمار قرضوں کے درمیان بہت سے قرضے ایسے ہوتے ہیں جن کی ادائیگی نہیں ہوتی اور اس طرح بینک کا نقصان ہوتا ہے۔ اب اسے یہ حق ہے کہ وہ ہر قرض لینے والے سے ایک مخصوص مقدار میں رقم الگ سے وصول کرے تاکہ ان کے ذریعہ سے مردہ قرضوں کی تلافی کرسکے اور اس کا ذاتی نقصان نہ ہو۔

ظاہر ہے کہ یہ طریقۂ کار کھلا ہوا سود ہے اور اسی لئے ہم نے غیر سودی بینک کے فارمولے میں یہ اشارہ کیا تھا کہ بینک کو بیمہ کمپنی کی طرف رجوع کرنا چاہیئے اور بطور تدارک خود کوئی رقم نہیں لینا چاہیئے۔

رہ گیا یہ مسئلہ کہ بیمہ کمپنی خود بھی اجرت کا مطالبہ کرے گی اور اس اجرت کو قرض لینے والے کے ذمہ ڈالا جاسکتا ہے یا نہیں؟

اس کی تفصیل یہ ہے کہ کبھی بینک خود قرضوں پر بیمہ کراتا ہے اور قرض لینے والے سے یہ شرط کرتا ہے کہ وہ بیمہ کی اجرت کے برابر رقم داخل کرے تاکہ بینک پر کوئی بار نہ پڑنے پائے اور کبھی بینک اپنی مصلحت کیلئے قرضدار سے بیمہ کرانے کی شرط کرتا ہے اور یہ مطالبہ کرتا ہے کہ جو بیمہ کمپنی سے ضمانت دلوا دیگا۔ اسی کو قرض

دیا جائے گا۔ چاہے اس راہ میں کتنا ہی پیسہ کیوں نہ خرچ ہو۔

ظاہر ہے کہ پہلی شکل میں بینک نے مزید رقم کی شرط کی ہے اور یہ سود ہے جسے جائز نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن دوسری شکل میں صرف ضمانت کی شرط کی ہے۔ رقم کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اور یہ شرط اپنی حفاظت کے لئے ہر قرض دینے والا کر سکتا ہے۔

سوال صرف یہ ہے کہ کیا ایسی شرط بھی قرض کو سودی بنا دیتی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے خود بیمہ کی حیثیت پر نظر کی جائے اور یہ دیکھا جائے کہ بیمہ کوئی معاملہ ہے جسمیں بیمہ کمپنی سے یہ معاملت کی جاتی ہے کہ وہ قرض دار کے قرض کو ادا کر دے۔ ؟ یا یہ ایک قسم کا ہبہ ہے جس میں قرضدار اجرت کی رقم ہبہ کر کے یہ شرط کرتا ہے کہ بعض مخصوص حالات میں اس قدر رقم بینک کو دیدی جائے اور جس طرح میں نے اپنا مال بطور اجرت کمپنی کو ہبہ کیا ہے اسی طرح کمپنی اپنا مال مخصوص حالات میں بینک کو ہبہ کر دے؟

اب اگر بیمہ کوئی معاملہ ہے اور بینک قرضدار سے یہ شرط کرتا ہے کہ جبتک بیمہ کمپنی سے ضمانت کا معاملہ نہ ہو گا قرض نہ دیا جائے گا۔ تو یہ جائز امر ہے جس پر کوئی پابندی نہیں لگائی جا سکتی اور نہ اسے سود کہا جا سکتا ہے یہ قرض دینے والے کا حق ہے کہ وہ مکمل اطمینان کے بغیر اپنی رقم کسی کے حوالے نہ کرے۔ دوسرے کا پیسہ خرچ ہو جانے کی ذمہ داری قرض دینے والے پر نہیں ہے اور نہ وہ کسی اضافہ کی شرط کرتا ہے۔

لیکن اگر بیمہ ہبہ مشروط ہے اور بیمہ کرانے والا قرضدار اجرت ہبہ کر کے مخصوص حالات میں بینک کو رقم دینے کی شرط کرتا ہے۔ تو یہ دیکھنا پڑے گا کہ بینک کی طرف سے بیمہ کی شرط کا کیا ماحصل ہے؟

اگر اس کا مقصد یہ ہے کہ قرضدار بینک کو اجرت دیکر یہ شرط کرے کہ کمپنی قرض نہ ادا ہونے کی صورت میں ابتداءً اتنی رقم بینک کے حوالے کر دے اور قرض اپنی جگہ باقی رہے تو یہ کھلا ہوا سود ہے۔ کمپنی کی رقم اضافہ ہے۔ ادائے قرض نہیں ہے۔

اور اگر بیمہ کا مطلب یہ ہے کہ کمپنی مخصوص حالات میں بینک کے بجائے خود قرضدار کو رقم ہبہ کرے اور وہ قرض کے طور پر ادا کرے تو اس میں کوئی اشکال نہیں ہے اور نہ اسے سود کہا جا سکتا ہے۔ اس کا فائدہ صرف یہ ہے کہ بینک عدم ادائیگی کی صورت میں براہ راست بیمہ کی رقم کمپنی سے لے لیگا اور بطور مقاصّہ حساب کر کے اپنا قرض بیباق کر لیگا۔

ضمیمہ ۲

گذشتہ مباحث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ صاحب مال کے لئے منافع میں شرکت
کے علاوہ عامل کو مال کا ضامن بنانے کا حق نہیں ہے۔

اس ضمیمہ میں اسی موضوع کی تفصیلی فقہی حیثیت واضح کی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ
عاملِ مضاربہ یا دیگر امینوں کے لئے ضمانت کی شرط کہاں تک شرعی حیثیت رکھتی ہے؟

مضاربہ کے عامل کو سرمایہ کا ضامن قرار دینے پر دو طرح سے بحث کی جا سکتی ہے۔
ایک ان عام قوانین کے اعتبار سے جہاں ہر امانت دار کو ذمہ دار قرار دینے پر بحث کی گئی ہے۔
اور ایک بالخصوص مضاربہ کے بارے میں وارد ہونے والی روایات کی روشنی میں۔
پہلی منزل میں یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ شریعت میں امین کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ امین عام اور امین خاص۔
امینِ عام:۔ وہ شخص ہے جسکے ہاتھ میں مال مالک کی اجازت سے آیا ہے اور خود اس نے قبضہ میں دیا ہے۔ چاہے امانت کا کوئی ذکر نہ آیا ہو۔ جیسے عاریت لینے والا۔ کرایہ پر لینے والا۔ مزدور۔ عامل وغیرہ کہ انہیں مال مالک نے دیا ہے لیکن بعنوان امانت نہیں دیا ہے۔
امینِ خاص:۔ وہ شخص ہے جسے مال صرف امانت کے عنوان سے دیا گیا ہو۔ اور اس کا کام ہی مالک کی نیابت میں مال کا تحفظ ہو۔
مضاربہ کے عامل جیسے عام امینوں کو ضامن قرار دینے کی بحث دو بحثوں کی طرف تقسیم ہو جاتی ہے۔ ایک ضمانتِ تلف اور ایک ضمانتِ نقص وخسارہ۔ ضمانتِ تلف کا مطلب یہ ہے کہ عامل کو صرف اس بات کا ذمہ دار قرار دیا جائے کہ اگر میرا مال تلف ہو گیا تو آپ کو اس کی قیمت ادا کرنا پڑے گی۔ اور ضمانت خسارت کا مطلب یہ ہے کہ اگر مال باقی بھی رہ گیا اور اس کی بازاری قیمت گھٹ گئی تو بھی عامل اس نقص کا ذمہ دار ہوگا۔
یہ ضمانت عام ضمانتوں سے بالاتر ہے۔ علماء اسلام نے ضمانت کے تمام موارد میں صرف تلف کا ضامن قرار دیا ہے۔ بازاری قیمت کی کوئی ذمہ داری نہیں رکھی۔ حد یہ ہے کہ اس خسارت کا ذمہ دار غاصب کو بھی قرار نہیں دیا۔

ضمانت تلف اکثر علماء نے امین کے بارے میں اس قسم کی شرطوں کو ناجائز قرار دیا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ اگر شرط ضروری ہی ہو تو ضمانت کی شرط نہ کی جائے بلکہ مال کی قیمت برابر مال ادا کرنے کی شرط کی جائے۔

(دونوں میں فرق یہ ہے کہ مال ادا کرنے کی شرط ایک فعل کی شرط ہے اور ضمانت کی شرط نتیجہ کی شرط ہے اور انسانی اختیار فعل سے متعلق ہوتا ہے نتیجہ، فعل سے نہیں۔ شرط اسی حد تک صحیح رہیگی جہاں تک اختیار رہیگا۔ غیر اختیاری شے کی شرط صحیح نہیں ہے۔ جواہر)

نتیجہ کی شرط کے باطل ہونے کی چند وجہیں قرار دی گئی ہیں۔

(۱) عرف عام میں شرط کرنے کے معنی یہ ہیں کہ شرط کو صاحب شرط کی ملکیت میں دیدیا جائے جیسے سلائی کی شرط کہ یہاں سلائی صاحب لباس کے حوالے کر دی جاتی ہے۔ اور نتائج عمل کسی کی ملکیت اور اس کے اختیار میں نہیں ہوتے کہ کسی کے حوالہ کر دیا جائے لہذا یہ شرط صحیح نہیں ہے۔ عرفی اعتبار سے شرط عمل اور شرط نتیجہ کے معنی میں کوئی فرق نہیں ہے۔ دونوں کے ایک ہی معنی ہیں۔

اس توجیہہ پر متعدد اشکالات کئے جا سکتے ہیں۔ سب سے اہم اشکال یہ ہے کہ عرف عام میں شرط فعل کا مطلب فعل کا مالک بنانا ضرور ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ شرط کرنا ابتدار سے تملیک شرط ہی کی ایجاد کرتا ہے کہ اسے نتائج کے بارے میں ناممکن قرار دیدیا جائے۔

بلکہ حقیقت یہ ہے کہ شرط کرنے کا مفہوم صرف یہ ہے کہ شرط اور صاحب شرط کے درمیان ایک نسبت خصوصیت پیدا کر دی جائے اور اس نسبت کے پیدا کرنے کا امکان افعال میں بھی ہے اور نتائج میں بھی۔

فرق صرف یہ ہے کہ شرط اور صاحب شرط کے درمیان نسبت کی فرد حقیقی قابل ایجاد نہیں ہے صرف وہ خود قابل ایجاد ہے اسلئے نسبت کی ایجاد صرف اعتباری طور پر کی جاتی ہے۔ شرط نتیجہ میں ایسا نہیں ہے۔ وہاں نسبت کی فرد حقیقی بھی قابل انشاء و ایجاد ہے۔

اسلئے کہ شرط فعل ایک امر خارجی ہے اور شرط نتیجہ میں نتیجہ امر اعتباری۔ امر خارجی کی حقیقت انشاء کے عالم میں نہیں لائی جا سکتی لیکن امر اعتباری کی حقیقت بہر حال انشاء کی جا سکتی ہے۔

یہ ساری باتیں اس لئے ہیں کہ ہم نے شرط فعل میں شرط کے معنی مالک بنانے کے تسلیم کر لئے ہیں۔ ورنہ اگر تحقیق کی روشنی میں اس بات سے انکار کر دیا جائے اور یہ کہا جائے کہ شرط کے معنی تملیک کے نہیں ہیں تو اصل دلیل ہی بیکار ہو جائے گی۔ اشکال کا کیا سوال ہے۔؟ اور تحقیق یہی ہے کہ شرط خیاطی کے معنی اصل سلائی کی ضمانت ہے نہ کہ زید والی سلائی کی ضمانت ہے کہ سلائی کو زید کی ملکیت سمجھ کر بحث کی جائے۔

دلیل دوم :- ضمانت کی شرط ان تمام دلائل کے خلاف ہے جن میں امین کی ضمانت انکار کیا گیا ہے۔

یہ شرط مخالف کتاب خدا ہے اور ایسی کوئی شرط صحیح نہیں ہے۔

اس مقام پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ امین کے ضامن نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کی ضمانت کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ نہ یہ کہ کسی دلیل نے اس کی ضمانت کے حکم کو اٹھا دیا ہے۔ اس لئے کہ "علی الید ما اخذت" ہر ہاتھ اس چیز کا ذمہ دار ہے جسے اپنی گرفت میں لے لیا ہے۔ ضمانت کیلئے کافی ہے۔ اب ضمانت کو ختم کرنے کیلئے دلیل کی ضرورت ہے ورنہ یہ ہر امانتدار کے بارے میں ثابت ہے

تحقیق مطلب یہ ہے کہ عدم ضمان کے دلائل کی دو قسمیں ہیں:۔

بعض دلائل وہ ہیں جنھوں نے عنوان امین وغیرہ سے ضمانت کی نفی کی ہے۔

اور بعض وہ ہیں جن میں امین وامانت کا ذکر نہیں ہے بلکہ ہر اس شخص کی ضمانت سے انکار کیا گیا ہے جسے مال مالک کی اجازت سے ملا ہے۔ جیسے کرایہ دار۔ مزدور وغیرہ۔

قسم اوّل کا تعلق لفظ امانت سے ہے اور کھلی ہوئی بات ہے کہ یہ عنوان ودیعت رکھنے والے پر صادق آتا ہے۔ لیکن امین عام پر اس کا صدق صرف اذن مالک کی بنا پر ہوتا ہے۔ عرفاً یہ امین نہیں کہا جاتا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ عرف عام نے اسے امین شمار کرنے کے لئے یہ شرط کی ہے یا نہیں کہ اسے ضامن نہ قرار دیا جائے۔؟

اگر عرف نے یہ شرط کر دی ہے تو ضمانت کی شرط کے بعد یہ امین ہی نہیں رہ جائے گا۔ مزید ضمانت کی بحث بیکار ہے۔

اور اگر عرف عام نے مطلق طور پر امین تسلیم کر لیا ہے چاہے ضمانت کی شرط ہی کیوں نہ کر لی جائے۔ تو یہ دعویٰ صحیح ہے کہ امین کے بارے میں ضمانت کی شرط ان دلائل کے خلاف ہے جن میں امین کے ضامن ہونے کی نفی کی گئی ہے۔

رہ گئی یہ تحقیق کہ ضمانت کی شرط کے بعد امین کا عنوان باقی رہ جاتا ہے یا نہیں۔؟

اس کی تفصیل یہ ہے کہ امانتدار کو مال کا ضامن بنانے کی دو قسمیں ہیں:

کبھی یہ ضمانت آفاتِ سماوی کی بنا پر مال کے تلف ہو جانے سے پیدا ہوتی ہے۔ اور کبھی خود امانتدار کی بے توجہی سے مال کے تلف ہو جانے سے پیدا ہوتی ہے۔

ظاہر ہے کہ اگر ضمانت کی شرط سے مراد سماوی آفتوں کے مقابلہ میں ضمانت ہے تو اس سے امین کا عنوان ختم نہیں ہوتا۔ اسلئے کہ امین خود خیانت نہیں کرتا لیکن آسمان و زمین پر اس کا اختیار نہیں ہوتا۔

لیکن اگر ضمانت کا تعلق خود امانتدار کی زیادتی یا بے توجہی سے ہے۔ تو یہ شرط خود بخود عنوان امین کو ختم کر دیگی۔

جس کو امین مان لیا گیا ہے اس کے خیانت کرنے کا کیا سوال ہے۔؟

روایات میں جمال - حمال وغیرہ کی ضمانت کا تذکرہ اسی احتمال کے اعتبار سے ہوا ہے کہ خود ان کی بات کا اعتبار نہیں ہے اور انہیں دعوائے تلف پر گواہ پیش کرنا پڑیں گے۔

مختصر یہ ہے کہ ایسے اشخاص کو امین شمار کیا جائے تو انہیں ضامن نہیں بنایا جا سکتا۔ اور اگر امین نہ بھی شمار کیا جائے تو بھی روایات اس بات پہ دلالت کرتے ہیں کہ کرایہ دار بھی ضامن نہیں ہو سکتا۔ نتیجہ میں ضمانت کی شرط ان دلائل کے خلاف ہوگی اور ایسی تمام شرطیں ناقابل قبول ہیں جو کتاب وسنّت کے خلاف ہوں۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ شرط ضمانت اور دلائل عدم ضمانت میں کوئی منافات اور تضاد نہیں ہے۔

دلیل عدم ضمانت کا مطلب یہ ہے کہ صرف ہاتھ لگا دینے کی بنا پر امین یا کرایہ دار کو ذمہ دار نہیں قرار دیا جا سکتا۔ اور ضمانت کا مطلب یہ ہے کہ صاحب مال نے الگ سے شرط کرلی ہے کہ جس مطلب کا اقتضاء اصل تسلط نے نہیں کیا تھا اس کی ذمہ داری الگ سے لے لی جائے۔

اس بیان سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ محقق نائینیؒ کی یہ تفصیل کہ "اگر مال پر قبضہ مالکانہ حق کی بنا پر پیدا ہوا ہے جیسے کرایہ دار۔ امانتدار وغیرہ کہ مالکانہ حق کی بنا پر مال کو اپنے ہاتھ میں رکھتے ہیں تو ان کا قبضہ ضمانت نہیں پیدا کر سکتا لیکن اگر یہ قبضہ صرف اجازت کی بنا پر ہے جیسے مزدور کہ وہ مال کو صرف مالک کی اجازت کی بنا پر اٹھا لیتا ہے۔ تو ضمانت کے امکانات موجود ہیں اور ضمانت کی شرط اجازت کی عمومیت کو ختم کر دے گی اور اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ کو مال اٹھانے کا حق ہے لیکن ضائع کرنے کا حق نہیں ہے۔"

قطعاً نامناسب ہے۔ اسلئے کہ شرط ضمانت کا مفہوم خود قبضہ کا ضمانت پیدا کرنا ہے تو یہ شرط ہر مقام پر باطل ہے اور اگر الگ سے ضمانت کا ایجاد کرنا ہے تو اس میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ کرایہ دار ہو یا مزدور۔ امانت دار ہو یا رہن رکھنے والا۔

یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ شرط خود اپنے مضمون کو جائز نہیں بناتی۔ شرط کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ پہلے سے جائز ہو تاکہ شرط کی بنا پر عمل کرنا ضروری ہو جائے۔ اسلئے شرط ضمانت کو جائز کرنے کیلئے شرط سے قطع نظر اس کے جواز کو ثابت کرنا پڑے گا۔

لیکن اس کیلئے عام قوانین کے علاوہ مخصوص روایات ہی بہت کافی ہیں۔ جیسا کہ یعقوب بن شعیب بیان کرتے ہیں کہ "میں نے امام جعفر صادقؑ سے دریافت کیا کہ ایک شخص دوسرے کا مال اجرت پر فروخت کرتا ہے تو کیا اسے ضامن بنایا جا سکتا ہے۔ ؟ آپ نے فرمایا کہ مجھے یہ بات پسند نہیں ہے۔ اس طرح یہ اندیشہ ہے کہ واقعی نقصان سے زیادہ بار عامل کی گردن پر ڈال دیا جائے لیکن اگر وہ خود راضی ہے تو کوئی اعتراض

بھی نہیں ہے۔"

دوسری روایت موسیٰ بن بکر کی عبد صالح امام کاظمؑ سے ہے کہ "میں نے حضرت سے سوال کیا کہ اگر کوئی شخص ملاح سے کرایہ طے کر کے اس کی کشتی پر کھانے کا سامان بار کر دے اور یہ شرط کرے کہ اگر کوئی نقص وارد ہوا تو ملاح ذمہ دار ہو گا تو اس شرط کا کیا حکم ہے۔؟ آپ نے فرمایا ملاح نقص کا ذمہ دار ہے۔"

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ضمانت کی شرط کرنا خلاف شرع نہیں ہے۔ اور جب خلاف شرع نہیں ہے تو شرط بہر حال نافذ رہے گی اور اس عملدرآمد کرنا پڑے گا۔

ضمانت نقص

اب تک ضمانتِ تلف کے بارے میں گفتگو کی جا رہی تھی۔ اب بحث کا تعلق ضمانت نقص سے ہے۔ اور یہ دیکھنا ہے کہ اس ضمانت کی شرط شرعاً صحیح اور نافذ ہے یا نہیں؟

اس ضمانت کا تصور بھی پہلی قسم کی طرح قائم کیا جا سکتا ہے۔ صرف فرق یہ ہے کہ وہاں عین مال کی ضمانت ہے کہ جب وہ تلف ہو گا تب قیمت دینا پڑے گی اور یہاں مالیت کی ضمانت ہے کہ وہ کم بھی ہو جائے تو صاحب ید۔ ذمہ دار ہو گا۔

اس ضمانت کی شرط بھی دو طرح سے کی جا سکتی ہے۔

ابتدائی طور پر الگ سے بھی شرط ہو سکتی ہے اور شرط نتیجہ کے عنوان سے بھی شرط ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ امام صادقؑ سے حلبی کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ "آپ سے دو آدمیوں کے بارے میں سوال کیا گیا جو آپس میں شریک مال تھے اور مال میں فائدہ ہوا۔ مال کا کچھ حصہ دونوں کے ذمہ بطور قرض تھا۔ ایک نے دوسرے سے کہا کہ بقدر سرمایہ مجھے دیدو اور فائدہ اور نقصان کی ذمہ داری تمہارے اوپر ہے۔ کیا یہ طریقہ صحیح ہے۔؟ آپ نے فرمایا اگر یہ شرط کر لی ہے تو کوئی ہرج نہیں ہے۔"

امام نے جواز میں شرط کی قید لگا دی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر دونوں میں الگ سے بطور صلح طے ہو جائے یا خود شرکت کے ذیل میں طے ہو جائے تو مضمون شرط کے جائز ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔

دیکھنا صرف یہ ہے کہ روایت کی کون سی توجیہہ ہے جس کی بنا پر ضمانت نقص پر استدلال کیا جا سکے۔؟

علمار کرام نے روایت کے بہت سے معانی بیان کئے ہیں۔

(۱) ایک شخص کے سرمائے سے اختصاص اور دوسرے کے نفع و نقصان کی ذمہ داری کا مطلب یہ ہے کہ پہلے شخص نے صلح کے ذریعہ یا شرط کی بنا پر۔ خارجی اموال میں سے دوسرے کے ذمہ میں رہنے والے اموال کے برابر اپنا حصہ الگ کر لیا ہے اور مال شرکت سے باہر ہو گیا ہے۔ باقی مال کا وہ ہر اعتبار سے ذمہ دار ہے۔

فائدہ ہو یا نقصان۔

یہ مضمون اپنے مقام پر بالکل صحیح ہے لیکن محل بحث سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ محل بحث غیر مالک کا ضامن ہونا ہے اور اس توجیہہ کا مفہوم مال کا ملکیت میں داخل ہو جانا ہے اور دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

اسکے علاوہ خود یہ مفہوم بھی روایت کے ظاہر کے خلاف ہے۔ ظاہر روایت یہ ہے کہ پہلا شخص سرمایہ سے اپنا حق متعلق سمجھتا ہے اور باقی رکھنا چاہتا ہے اور شرکت ختم کر دینے کا مفہوم اسکے بالکل برعکس ہے۔

(۲) روایت میں ذکر ہونے والی قرارداد کا ماحصل یہ ہے کہ ایک شریک دوسرے شریک کے مال کی قیمت کا ذمہ دار بنتا ہے اور اسکے نقصان کی ضمانت لیتا ہے۔ مالِ شرکت اپنی شرکت پر باقی ہے۔ نہ ایک کا مال دوسرے کی طرف منتقل ہوا ہے۔ صرف ایک شریک نے دوسرے کی ضمانت لے لی ہے اور اس کے خسارہ کا بار اٹھایا ہے اور اس نے شرطِ نتیجہ کے طور پر ہونے والے فائدہ کو اس کی ملکیت بنا دیا ہے۔ اور یہ وہی ضمانت ہے جسکے بارے میں بحث کی جا رہی ہے۔

یعنی ایک شریک نے دوسرے کی مالیت کا ذمہ لیا ہے اور دوسرے نے شرطِ نتیجہ کے طور پر فائدہ اسکے حوالے کر دیا ہے۔ اور جب اصل مضمون کا جواز ثابت ہو گیا تو شریعت میں کوئی حرج نہیں ہے۔ یہ کام صلح کے ذریعہ بھی انجام پا سکتا ہے اور دوسرے عقد لازم کے ذیل میں بھی۔

اس سلسلے میں بعض روایات اور بھی ہیں جو ہمارے مدعا پر دلالت کرتی ہیں۔ جیسے رفاعہ کا بیان کہ "میں نے امام ابوالحسنؑ سے دریافت کیا کہ اگر کوئی شخص دوسرے کے ساتھ کنیز میں شرکت کرے اور یہ طے کرے کہ فائدہ میں آپ برابر کے شریک ہیں اور نقصان کی کوئی ذمہ داری آپ پر نہیں ہے۔؟ تو آپ نے فرمایا کہ اگر صاحبِ کنیز راضی ہے تو میری نظر میں کوئی حرج نہیں ہے۔"

اس روایت کا ظاہر یہ ہے کہ ایک شریک نے دوسرے شریک کی مالیت کی ضمانت لیلی ہے اور شرکت کے باقی رہنے کے باوجود نقصان کو اپنے ذمہ ڈال لیا ہے۔ شرکت کے باقی رہنے کی دلیل یہ ہے کہ فائدہ میں حصہ باقی ہے۔ اور یہی وہ احتمال ہے جو ہم نے گذشتہ روایت میں دیا تھا اور اس کی تائید کی تھی۔

ان بیانات سے معلوم ہو گیا کہ مضاربہ کے عامل کو ضامن بنانا اور اسے مالیت کا ذمہ دار دے کر نقص تک کا ذمہ دار بنا دینا ایک شرعی اور جائز امر ہے۔ چاہے اسے مستقل عقد کے ذریعہ طے کیا جائے۔ یا کسی عقد کے ذیل میں بطور شرط طے کر لیا جائے۔

یہ اور بات ہے کہ مضاربہ کے بعض روایات سے واضح ہوتا ہے کہ ایسی ضمانت کے بعد مالک کو فائدہ میں حصہ لینے کا حق نہیں ہے۔ جیسا کہ محمد بن قیس نے امام محمد باقرؑ سے نقل کیا ہے کہ امیر المومنینؑ نے

فرمایا کہ جس شخص نے تجارت میں نصف فائدہ کی شرط کرلی وہ ضامن نہیں ہوسکتا۔ اور جس شخص نے تاجر کو ضامن بنادیا اسے سرمایہ کے علاوہ کسی فائدہ کا حق نہیں ہے"۔

روایت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ شریعت کی نگاہ میں ضمانت اور منفعت ناقابلِ اجتماع چیزیں ہیں۔ جہاں ضمانت ہوگی وہاں منفعت نہ ہوگی اور جہاں منفعت ہوگی وہاں ضمانت نہ ہوگی۔

بعض علماء نے روایت میں ضمانت کو قرض پر محمول کیا ہے۔ قرض بھی ایک قسم کی ضمانت ہی ہے مقصد یہ ہے کہ اگر مالک نے تاجر کو مال بطور قرض دیدیا ہے اور اُسے عوض کا ضامن بنادیا ہے تو اب فائدہ کا کوئی حق نہیں ہے۔ ورنہ سود لازم آجائے گا۔

یہ بات اپنی جگہ پر صحیح بھی ہے۔ لیکن روایت میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ روایت ہر ضمانت کو شامل ہے۔ قرض ہو یا غیر قرض قرض کی تخصیص کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ یہاں تک کہ اگر شرط ضمانت کے بجائے شرط فعل کر لے اور یہ کہے کہ تلف ہو جانے کی صورت میں اتنی ہی مقدار میں مال ادا کرنا ہوگا۔ جب بھی روایت کا صدق باقی رہے گا۔ اسلئے کہ شرط فعل فلسفی اعتبار سے شرط نتیجہ اور ضمانت سے علٰحدہ چیز ہے لیکن عرف عام میں دونوں کا مفہوم ایک ہے۔

بعض علماء نے روایت کی یہ توجیہہ کی ہے کہ اس میں طرفین کے واقعی ارادہ پر نظر رکھی گئی ہے اور اسی کے اعتبار سے حکم بیان کیا گیا ہے۔ جہاں مالک عامل کو ضامن قرار دیتا ہے وہاں مضاربہ کی واقعی مراد قرض ہو۔ اس لئے سود حرام ہے۔ اور جہاں نصف فائدہ کی شرط کرلی ہے۔ وہاں مضاربہ سے مراد مضاربہ ہے اسی لئے ضمانت صحیح نہیں ہے۔

لیکن مشکل یہ ہے کہ یہ توجیہہ بھی معقول ہونے کے باوجود روایت سے بالکل غیر مربوط ہے۔ روایت کا صاف سا مضمون یہ ہے کہ ضمانت براہ راست فائدہ کی دشمن ہے اور فائدہ بذات خود ضمانت کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا۔ اس میں واقعی یا ظاہری مراد کا کوئی کام نہیں ہے۔

غیر عامل کی ضمانت

ضمانت اور منفعت کا یہی تضاد تھا جس کے پیش نظر ہم نے غیر سودی بینک کے فارمولے میں عامل کے بجائے تیسرے آدمی کو ضامن قرار دیا تھا۔ اور یہ شکل نکالی تھی کہ ضمانت بینک کو لینی چاہیے جو ایک ثالث کی حیثیت رکھتا ہے چاہے یہ ضمانت عقد خاص کے ذریعہ طے ہو یا کسی عقد لازم کے ضمن میں بطور شرط طے ہوجائے۔

بینک اگرچہ خود بھی ایک امین عام کی حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن ہم یہ واضح کرچکے ہیں کہ امین عام کو ضامن

بنایا جاسکتا ہے۔ اس میں بحسب قاعدہ کوئی حرج نہیں ہے۔ اور اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ بحسب قواعد امین کو ضامن نہیں بنایا جاسکتا اور ضمانت صرف مخصوص مقامات پر ممکن ہے۔ جیساکہ عاریت کے بارے میں وارد ہوا۔ تو بھی بینک سے شرط فعل کے عنوان سے قرارداد کی جاسکتی ہے۔ اور صاحب مال یہ کہہ سکتا ہے کہ اگر میرے مال میں کوئی خسارہ ہوا تو آپ کو بقدر خسارہ مال ادا کرنا پڑے گا۔

ضمیمہ ۳

غیر سودی بینک کے کار موں میں ثابت امانتوں کے لینے اور تجار کو دینے کے معاملہ کو مضاربہ کی شکل دی گئی ہے جسمیں امانت گذار مالک ہے اور تاجر عامل۔ بینک صرف درمیان کا واسطہ اور وکیل ہے۔ اسلئے اسے بھی ایک حصہ ملتا ہے۔ یہاں پر بینک کے اسی حصہ کو زیر بحث لایا جارہا ہے کہ اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

واضح رہے کہ غیر سودی بینک کے لئے جو بھی فیصدی حصہ مقرر کیا گیا ہے اس کی بنیاد مضاربہ نہیں ہو۔ مضاربہ صرف عامل کو حصہ دلوا سکتا ہے۔ اور اس کا قانون یہ ہے کہ سارا فائدہ مالک کی ملکیت ہوگا۔ اسکے بعد عامل کا فیصدی حصہ نکال لیا جائے گا۔

بینک نہ مالک ہے اور نہ عامل۔ اس کے حصہ کیلئے دوسرا جواز تلاش کرنا پڑے گا۔
اس مقام پر دو مضاربے بھی فرض نہیں کئے جاسکتے کہ ایک صاحب مال اور بینک کے درمیان ہو۔ اور ایک بینک اور تاجر کے درمیان۔ اس انداز سے کہ پہلے عامل بنانے کا حق حاصل ہو اور خود بھی ایک نیا مضاربہ ایجاد کرسکتا ہو۔
اسلئے کہ اگر پہلے مضاربہ میں بینک کو عامل فرض کرلیا گیا تو اسے مال کا ضامن نہیں قرار دیا جاسکتا ہے۔ اور ضمانت بینک کے لئے لازمی امر ہے۔ اسی بنا پر تو ہم نے بینک کو اجنبی ثالث قرار دیا تھا کہ وہ مال کی ضمانت لے سکے۔
فیصدی حصہ کو بینک کی اجرت بھی نہیں قرار دیا جاسکتا۔ کہ اسے ایک اجارہ فرض کیا جائے اور یہ کہا جائے کہ صاحب مال نے بینک کو اپنے اموال کے راہ تجارت میں لگا دینے کے لئے اجیر بنا دیا ہے۔ اسلئے کہ اس قسم کے اجارہ میں متعدد اشکالات ہیں۔
پہلا اشکال یہ ہے کہ اجارہ میں اجرت کا معلوم ہونا ضروری ہے۔ اور یہاں اجرت غیر معلوم ہے۔

غیر معلوم ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اسکا حصول مشکوک ہے اسلئے کہ ہم یہ واضح کر چکے ہیں کہ مضاربہ میں فائدہ کا حاصل ہونا تقریباً یقینی ہے۔ بلکہ غیر معلوم ہونے کا مقصد یہ ہے کہ اس کی مقدار مجہول ہے اور اجارہ میں مقدار کا معلوم ہونا ضروری ہے۔

دوسرا اشکال یہ ہے کہ اجارہ میں اجیر قرارداد کے ساتھ اجرت کا مالک ہو جاتا ہے۔ اور اجرت کا قابل ملکیت ہونا ضروری ہے چاہے خارجی مال ہو یا صاحب اجارہ کے ذمہ میں ثابت ہو۔ حالانکہ یہاں ایسا کچھ نہیں ہے۔ تجارت سے حاصل ہونے والا فائدہ نہ موجود ہے اور نہ کسی کے ذمہ ثابت ہے۔ صرف مستقبل میں ایک امکان پایا جاتا ہے جس کے بعد اجارہ کی صحت کا کوئی امکان نہیں ہے۔

شرعی اعتبار سے بینک کے حصہ کے چند وجوہ ہو سکتے ہیں۔

(۱) بینک کے حصہ کو جعالہ قرار دیا جائے اور یہ فرض کیا جائے کہ صاحب مال نے یہ اعلان کر دیا ہے کہ جو بھی میرے مال کو تجارت کی راہ میں لگا دے گا اسے اتنے فیصدی رقم دی جائے گی۔

ظاہر ہے کہ بینک کا حصہ یہاں بھی مجہول اور نا قابل تسلیم رہیگا۔ لیکن اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اس لئے کہ اجرت کا معلوم ہونا اور سپرد کرنے کے قابل ہونا اجارہ میں ضروری ہے۔ جعالہ میں ضروری نہیں۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ اجارہ میں اجرت کا استحقاق ابتدا ہی سے ہو جاتا ہے اور جعالہ میں حق، عمل کے اختتام پر پیدا ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ آغاز کار میں منفعت کا کوئی وجود نہیں ہے کہ اسے اجرت کے طور پر دیا جا سکے۔ لیکن انجام کار میں تو منفعت بہر حال موجود ہے اسے بطور فائدہ دیا جا سکتا ہے۔

اکثر روایات میں بھی اس کی مثال موجود ہے۔

محمد بن مسلم نے امام صادقؑ سے یہ روایت کی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی شخص سے یہ کہے کہ میرا کپڑا دس درہم میں فروخت کر دو اور زیادہ میں بک جائے تو زیادتی تمہاری۔ تو کوئی حرج نہیں ہے (حالانکہ زیادتی نہ معلوم ہے اور نہ موجود)

زرارہ کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق سے یہ دریافت کیا کہ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو کسی کو سرمایہ دیکر کہتا ہے کہ جو رقم اس مقدار سے بڑھ جائے وہ تیری ہے! آپ نے فرمایا کہ کوئی حرج نہیں ہے۔

اسکے علاوہ اور بھی روایات ہیں جن میں مقدار جعالہ مجہول اور غیر موجود ہے اور معصومینؑ نے معاملہ کی صحت کا حکم دیا ہے۔

(۲) بینک کے حصہ کو "شرط ضمن عقد" کے طور پر صحیح کیا جائے۔ چاہے اس کی نوعیت شرط نتیجہ کی ہو اور بینک صاحب مال سے کسی عقد کے ذیل میں یہ شرط کرے کہ جب بھی فائدہ ظاہر ہوگا ایک حصہ میرا ہوگا۔

یہ شرط معلق ضرور ہے لیکن کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ بلکہ صاحبِ مال کا فی الحال مالک منفعت نہ ہونا بھی مضر نہیں ہے اسلئے کہ جس وقت کے لئے شرط کی ہے اس وقت مالک ہو جائے گا۔ اور ایسے حالات میں مشروط طریقہ پر انشا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ شرط فعل کے طور پر صحیح کیا جائے اور شرط ملکیت کے بجائے شرط تملیک کا لحاظ کیا جائے۔ یعنی بینک صاحب مال سے یہ معاہدہ کرے کہ فائدہ ظاہر ہونے کے بعد اس مقدار میں فیصدی حصّہ اپنی ملکیت سے میری طرف منتقل کرنا ہوگا۔ براہ راست حصّہ میری ملکیت نہ ہوگا کہ شرط نتیجہ داخل ہو جائے۔

ضمیمہ ۴

ہمارے فارمولے میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ اکثر اوقات عامل حضرات بازیگری کرتے ہیں اور نقصان یا تلفِ مال کا ادعا کرتے ہیں لہذا بینک کا فرض ہے کہ وہ ابتدا ہی سے یہ طے کرے کہ اصل سرمایہ اور فائدہ کی ادنیٰ حد کے خلاف بغیر شواہد کے کوئی دعویٰ قبول نہ کیا جائے گا۔

اس ضمیمہ میں اسی قانون کی شرعی حیثیت پر بحث کی گئی ہے

کھلی ہوئی بات ہے کہ بینک کا یہ قانون اصل قانونِ امانت کے خلاف ہے۔

امانت کا قانون یہی ہے کہ جو مال امین کے قبضہ میں دیدیا گیا ہے اس کے بارے میں اس کے قول پر اعتماد کیا جائے۔ اور یہاں بینک نے بے اعتباری کا قانون بنا دیا ہے۔

اس قانون کو نافذ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ شرطِ فعل کے عنوان سے کسی عقد کے ذیل میں بینک عامل سے یہ شرط کرلے کہ اگر اس نے خسارہ کا دعویٰ کیا اور اسے ثابت نہ کرسکا تو خسارہ کے برابر مال بینک کو دینا پڑیگا۔

یا اسے جعالہ کا عنوان دیدیا جائے اور عامل بینک سے یہ کہے کہ اگر میرے لئے سرمایۂ تجارت فراہم کردیا گیا تو میں خسارہ کی صورت میں اصل سرمایہ اور فائدے کی حدِ ادنیٰ اور بینک کی ثابت اجرت کے برابر رقم بینک کو ادا کروں گا۔ صرف اتنی مقدار کم کر دی جائے گی جو عامل کے پاس باقی رہ جائے یا جس کا تلف ہونا ثابت ہو جائے۔

ضمیمہ ۵

سودی بینک میں جمع ہونیوالی امانتیں درحقیقت امانت نہیں ہیں بلکہ قرض ہیں جن پر سود دیا جاتا ہے۔ غیر سودی بینک کے لئے یہ ضروری ہے کہ انہیں امانت ثابت کیا جائے اور اس کے ساتھ بینک کو ہر تصرف کا اختیار بھی دیا جائے تاکہ سود سے بچات حاصل کی جاسکے۔

سودی بینکوں میں جمع ہونے والی امانتیں فقہی اعتبار سے امانت نہیں ہیں۔ یہ سیدھے سیدھے قرض کی حیثیت رکھتی ہیں جن پر صاحبان امانت کو سود ملتا ہے۔ فقہی نقطۂ نظر سے انہیں ناقص یا کامل کسی قسم کی امانت نہیں قرار دیا جاسکتا۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان اموال کا امانت فرض کرنا محال ہے۔ اور کسی طرح سے بھی انہیں امانت نہ تصور کیا جاسکے جیسا کہ بعض علماء کا خیال ہے کہ "انہیں امانت فرض ہی نہیں کیا جاسکتا۔ ان امانتوں میں مالک بینک کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ مال مالک کی ملکیت پر باقی رہے اور بینک تصرف کرتا رہے ورنہ سارے منافع مالک ہی کے ہو جائیں گے۔ بلکہ مالک کی اجازت کا مطلب بینک کو مالک فرض کر کے اصل مالیت کا ذمہ دار قرار دینا ہے جو قرض کی صحیح تعریف ہے۔

قرض کے معنی ہی ہیں کہ مال کو دوسرے کی ملکیت بنا دیا جائے اور اسے ضامن بھی سمجھا جائے۔ بنابریں بینک کے اموال امانت کی شکل میں ہونے کے باوجود قرض ہیں۔ واقعی امانت سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔"

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان اموال کو شرعی امانت فرض کرنے کے بعد بھی ان سے وہ تمام کام لئے جاسکتے ہیں جو بینک اپنے اموال سے لیا کرتا ہے۔ بینک کے اموال کے تین فوائد ہوتے ہیں۔ ضمانت۔ منفعت اور صاحب مال کو ایک محدود مقدار میں رقم دینا۔

ہماری کوشش یہ ہے کہ ہم ان اموال کو شرعی امانت فرض کرنیکے بعد بھی ان سے یہ تینوں کام لے سکیں۔ چاہے یہ صرف ایک نظری کام ہو اور اس کی عملی شکل نہ ہو۔

ضمانت کا مسئلہ یہ ہے کہ اس کے لئے قرض کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ مستقل عقد کے ذریعہ بھی اسے ثابت کیا جاسکتا ہے جیسا کہ ضمیمہ دوم میں بالتفصیل ذکر کیا جاچکا ہے۔ اور یہ بتایا گیا ہے کہ معاملات کی ضمانت صرف قرضوں سے متعلق نہیں ہے بلکہ خارجی اموال سے بھی اس کا تعلق ہو سکتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ قرضوں میں ضمانت کے معنی قرض کا ایک شخص کے ذمہ سے دوسرے کے ذمہ کی طرف منتقل ہونا ہے اور خارجی اموال میں ضمانت کے معنی یہ ہیں کہ مال صاحب مال کی ملکیت ہی رہیگا لیکن ذمہ داری بینک پر رہے گی۔

بینک کے فائدہ کی صورت یہ ہے کہ اسے عقدِ ضمان ۔ یا عقدِ شرکت یا کسی عقدِ لازم کے ذیل میں شرط کے ذریعہ طے کیا جا سکتا ہے اور بینک صاحبِ مال سے یہ قرارداد کر سکتا ہے کہ مال کی قیمت شرطِ نتیجہ کے طور پر بینک کی ملکیت ہوگی ۔ ابتدائی طور پر قیمت صاحبِ مال کی طرف آئیگی اس کے بعد بلا فاصلہ "بطور شرطِ نتیجہ بینک کی طرف منتقل ہو جائے گی ۔ ابتدائی انتقال معاوضہ کے خلاف ہے لیکن مالک کے واسطے سے انتقال میں کوئی حرج نہیں ہے جیسا کہ محقق نائینیؒ نے شرائط کی بحث میں اعتراف فرمایا ہے ۔

صاحبِ مال کو محدود مقدار میں فائدہ دیئے جانے کی تفسیر یہ ہو سکتی ہے کہ اسے دوسری منزل کی شرط میں استثنار کا درجہ دیدیا جائے اور بینک مالک سے یہ شرط کر لے کہ جس قدر قیمت آتی جائے گی آپ کی ملکیت سے "شرطِ نتیجہ" کے تحت ہماری ملکیت میں منتقل ہوتی جائے گی ۔ صرف ایک محدود مقدار میں آپ کی ملکیت پر باقی رہے گی اور منتقل نہ ہوگی ۔

بینک کی ضمانت کی ایک توجیہہ یہ بھی ممکن ہے کہ بینک صاحبِ مال سے یہ قرارداد کر لے کہ آپ کا ایک ہزار کا مال ہمارے اس بے پناہ مال میں شامل ہو جائے گا جو ذاتی سرمایہ اور کرنٹ سے جمع ہوا ہے اور اب ہزار شخصی" کے بجائے آپ کا مال "ہزار کلّی" ہو جائے گا ۔ فرق صرف یہ ہے کہ اس کلّی کا انحصار انہیں ہزاروں میں رہیگا جو ہمارے خزانے میں محفوظ ہیں ۔ ان کے علاوہ کوئی ہزار اس کلّی کا مصداق نہ ہوگا ۔ جیسا کہ روایتِ شرکت کی توجیہہ میں نقل کیا جا چکا ہے ۔

اس قرارداد کا فائدہ یہ ہوگا کہ جب تک بینک کے سرمائے میں آخری ہزار باقی رہے گا ۔ باقی کے تلف ہو جانے کا صاحبِ مال پر کوئی اثر نہ پڑیگا اس کا مال کلّی ہو گیا ہے اور کلّی کا آخری مصداق باقی ہے ۔

لیکن اسکے ساتھ ساتھ صاحبِ مال ، بینک سے یہ شرط کریگا کہ جب بھی وہ کوئی معاملہ کرے اسمیں یہ خیال رکھے کہ ہمارے ہزار کی مالیت میں فرق نہ آنے پائے ۔ مثال کے طور پر اگر بینک دس ہزار کو پانچ ہزار کے عوض گھاٹے پر بیچنا چاہتا ہو تو قانون کلیت یہ ہو کہ نقصان کا ایک صاحبِ ہزار کو بھی ملے لیکن چونکہ اسنے پہلے ہی سے شرط کر لی ہے کہ معاملات میں میری مالیت کا محفوظ رہنا ضروری ہو اسلئے اس خسارہ کا اثر اس پر نہ پڑے گا اور اس کا مال انطباق کلّی سے محفوظ رہے گا ۔

البتہ اسے منافع میں حصّہ ضرور ملیگا ۔ اسلئے کہ اس کا مال کلّی ہے اور کلّی کے ہر جزء کو منافع میں حصّہ لینے کا حق ہے ۔ اب بینک کا فرض ہے کہ وہ "بطور شرطِ نتیجہ" صاحبِ مال سے طے کرے کہ جو حصّہ فائدہ آپ کی کلّی کی طرف منتقل ہوگا اسے آپ کی ملکیت بننے کے بعد ہماری طرف منتقل ہونا پڑے گا ۔

اس طرح امانت اپنے مالک کی ملکیت پر باقی رہے گی اور فوائد کو قرض کے فوائد کا عنوان دے کر سود نہ کہا جا سکے گا ۔

ضمیمہ ۶

اس ضمیمہ میں ایک بینک کے چک کو دیگر بینک سے کیش کرانے کی فقہی توجیہات پر بحث کی جائیگی اور یہ بتایا جائیگا کہ اسکا شرعی عنوان کیا ہے؟

جس شخص کے نام کوئی چک لکھا جاتا ہے وہ چک کی مقدار بہرحال کا مالک تصور کیا جاتا ہے اور جس بینک کا وہ چک ہے۔ وہ بینک "حامل چک" کا مقروض سمجھا جاتا ہے۔ اب اگر "حامل چک نے" اس بینک کے علاوہ دوسرے بینک سے چک کیش کرانا چاہا تو اس عمل کی چند فقہی توجیہیں ہو سکتی ہیں۔

(۱) کسی بینک سے چک کیش کرانے کا مطلب یہ ہو کہ وہ بینک اس بینک سے رابطہ پیدا کرے جس کا چک ہے اور اسکے ذمہ حامل چک کے قرض کو اپنی طرف منتقل کر کے خود مقروض بن جائے۔

اس مقام پر دو حوالے ہوں گے۔ ایک حوالہ چک لکھنے والے کا اصلی بینک کے نام ہو گا۔ اور دوسرا حوالہ اصلی بینک کا اس بینک کے نام ہو گا جہاں یہ چک کیش کرایا جا رہا ہے۔

اس صورت میں کیش کرنے والا بینک کمیشن بھی لے سکتا ہے۔ اس لئے کہ اس نے اصلی بینک سے اتصال پیدا کرنے اور اس کی طرف سے قرض منتقل کرنے کی زحمت کی ہے اور اسلام میں ہر زحمت پر اجرت طلب کرنے کا حق ہے۔

(۲) کسی بینک سے چک کیش کرانے کا یہ مطلب ہو کہ "حامل چک" اصلی بینک کے ذمہ اپنے قرضہ کو پیش نظر" بینک کے ہاتھ فروخت کرنا چاہتا ہے اور بینک اس قرض کو نقد رقم دے کر خرید رہا ہے تاکہ اصلی بینک کے ذمہ اپنا قرض پیدا کر لے۔

اس صورت میں یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ بینک کو اجرت لینے کا حق نہیں ہے اسلئے کہ قرض کو خریدنے کے بعد وہ خود مقروض ہو گیا اور اب اپنے قرض کو بصورت نقد ادا کرنا چاہتا ہے۔ اور یہ غیر ممکن ہے کہ انسان اپنے قرض کے ادا کرنے میں صاحب قرض سے اجرت وصول کرے۔

لیکن میری نظر میں یہاں بھی اجرت کا امکان ہے اور اس کی شکل یہ ہے کہ بینک قرض خریدتے وقت ہی بقدر کمیشن رقم کم کر دے۔ یا خریداری اس انداز کی ہو کہ بینک چک کی قیمت اور اجرت دونوں کو مجموعی طور پر بقدر چک رقم سے خریدے۔

یہ اور بات ہے کہ اس معاملہ کی صحت کا دارومدار اس بات پر ہے کہ قرض کا کم مقدار میں فروخت

کرنا جائز ہو۔ ورنہ ایسا نہ ہونے کی صورت میں یہ معاملہ باطل ہو جائے گا۔

البتہ ایک صورت ایسی ہے جہاں قرض کی فروخت کمتر پر نہ فرض کیجائے۔ بلکہ مسئلہ کو یوں فرض کیا جائے کہ "پیش نظر بینک" چک کی قیمت کو خریدتے وقت یہ شرط کر لیتا ہے کہ فروخت کرنیوالے کو اصلی بینک سے رقم لاکر دینا پڑیگی۔ اور کھلی ہوئی بات ہے کہ وہ ایسا نہیں کریگا ورنہ براہ راست وہیں چلا جاتا۔ اور جب ایسا نہیں کرے گا تو اس بینک کو یہ کہنے کا حق ہے کہ مجھے اس مزید زحمت کا اجر ملنا چاہیئے۔ اور میری شرط بغیر کسی اجرت کے ساقط نہیں ہو سکتی۔

(۳) کسی بینک سے چک کیش کرانے کا مطلب یہ ہو کہ حامل چک اس بینک کو اپنا وکیل بنا رہا ہے کہ وہ اس کے قرضہ کو اس بینک سے وصول کرے جسکے نام کا یہ چک ہے۔

ظاہر ہے کہ اس صورت میں نہ یہ بینک کیش کرانے سے مقروض ہوگا جیسا کہ پہلی توجیہہ میں تھا۔ نہ اصلی بینک کا قرضخواہ ہوگا جیسا کہ دوسری توجیہہ میں تھا۔ بلکہ "حامل چک" اور اصلی بینک دونوں اپنی حالت پر قرضخواہ اور قرضدار رہیں گے۔ اور بینک صرف ایک وکیل اور واسطہ کا کام کرے گا۔

اور حامل چک جو رقم اس بینک کے اصلی بینک سے رقم وصول کرنے سے پہلے لے رہا ہے وہ اس بینک کا ایک قسم کا قرضہ ہے جسے وہ اصلی بینک سے چک کے ذریعہ وصول کریگا۔ ایسی صورت میں بینک کو اس قرض کی اجرت لینے کا حق نہیں ہے کہ اسے قرض کا سود قرار دیا جائے۔ بلکہ اجرت کا تعلق وکالت چک کیش کرانے سے ہوگا جو قرض دینے اور وصول کرنے کے علاوہ ایک علحدہ زحمت ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اس قرض میں دوسرے بینک کو پہلے بینک سے نقد ہی لینا چاہیئے جو وکالت کا تقاضا ہے۔ حالانکہ عام طور سے ایسا نہیں ہوتا۔

(۴) چک کیش کرانے کو ایک قرض اور ایک حوالہ سے مرکب سمجھا جائے۔ صورت مسئلہ یہ ہو کہ حامل چک "پیش نظر بینک" کے سامنے آکر اس سے بقدر قیمت چک قرضہ لیلے اور جب اس بینک کا مقروض ہو جائے تو اپنے بینک کی طرف حوالہ کردے جو اس "مقروض صاحب چک" کا مقروض ہے۔

یہ حوالہ شرعاً صحیح ہے اور بینک کو اجرت لینے کا بھی حق ہے۔ اس لئے کہ قرض لینے والے کی ذمہ داری ہے کہ جس طرح نقد لیا ہے اسی طرح نقد ادا کرے اب اگر وہ نقد ادا کرنا نہیں چاہتا بلکہ حوالہ کو قبول کرے یا نہ کرے اور قبول کرے تو بغیر اجرت قبول نہ کرے۔

اور یہ اجرت قرض کی مدت کی نہیں ہے کہ اسے سود قرار دیدیا جائے۔ بلکہ یہ دوسرے بینک کے حوالہ کو قبول کرکے نقد کے حق کو ساقط کرنے کی ہے جسے سود سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

ان بیانات سے یہ واضح ہوگیا کہ دوسرے بینک سے چک کیش کرانے کی چار شرعی توجیہیں ممکن ہیں اور ہر صورت میں اجرت اور کمیشن کا حق موجود ہے ۔

حیرت ہے کہ بعض علمائے اعلام نے چک کیش کرانے کو حوالہ کی قسم قرار دیا اور ان کا دعویٰ یہ ہے " کہ کیش کرانے کے معنی یہ ہیں کہ حاملِ چک " پیش نظر بینک " کو اصلی بینک کے حوالے کر رہا ہے ۔ اور حوالہ میں کمیشن لینے کا حق نہیں ہے ورنہ یہ مقروض سے فائدہ ہوگا اور وہ سود ہے " ۔

خدا جانے ان بزرگوار نے چک کیش کرانے کے کون سے معنی مراد لئے ہیں کہ اسے " پیش نظر بینک " کی طرف سے خریداری قرار دیکر اصلی بینک کی طرف حوالہ قرار دیدیا ہے ۔ اگر ان کا مقصد یہ ہے کہ حاملِ چک بینک کے ہاتھ چک فروخت کر رہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ کیش کرنے والا بینک اصلی بینک کے قرضہ کا مالک ہوگیا ۔ ورنہ خود چک کی کوئی مالیت نہیں ہے ۔ اور جب بینک خود ہی اصلی قرضہ کا مالک ہوگیا تو اب حوالہ کس کی طرف ہو رہا ہے ۔ ملکیت خریداری سے آچکی ہے اب خریداری کے بعد حوالہ بے معنی ہے ۔

اور اگر ان کا مقصد یہ ہے کہ صاحبِ چک بینک سے قرضہ لیکر اسے اپنے بینک کا حوالہ دے رہا ہے تو یہاں حوالہ تو ثابت ہوگیا لیکن خریداری کا کوئی ذکر خیر نہیں ہے ۔ خریداری اور حوالہ دونوں کا جمع کر دینا مسئلہ کی تہ تک نہ پہونچنے کا نتیجہ ہے ۔

فقہی اعتبار سے یہ کام چار وجوہ کی بنا پر صحیح ہے اور ہر وجہ کی بنا پر اجرت اور کمیشن لینا بھی صحیح ہے ۔

ضمیمہ ۷

اصلی فارمولے میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ بینک کے ذریعہ رقم منتقل کرنے میں بینک کو کمیشن لینے کا حق ہے ۔ اس مقام پر اس بحث میں ذرا وسعت دی جا رہی ہے تاکہ دوسرے حضرات کے نظریات و دلائل کا تجزیہ کیا جا سکے ۔

اپنے گذشتہ بیانات سے واضح ہوگیا ہے کہ بعض اعلام کی طرف سے کمیشن کی ایسی توجیہ جو رقم منتقل کرنے کی صرف بعض صورتوں میں جائز ہو ۔ نامناسب اور محل اشکال ہے ۔ ان بزرگوار کا کہنا یہ ہے کہ تحویل اور ٹرانسفر کی دو قسمیں ہیں ۔

ایک صورت یہ ہے کہ نجف کے بینک کو رقم دیکر بغداد میں وصول کیجائے ۔ اور دوسری صورت

یہ ہے کہ نجف میں لیکر بغداد میں ادا کی جائے۔

پہلی صورت میں بینک مقروض ہے اسلئے کمیشن لے سکتا ہے۔ دوسری صورت میں مالک صاحب قرض ہے۔ اسلئے نہیں لے سکتا ہے ورنہ سود لازم آئے گا۔"

حالانکہ تحقیق یہی ہے کہ دونوں صورتوں میں کمیشن لینا جائز ہے۔ اور وہ اسطرح کہ کمیشن کو قرض کے مقابلہ میں نہ قرار دیا جائے کہ سود بن جائے بلکہ یوں شرعی توجیہہ کی جائے کہ قاعدہ کے اعتبار سے جس جگہ قرض دیا جاتا ہے وہیں ادائیگی بھی ضروری ہے یہی اطلاق مقام کا تقاضا ہے اور یہی عقل کا اصول ہے۔ اب اگر قرض لینے والا اس جگہ کے بجائے دوسری جگہ قرض ادا کرنا چاہتا ہے تو مالک کو اختیار ہے کہ وہ اجرت لئے بغیر اس تبدیلیٔ مکان پر راضی نہ ہو۔

نجف کے قرض کو نجف میں ادا ہونا چاہیئے۔ بغداد میں قبول کرنا نہ کرنا بینک کا اختیار ہے اور وہ اپنے حق کو ساقط کرنے کی اجرت لے سکتا ہے ــــــــــــــ

ضمیمہ ۸

غیر سودی بینک کے فارمولے میں یہ واضح کیا جا چکا ہے کہ بینک کے لئے شرعاً پرونوٹ وغیرہ کیش کرنے کی اجرت لینا جائز ہے۔ اب محل کلام یہ ہے کہ اس کا موقع کب ہے؟

پرونوٹ لکھوانے والے سے کمیشن لینے کا حق صرف مقروض سے قرض کا مطالبہ کر دینے سے پیدا ہوتا ہے یا قرض وصول کر لینے کے بعد۔؟

بعض اعلام نے اس موضوع کو محل بحث قرار دیا ہے۔ اور یہ تحقیق کی ہے کہ اس مسئلہ کا تعلق کمیشن کی نوعیت سے ہے کہ وہ اجرت ہے یا جعالہ۔؟

اگر اجرت ہے تو اس کا استحقاق صرف مطالبہ ہی سے پیدا ہو جائے گا اور اگر جعالہ ہے تو اس کا استحقاق عمل کے تمام ہونے سے پہلے نہیں ہو سکتا۔"

حالانکہ صحیح یہ ہے کہ یہ بنیاد ہی غلط ہے۔ اس مسئلہ کا تعلق جعالہ اور اجارہ سے نہیں ہے۔ بلکہ اس کا تعلق دونوں کے موضوع سے ہے کہ اجارہ یا جعالہ کا موضوع کیا ہے؟ صرف مطالبہ کر دینا یا رقم کا وصول کر لینا۔؟

اور اس مطلب کی تحقیق یہ ہے کہ کبھی بینک کے لئے قرض کا وصول کرنا ممکن ہوتا ہے اور کبھی نہیں!

اگر قرض کا وصول کرنا ممکن ہے چاہے وہ خوشامد سے ہو یا عدالت سے۔ تو صاحبِ قرض کو حق ہے کہ وہ جعالہ کی طرح اجارہ میں بھی یہ شرط کر دے کہ رقم وصول کئے بغیر کسی اجرت کا حق نہ ہوگا۔

اور اگر قرض کی وصولیابی ممکن نہیں ہے تو نہ یہ شرط اجارہ میں جائز ہے اور نہ جعالہ میں۔ بلکہ صرف مطالبہ کر دینے پر جعالہ بھی ملے گا اور اجرت بھی۔

مسئلہ صرف یہ ہے کہ اگر بینک کے لئے کسی بھی صورت سے قرض کا وصول کرنا ممکن نہیں ہے تو کیا ایسے حالات میں بھی جعالہ و اجارہ میں یہ شرط ہو سکتی ہے کہ پہلے رقم وصول ہو جائے اسکے بعد مقررہ رقم یا اجرت دی جائے گی۔

اس مسئلہ کا حل یہ ہے کہ اجارہ میں یہ ایک مسلمہ شرط ہے کہ جبتک فعل اجارہ ممکن نہ ہوگا اجارہ صحیح نہیں ہو سکتا۔ اور اجارہ کی صحت کے معنی یہ ہیں کہ اجیر اس منفعت کا مالک ہو جس کے لئے اجیر بنایا گیا ہے تاکہ وہ اسے مالک کے حوالہ کر سکے۔ مثال کے طور پر اجرت پر سلائی کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ سلائی کرنا اسکے امکان کے اندر ہو۔ ورنہ اگر وہ خود سلائی پر قادر نہیں ہے تو اجرت دینے والے کے حوالے کیا کریگا۔؟

اور جب اجارہ کی صحت کے لئے قدرت و اختیار ضروری ہے تو جس مقام پر بینک کے امکان میں رقم کا وصول کرنا نہ ہوگا اس مقام پر رقم کی وصولی کے لئے اجیر بنانا یا بننا ہی غلط ہوگا۔ البتہ اگر مقروض رقم دینے کیلئے تیار ہے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے اس لئے کہ جتنے مقدمات اپنے اختیار کے ہیں وہ سب اجیر نے فراہم کر لئے ہیں۔ اور ایک مقدمہ جو مقروض کے ہاتھ میں ہے یعنی ادائیگی۔ اس کے لئے وہ خود حاضر ہو گیا ہے۔ اس کی حاضری اور تیاری کے بغیر اجارہ کی صحت کا امکان نہیں ہے۔

مسئلہ یہ ہے کہ اگر مقروض کی آمادگی مشکوک ہو جائے اور اسکے نتیجہ میں اجیر کی قدرت میں شبہ ہو جائے تو ایسے حالات میں اجارہ مطلقاً باطل ہو جائے گا۔ یا اس کا تعلق حقیقت واقعہ سے ہوگا۔ کہ واقعاً قدرت ہو گی تو اجارہ صحیح ہو جائے گا۔ اور واقعاً قدرت نہ ہو گی تو اجارہ باطل ہو جائے گا۔ اسلئے کہ اجیر اس شے کی تحویل کی ذمہ داری لے رہا ہے جو اس کے امکان میں نہیں ہے۔

اس احتمال پر یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ اس طرح اجارہ معلق ہو جائے گا اور معلق اجارہ صحیح نہیں ہے۔ اسلئے کہ اس مقام پر معاملۂ اجارہ معلق نہیں ہے اجارہ تو حتمی طور پر ہو رہا ہے۔ صاحبِ قرض اجیر بنا رہا ہے۔ اور بینک مثلاً اجیر بن رہا ہے۔ شبہ اجارہ کی صحت میں ہے خود اجارہ میں نہیں ہے اور کھلی ہوئی بات ہے کہ معاملات کا معلق ہونا مضر ہے لیکن ان کی صحت کا معلق ہونا مضر نہیں ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر اسے اجارہ کی تعلیق بھی کہدیا جائے تو بھی اجارہ باطل نہ ہوگا ۔ اسلئے کہ باطل ہونے کا سبب معاملات کا خارجی امور پر معلق ہونا ہے اور یہاں اجارہ خود اپنے ارکان کی تمامیت پر معلق ہو جسمیں کوئی مضائقہ نہیں ہے ۔

واضح لفظوں میں یوں کہا جائے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اگر حاجی حضرات واپس آگئے تو آپ اجیر ہیں ورنہ نہیں، تو یہ اجارہ معلق ہے اور مشکوک ۔ اور اس کی صحت کا امکان نہیں ہے ۔ لیکن اگر یوں کہا جائے کہ اگر ارکانِ عقد تمام ہو گئے تو آپ اجیر ہیں ۔ تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے ۔

اب اگر ہمارا مسلک یہ ہے کہ اختیار کے مشکوک ہونے کی صورت میں اجارہ باطل ہے چاہے واقعتًا قدرت موجود ہو ۔ تو قرض کے وصول کرنے پر اجرت کا مقرر کرنا غلط ہے ۔ اسلئے کہ بینک کی قدرت مشکوک ہے اور شک کی صورت میں یا تعلیق لازم آئے گی یا فریب ۔ اور دونوں صحیح نہیں ہیں ۔ اسلئے ضرورت ہے کہ اجارہ کا تعلق صرف مطالبہ کرنے سے ہو اور مطالبہ ہی پر اجرت کا استحقاق پیدا ہو جائے ۔

لیکن اگر ہمارا مسلک یہ ہے کہ اجارہ واقع امر کا تابع ہے واقعتًا قدرت ہے تو صحیح ورنہ باطل ۔ تب بھی ایسا اجارہ ممکن ہے جہاں بغیر وصولیابی کے اجرت نہ دینا پڑے اور اس کی شکل یہی ہے کہ اصل وصولیابی پر اجارہ طے کیا جائے تاکہ بینک وصولیابی کے بغیر اجرت نہ مانگ سکے ۔ اور وصولیابی ممکن نہ ہو تو اجارہ باطل ہو جائے ۔ ہاں اگر رقم وصول کرلے تو اجرت کا استحقاق پیدا ہو جائے گا ۔ اور یہ علامت ہوگی کہ قدرت موجود تھی اور قدرت کے موجود ہونے کی شکل میں اجارہ صحیح ہے ۔

اس اختلاف میں صحیح یہی معلوم ہوتا ہے کہ اجارہ کی صحت واقع امر کی تابع ۔ واقعتًا قدرت ہے تو صحیح ورنہ باطل ۔

اس مسلک پر یہ اعتراض کرنا کہ اجارہ میں قدرت کے شرط ہونے کے دو اسباب ہیں ۔

ایک یہ کہ قدرت اجیر کے مالکِ منفعت ہونے میں دخیل ہے اور جبتک وہ منفعت کا مالک نہ ہوگا اس وقت تک دوسرے کے حوالے نہیں کرسکتا ۔ سلائی پر قدرت نہ رکھنے والا دوسرے کو سلائی کا مالک نہیں بنا سکتا ۔

دوسری بات یہ ہے کہ اجارہ میں عملِ اجارہ کے سپرد کرنے پر قدرت ضروری ہے اور جب اجیر سپردگی پر قادر نہیں ہے تو اجارہ باطل ہے چاہے واقعتًا قدرت رکھتا ہی کیوں نہ ہو ۔

واقعی قدرت ملکیت کی شرط کو پورا کرسکتی ہے ۔ کہ وہاں واقعی ملکیت کافی ہے ملکیت کا علم ضروری نہیں ہے ۔ لیکن تسلیم کی شرط اس واقعی قدرت سے پوری نہیں ہوسکتی اس کا معیار غرر اور دھوکہ ہے اور

جبتک قدرت کا علم نہ ہو گا دھوکے کا امکان باقی رہے گا۔

یہ اعتراض بے بنیاد ہے۔ اسلئے کہ اگر اجارہ میں تسلیم پر قدرت کو شرط مان ہی لیا جائے تو اس کی بنیاد دھوکہ نہیں ہے۔ فریب و غرر والی روایت "نھی النبی عن الغرر" سند و دلالت دونوں اعتبار سے ضعیف اور بے اصل ہے۔ بنیاد اجماع ہے اور اجماع میں قدر متیقن وہی صورت ہے جہاں واقعاً قدرت نہ ہو۔ قدرت کے علم کی ضرورت نہیں ہے۔

یہ تمام باتیں اجارہ سے متعلق تھیں۔ رہ گیا جعالہ۔ تو وہاں بھی مسئلہ کی ایسی تعبیر ممکن ہے کہ قرض کی وصولیابی سے پہلے مقررہ مقدار کا حق نہ پیدا ہو۔ اور اس کی دو صورتیں ہیں۔

(۱) ابتدا سے رقم قرض کی وصولیابی ہی پر مقرر کی جائے۔ صرف مطالبہ پر کوئی رقم نہ رکھی جائے۔

اعتراض صرف یہ ہو گا کہ بر بنائے مشہور عملِ جعالہ پر بھی قدرت ضروری ہے اور یہاں قدرت مشکوک ہے۔ لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ جعالہ میں منفعت کی تملیک کا کام نہیں ہوتا کہ اجارہ کا پہلا اعتراض لازم آجائے۔ اور نہ جعالہ والے سے فی الفور کوئی مواخذہ ہوتا ہے کہ غرر و فریب کا خیال پیدا ہو جائے۔

جعالہ کا معیار یہ ہے کہ جب عمل تمام ہو جائے تب صاحبِ جعالہ سے رقم مانگنے کا حق پیدا ہوتا ہے۔ اب اگر کام تمام نہیں ہو سکتا تو کوئی جھگڑا ابھی نہیں ہے۔ معاملہ مشروط تھا اور جب شرط ہی نہیں ہے تو رقم کا کیا سوال۔؟

بنا بریں جعالہ میں عمل پر قدرت کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ اور بات ہے کہ عدم امکان کی صورت میں جعالہ ایک احمقانہ عمل معلوم ہوتا ہے۔ لیکن یہ بھی اسی وقت ہے جب عدم امکان معلوم ہو۔ مشکوک ہونے کی صورت میں یہ اشکال بھی لازم نہیں آتا۔ ایسی صورت میں جعالہ قرار دینا ممکن ہے اور قرضخواہ یہ کہہ سکتا ہے کہ اگر آپ میرا قرض وصول کرا دیں گے تو اس قدر رقم دی جائے گی۔

(۲) مقررہ رقم کو مطالبہ ہی پر قرار دیا جائے لیکن یہ قید لگا دی جائے کہ مطالبہ اس ماحول میں کیا جائے جب مقروض قرض کی ادائیگی کے لئے تیار ہو۔ یہ جعالہ معلق ضرور ہو جائے گا لیکن ایسی تعلیق میں کوئی حرج نہیں ہے۔ جعالہ صرف ضمانِ تلافی کے تقاضوں کی تجدید ہے اور کچھ نہیں ہے۔ ایسے معاملات میں تعلیق وغیرہ سب کچھ ہو سکتی ہے۔

یہ ضرور ہے کہ بینک رقم کا حقدار اسی وقت ہو گا جب استعداد کے عالم میں تقاضا کرے اور ایسے عالم میں تقاضا کرنے کا مطلب قرض کا وصول ہو جانا ہے۔

ان بیانات سے واضح ہو جاتا ہے کہ بینک کا مطالبہ یا وصولیابی پر کمیشن کا مستحق ہونا نہ اجرت پر موقوف ہے نہ جعالہ پر۔ بلکہ دونوں کی ایسی توجیہیں ہو سکتی ہیں جن میں وصولیابی پر بھی کمیشن لیا جا سکتا ہے۔ اور صرف مطالبہ پر بھی۔

ضمیمہ ۹

اس بحث میں بینک کے پرونوٹ قبول کرنے پر مفصل فقہی مطالب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ بینک کے قبول کرنیکا مطلب ایک قسم کی ذمہ داری ہے کہ اگر مقروض رقم کو ادا نہیں کریگا تو بینک ادا کر دیگا۔ فارمولے میں وضاحت کی جا چکی ہے کہ یہ ذمہ داری شرعاً صحیح ہے۔ اس وقت اس کی شرعی توجیہ کی جا رہی ہے۔

واضح رہے کہ بینک کی ذمہ داری کا مطلب یہ نہیں ہے کہ پرونوٹ کا قبول کرنا بھی کوئی ضمانت ہے۔ اس لئے کہ فقہی اعتبار سے ضمانت کے معنی یہ ہیں کہ قرض ایک شخص کے ذمہ سے دوسرے کی طرف منتقل ہو جائے اور بینک کے قبول کرنے میں ایسا کچھ نہیں ہوتا۔

اور اگر ضمانت کا یہ مطلب ہے کہ دونوں ذمہ دار قرار دیدیے جائیں تو یہ ضمانت شرعاً باطل ہے۔

ضرورت ہے کہ بینک کی ذمہ داری کی کوئی ایسی توجیہہ کیجائے جس میں نہ قرض ایک شخص کے ذمہ سے دوسرے کے ذمہ کیطرف منتقل ہونے پائے۔ اور نہ دونوں ذمہ دار قرار پا جائیں تاکہ فقہی ضمانت سے ہٹ کر قبول کے ایک معنی نکل آئیں۔

یہ توجیہہ یہ ہے کہ بینک اصل قرض کا ذمہ دار نہیں ہے کہ وہ اس کے ذمہ کی طرف منتقل ہو جائے بلکہ قرض کی ادائیگی کا ضامن ہے اور کھلی ہوئی بات ہے کہ مال کی ضمانت اور ہے اور ادائیگی کی ضمانت اور۔

اور اگر یہ تصور کیا جائے کہ یہ بھی ضمانت کا دوسرا مفہوم ہے جہاں دونوں ذمہ دار قرار پا جاتے ہیں۔ اسلئے کہ اس مقام پر مقروض بھی ذمہ دار ہے اور بینک بھی ذمہ دار بن گیا ہے اور یہی دوسرے قسم کا کوئی وجود نہیں ہے۔؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ضمانت کی قسم دوم کا مفہوم یہ ہے کہ دونوں اصل مال کے ذمہ دار ہوں اور مسئولیت کا تعلق مال قرض سے ہو اور یہاں ایسا نہیں ہے۔ یہاں مقروض کی مسئولیت کا تعلق اصل قرض سے ہے اور بینک کی ذمہ داری کا تعلق قرض کی ادائیگی سے ہے۔ اور کھلی ہوئی بات ہے یہ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔

دلیل یہ ہے کہ صاحبِ قرض کو ابتدائی طور پر بینک کی طرف رجوع کرنیکا حق نہیں ہے۔ بلکہ پہلے اپنے مقروض سے مطالبہ کرے گا۔ اور جب وہ ادا نہ کر سکے گا تو بینک سے رجوع کریگا کہ وہ قرض کو ادا کرائے "ادا" خود بھی ایک قیمتی شئے ہے اور وہ مقروض کے انکار سے تلف ہو رہی ہے۔ اب جس نے اس قیمتی شئے کی ذمہ داری لی ہے اس کا فرض ہے کہ وہ اسے مہیا کرے۔ اور ادائیگی کے مہیا کرنے کا نتیجہ قرض کے وصول ہو جانے کی صورت میں ظاہر ہوگا۔

ضمانت کا یہ تیسرا تصور۔ شرعاً بالکل صحیح ہے۔ اس کی دلیل عقلاء عالم کا رجحان بھی ہے اور "اوفوا بالعقود" کا عموم بھی۔

یہ اور بات ہے کہ "اوفوا بالعقود" (اپنے عقود کو وفا کرو) سے تمسک کے لئے ضروری ہے کہ پہلے عقلاءِ عالم کی نگاہوں میں معاملہ کا عقد ہونا ثابت ہو جائے۔ اور عقد کا مفہوم یہ ہے کہ معاملہ دو طرف کے التزام سے وابستہ ہو۔ اور دونوں ایک دوسرے سے ربط رکھتے ہوں تاکہ باہمی عقد کہا جا سکے۔ ورنہ اگر اس ضمان کا تعلق ایک طرف سے ہو جائے گا تو اسے "ایقاع" کہیں گے عقد نہ کہیں گے۔ اور قرآن حکیم نے عقود سے وفا کرنے کا حکم دیا ہے۔ ایقاعات سے نہیں۔

رہ گئی یہ بات کہ کسی معاملہ کے بارے میں یہ کیسے طے کیا جائے اس کا مضمون یک طرفہ ہے یا دو طرفہ۔؟

تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ معاملہ کے مضمون پر غور کیا جائے کہ اس میں صرف ایک شخص کا اختیار کام کر رہا ہے یا دو آدمیوں کا باہمی اختیار کام کر رہا ہے۔ اگر ایک آدمی کا اختیار ہے تو ایقاع ہے۔ ورنہ عقد۔ اسلئے کہ عقد کے لیے طرفین کا اختیار و التزام ضروری ہے۔ جیسے نکاح۔ تجارت۔ اجارہ وغیرہ اس مقام پر یہ دیکھنا پڑیگا کہ ضمانت کے تیسرے معنی میں ضمانت صرف ضامن کے اختیار میں ہو یا اس میں ضامن اور مضمون لہ (جسکے لئے ضمانت کی گئی ہو) دونوں کا اختیار کام کر رہا ہے۔؟ اگر صرف ضامن کا اختیار ہے تو آیت سے استدلال بیکار ہو۔ اور اگر دونوں کے اختیار میں ہے تو عقد ہے اور عقد سے وفا بنص آیت واجب ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ضمانت کے یہ معنی عقد نہیں بن سکتے اور نہ یہاں صاحبِ قرض و ضمانت کے اختیار کے صرف ہونے کی کوئی ضرورت ہے۔ اس ضمانت میں اسکے امور میں مداخلت کا کوئی سوال نہیں ہے۔ اسلئے اس سے ربط بھی نہیں ہے جس کا دل چاہے ادائیگی کی ضمانت لے لے۔ وہ اپنے قرض کو اپنے مقروض ہی سے طلب کریگا۔ شرعی ضمان میں ایسا نہیں ہوتا۔ وہاں قرض ایک ذمہ سے دوسرے ذمہ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ اسلئے جسکا قرضہ ہے اس کی مرضی ضروری ہو۔ یہاں ایسی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

لیکن یہ خیال غلط ہے۔

یہ بات صحیح ہے کہ عقد کے لئے دو طرف کا التزام ضروری ہے۔

یہ بھی صحیح ہے کہ عقد میں دو آدمیوں کا اختیار صرف ہوتا ہے۔

لیکن یہ کوئی عقلائی رجحان نہیں ہے کہ دونوں افراد کے امور میں ایک ساتھ تصرف کیا جائے۔ ایک طرف کا تصرف بھی عقد کے لئے کافی ہے۔ جیسا کہ ہبہ میں ہوتا ہے کہ تصرف صرف ہبہ کرنیوالے کے مال میں ہوتا ہے اور تمام عقلاء اسے عقد تسلیم کرتے ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ تیسرے معنی کی ضمانت ایک امر شرعی ہے جس میں کسی اشکال کی گنجائش نہیں ہے۔

رہ گئے وہ روایات جن میں ضمانت کے معنی ایک شخص کے ذمہ سے دوسرے کی طرف منتقل ہونا بیان کیا گیا ہے۔

تو ان کا حل یہ ہے کہ ان میں اور ہمارے معنی میں کوئی تضاد نہیں ہے۔

ان روایات کا تعلق اس ضمان سے ہے جسکا موضوع اصل مال ہوتا ہے اور ہمارے معنی کا تعلق اس ضمان سے ہے جس کا موضوع مال کے بجائے اس کی ادائیگی ہے۔

ان تمام بیانات سے واضح ہو جاتا ہے کہ بینک کے پرونوٹ قبول کرنے کی یہ تیسری تفسیر بالکل صحیح ہے۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بینک قیمت کی مقدار میں مال کا ذمہ دار ہو جائے گا۔ لیکن یہ ذمہ داری نہ اصل مقروض کے برابر میں ہوگی اور نہ اس کے ساتھ۔ بلکہ اس کے بعد ثانوی درجہ میں۔ کہ اگر اس نے قرض کو ادا نہ کیا تو بینک ادائیگی کا ذمہ دار ہوگا۔

ضمیمہ ۱۰

اس ضمیمہ میں بینک کے ان ضمانتی خطوط پر فقہی بحث کیجائے گی جنہیں بینک ٹھیکداروں کی ضمانت میں لکھ دیا کرتا ہے اور اس کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ اگر پلانٹ مکمل نہ ہوا تو اسی مقدار میں رقم جہت ادارہ کو دیجائے گی۔

جن مقامات پر بینک ایسے ضمانتی خطوط صادر کرتا ہے۔ وہاں ٹھیکدار پہلے سے کسی عقد و عہد کے ذریعہ جہت ادارہ سے یہ قرارداد کر لیتا ہے کہ اگر میں نے کام پورا نہیں کیا تو اسقدر رقم جہت ادارہ کو ادا کروں گا۔

بینک کا کام صرف اس امر کی ضمانت ہوتا ہے کہ اگر اس شخص نے رقم ادا نہ کی تو میں یہ مقدار ادا کروں گا۔

یہ شرط اپنے مقام پر بالکل صحیح ہے۔

ضرورت صرف یہ ہے کہ ٹھیکیدار کے کام نہ کرنے سے اصل معاملہ باطل نہ ہوجائے۔ ورنہ شرط کی کوئی جگہ نہ رہ جائے گی۔

مثال کے طور پر اگر اجارہ کا تعلق کسی خارجی منفعت سے ہے اور وہ اجیر کے اختیار سے باہر نکل گئی تو اجارہ خود ہی باطل ہوجائے گا۔ شرط کا کیا ذکر ہے۔

ایسے حالات سے بچنے کے لئے شرط کا ایسا رخ اختیار کرنا چاہیئے جہاں معاملہ کی صحت و عدم صحت سے شرط متاثر نہ ہونے پائے۔

شرط کے صحیح ہونے کے بعد جہت ادارہ کا ٹھیکیدار پر یہ حق پیدا ہوجاتا ہے کہ وہ کام پورا نہ کرنے کی شکل میں مخصوص مقدار میں رقم وصول کرے۔

شرعی اعتبار سے شرط کی تین صورتیں ممکن ہیں۔

(۱) شرط کا تعلق نتیجہ سے ہو اور ادارہ یہ شرط کرے کہ کام پورا نہ ہونیکی صورت میں ادارہ ٹھیکیدار کے مخصوص مال کا خود بخود مالک ہوجائے گا۔

(۲) شرط کا تعلق فعل عام سے ہو کہ ادارہ کو کام پورا نہ ہونے کی صورت میں اتنے مال کا مالک بنایا جائے

(۳) شرط کا تعلق فعل خاص سے ہو۔ اس طرح کہ کام مکمل نہ ہونے کی صورت میں ٹھیکیدار ادارہ کو مال دے۔

ان دونوں صورتوں کا فرق یہ ہے کہ دوسری صورت میں کوئی شخص بھی رقم ادا کر سکتا ہے۔ وکالت ونیابت کی ضرورت نہیں ہے لیکن تیسری صورت میں خود ٹھیکہ دار کو ادا کرنا ہوگا۔

یہ توہم نہ ہونا چاہیئے کہ ٹھیکیدار سے صرف اسی کے عمل کی شرط ہوسکتی ہے۔ دوسرے کے عمل کی شرط بے معنی ہے۔ اسلئے کہ یہاں دوسرے کے عمل کی شرط نہیں ہے بلکہ ایک قدر مشترک کی شرط ہے جس کا انطباق اپنے اور غیر دونوں کے عمل پر ہوسکتا ہے۔ اور اس مقدار میں قدرت شرط کے لئے کافی ہے جیسا کہ احکام تکلیفیہ میں بیان کیا گیا ہے کہ مکلف اور غیر کے عمل کا قدر مشترک قابل طلب ہے۔ فرق یہ ہے کہ مطلوب اصلِ وجود عمل ہوگا۔ کسی خاص شخص کا عمل نہ ہوگا۔

شرط کی تینوں صورتوں کے واضح ہونے کے بعد یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ پہلی قسم شرط باطل ہے۔ ابتدائی طور پر ٹھیکیدار کو کسی رقم کا مشغول الذمہ بنا دینا اور اسکے مال کو اپنی طرف منتقل کر لینا ایک ایسی شرط ہے جس کی شریعت

میں کوئی نظیر نہیں ہے ۔ اور جب شریعت میں ایسی شرط ثابت نہیں ہے تو وفائے شرط کے دلائل بھی بیکار ہیں ۔ یہ دلائل جائز شرطوں کے بارے میں ہیں ۔ شرطوں کو جائز نہیں بنایا کرتے ۔

رہ گئیں باقی دو صورتیں ۔ تو یہ صحیح و معقول ہیں ۔ اور ان کی معقولیت کے بعد یہ بحث ہوگی کہ بینک کی ضمانت کے معنی کیا ہیں اور بینک اس شرط کو کس طرح اپنے ذمہ لے سکتا ہے ۔ ؟

اس کی صورت یہ ہے کہ ہم ضمانت کی تیسری قسم کا حوالہ دیں گے اور بینک کو پرونوٹ کی طرح ضامن قرار دیں گے ۔ فرق صرف یہ ہوگا کہ وہاں مقروض کی ضمانت لیگئی ہے اور یہاں مشروط کی ۔ وہاں ادائے قرض کی ضمانت تھی ۔ یہاں ادائے شرط کی ضمانت ہے ۔ اور دونوں ہی باتیں عقلی رجحانات کے موافق ہیں ۔

رہ گئی بینک سے ادائے قرض یا ادائے شرط کا مطالبہ کرنے کی توجیہہ ۔ تو اس کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں ۔

(۱) یہ ذمہ داری جسے ضمانت کے معنی قرار دیا گیا ہے ۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ بینک نے ادائے دین یا ادائے شرط کی اسی طرح ضمانت لیلی ہے جسطرح غصبی مال غاصب کی ضمانت میں ہوتا ہے کہ تلف ہونے کے بعد غاصب اس کی قیمت کا ذمہ دار ہوتا ہے ۔

فرق صرف یہ ہے کہ غاصب کی ذمہ داری قہری ہوتی ہے اور بینک نے ذمہ داری اپنے اختیار سے لی ہے ۔ وہاں مال کے تلف ہوجانے پر قیمت کی ذمہ داری تھی اور یہاں شرط کے تلف ہو جانے پر قیمت کی ذمہ داری ہے ۔

ادائے شرط کی شرط خود ایک قیمتی شے ہے جس کی عقلاء کی نظر میں ایک قیمت ہے اور جیسے ہی ٹھیکیدار رقم دینے سے انکار کر دے گا یہ شرط فوت ہو جائے گی اور جیسے ہی شرط فوت ہو جائے گی بینک پر ادائگی کی ذمہ داری آجائے گی ۔

اس تحقیق کی بنا پر شرطِ فعل کی دونوں قسموں میں کوئی فرق نہیں ہے اور بینک دونوں صورتوں میں ادائے شرط کی ذمہ داری لے سکتا ہے ۔

یہ اور بات ہے کہ بعض حضرات نے اس بیان پر یہ اشکال کیا ہے کہ شرط کی دوسری قسم تو بینک کی ذمہ داری میں آسکتی ہے لیکن تیسری قسم نہیں آسکتی ۔ اس لئے کہ تیسری قسم میں ٹھیکیدار کے براہ راست ادا کرنے کی شرط ہے اور ایسے شرائط کے دوسرے کی طرف منتقل ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے ۔ قدر مشترک کسی کے ذمے ڈالا جاسکتا ہے ۔ لیکن حصہ خاص ناقابل انتقال ہے ۔

لیکن اس اشکال کی کوئی حقیقت نہیں ہے ۔ اسلئے کہ ایک شخص دوسرے کے عمل کا ذمہ دار ہوسکتا ہے بشرطیکہ اس سے عمل انجام دلانے کی طاقت رکھتا ہو ۔ جسطرح کسی آدمی کی کفالت کے بارے میں

ہوتا ہے کہ یہ فلاں موقع پر حاضر ہو جائے گا۔ ظاہر ہے کہ حاضری اس مکفول کا کام ہے لیکن ضمانت دوسرا آدمی لے رہا ہے اور یہ ضمانت صحیح ہے اسلئے کہ وہ اسے حاضر کر سکتا ہے۔

بعینہٖ یہی کیفیت اس مقام پر ہے کہ بینک ٹھیکیدار کے ادا کرنے کی ضمانت لے سکتا ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ اس میں ٹھیکیدار سے ادا کرانے کی طاقت ہو۔ اور ظاہر ہے کہ ایسا نہ ہوتا تو ضمانت ہی کیوں لیتا۔ اب اگر اتفاق سے وہ ادا نہ کر سکا تو بینک شرط کی قیمت کا ذمہ دار ہوگا۔ اور رقم ادا کریگا۔

(۲) بینک کی ذمہ داری کے معنی براہ راست یہ ہوں کہ بینک شئے کے تلف کے موقع پر قیمت کی ذمہ داری ہی کو ضمانت کا مفہوم قرار دیا جائے۔

اس توجیہہ میں سابق توجیہہ سے یہ فرق ہے کہ وہاں بینک نے ادائے شرط کی ضمانت لی تھی۔ لہٰذا ادارہ بینک سے یہ مطالبہ کرنے کا حق تھا کہ ٹھیکیدار سے شرط پوری کرائے اور یہاں بینک نے براہ راست ضمانت لی ہے لہٰذا اس سے ادا کرنیکا مطالبہ نہیں کیا جا سکتا۔ رقم ادا کرنیکا مطالبہ کیا جا سکتا ہے۔

ان بیانات سے یہ معلوم ہو گیا کہ ادارہ کا شرط کرنا بھی ایک امر معقول ہے۔ اور بینک کا مال کی ضمانت لینا بھی ایک امر صحیح و جائز ہے۔

اسکے بعد بعض اعلام کے اس قول کی کوئی قیمت نہیں رہ جاتی کہ بینک کی ضمانت اصل میں "شرعی کفالت" یعنی مال کے بجائے ٹھیکیدار کی ضمانت ہے۔ اور پھر اس پر یہ اشکال ہے کہ بینک رقم کسطرح ادا کرے گا۔ کفالت کے معنی تو صرف صاحبِ کفالت کو حاضر کر دینا ہے۔ وہاں رقم کی ذمہ داری نہیں ہوتی"۔

اسلئے کہ ہمیں ان تمام توجیہات کی ضرورت نہیں ہے۔ ہماری نظر میں یہ مسئلہ کفالت کے بجائے ضمانت مال سے متعلق ہے۔ یہ اور بات ہے کہ یہاں ضمانت کے تیسرے معنی ہیں۔

نہ مال کا ایک ذمہ سے دوسرے کی طرف منتقل ہونا۔ اور نہ ایک ذمہ کا دوسرے کے ساتھ ضم ہو جانا۔ بلکہ مال کے بجائے ادائیگی کی ضمانت لینا۔ جس کا نتیجہ ٹھیکیدار کے ادا نہ کرنے کی صورت میں بینک کے ادائے مال کی شکل میں ظاہر ہوگا۔

غور و فکر سے کام لیا جائے تو فقہائے کرام کے غصبی اجناس کی ضمانت کے فتوی کا مفہوم بھی یہی ضمانت ہے۔ یہاں مال ذمہ میں نہیں ہے کہ شرعی ضمانت کا تصور کیا جائے بلکہ عین جنس موجود ہے جس کی ضمانت کا صرف یہ مفہوم ہے کہ ضامن ادائیگی کا ذمہ دار ہے۔ اور ادائیگی نہ ہونے کی صورت میں اسکی قیمت کا ذمہ دار ہے۔

اس مقام پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ شرطِ فعل کے موارد میں خود ادارہ ٹھیکیدار کے ذمہ کسی شئے کا مالک نہیں ہوتا تو بینک ضمانت کس شئے کی لے رہا ہے؟ شرطِ فعل کا مطلب یہ ہے کہ قرارداد پر عمل نہ کرنے کی صورت میں ۲۰ دینار دینا پڑیگا۔ (مثلاً) ۔ اس وقت کوئی ایک دینار بھی اسکے ذمہ نہیں ہے تو بینک کی ضمانت کے کیا معنی ہیں۔؟

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ شرطِ فعل کے بارے میں دو احتمال ہیں۔

ایک احتمال یہ ہے کہ شرطِ فعل کے بعد صاحبِ شرط اصل فعل کا مالک ہو جاتا ہے۔ اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ فعل کا مالک نہیں ہوتا صرف شرط کا مالک ہوتا ہے۔

پہلے احتمال کی بنا پر جب ادارہ ٹھیکیدار کے ذمہ ۲۰ دینار کی تملیک کا مالک ہو گیا تو بینک اس تملیک کی ضمانت لیلے گا۔ اور جب وہ اس فعل کو بجا نہ لائیگا تو بینک کی ذمہ داری ہوگی کہ فعل کے تلف ہو جانے کی بنا پر اس کی قیمت ادا کرے اور وہ قیمت حسب فرض ۲۰ دینار ہے۔

دوسرے احتمال کی بنا پر ادارہ فعلِ تملیک کا مالک نہیں ہے۔ لیکن شرط کا مالک ہر حال ہے اور بینک اسی شرط کی ضمانت لیگا جس کے بعد اسے رقم ادا ہی کرنا پڑیگی اسلئے کہ ضمانت میں یہ شرط نہیں ہے کہ شرط کو مالک تلف کرے بلکہ اگر دوسری وجہ سے بھی تلف ہو گئی ہے تو ضامن کو بہر حال قیمت ادا کرنا پڑے گی۔ ملکیت کے انکار سے ضمانت پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔

ضمیمہ ۱۱

اس مقام پر پہلے ضمیمہ کی تکمیل کرتے ہوئے ان فوائد کی توجیہ کی گئی ہے۔ جو بینک اپنے صاحبانِ حساب سے ان کے امپورٹ کی رقم ادا کرنے کے بعد وصول کرتا ہے۔

جن بیرونی ممالک سے تجارت کرنیوالے افراد کے لئے بینک نے اعتمادی خطوط لکھے ہیں۔ ان کے اموال کی رقم ادا کرنے کے بعد بینک کا جو قرضہ ان کے ذمہ پیدا ہو جاتا ہے اور اس کے صلہ میں سودی بینک فائدہ حاصل کرتے ہیں ان کی بعض توجیہات کی طرف ملحقات کے آغاز میں اشارہ کیا جا چکا ہے اور ان پر اپنا اشکال بھی ظاہر کیا جا چکا ہے۔

مثال کے طور پر ایک توجیہ یہ ممکن ہے کہ بینک بیرونی تاجر کو جنس کی قیمت دینے اور مقامی امپورٹر کے

کے قرض کو ادا کرنیکی صورت میں مقامی تاجر کو قرض نہیں دیتا کہ اسی کی رقم سے اس کا قرض ادا کیا جائے۔ بلکہ اپنے ذاتی مال سے اسکے قرض کو ادا کرتا ہے اور چونکہ یہ کام اس کی خواہش سے انجام پایا ہے اسلئے اتلاف مال کی بنا پر وہ بینک کے پیسے کا ذمہ دار ہو جائے گا۔ اب اگر بینک اضافہ بھی وصول کرنا چاہے تو سود نہیں ہے۔ اسلئے کہ سود قرض پر ہوتا ہے اور یہاں کوئی قرض نہیں ہے۔ مال اپنے مالک کی ملکیت پر باقی ہے۔

یہ تصور کرنا کہ یہ بھی سود کی ایک قسم ہے۔ بالکل غلط ہے۔ سود میں ضمانت کا تعلق عقد قرض سے ہوتا ہے اور یہاں ضمانت اتلاف کی بنا پر آئی ہے جس کو کسی جہت سے بھی قرض کا نام نہیں دیا جا سکتا۔"

اس کے باوجود ہم اس توجیہہ میں اپنے اشکال کا تذکرہ کر چکے ہیں۔ اور یہ بتا چکے ہیں کہ یہ توجیہہ صحیح نہیں ہے۔

دوسری توجیہہ یہ ممکن ہے کہ قرض کو بیع کی شکل میں بدل دیا جائے اور یہ کہا جائے کہ بینک خارجی سکوں میں مقامی تاجر کا قرض ادا کرتے وقت خارجی سکوں کو مقامی سکوں کے عوض بیچ رہا ہے اور قیمت میں مقامی سکہ کی مقدار میں اضافہ کر رہا ہے جو ابھی سب کا سب تاجر کے ذمہ میں ہے۔ اس تجارت میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ دونوں سکے جنس کے اعتبار سے مختلف ہیں۔ نوعیت بھی الگ الگ ہے۔ صرف تجارت کے اطلاق میں کوئی نقص نہیں ہے۔

اس توجیہہ کی تحقیق بھی ملحقات کے آغاز میں کی جا چکی ہے۔

بینک امپورٹ کرنیوالے تاجروں سے جن فوائد کا مطالبہ کرتا ہے۔ ان میں سود کو اجرت سے الگ کر کے سوچنا ضروری ہے۔ بعض علماء کا یہ خیال درست نہیں ہے کہ بینک نے مقامی تاجر کے قرض کو بعنوان قرض ادا کیا ہے تو نہ فائدہ جائز ہے اور نہ اجرت۔!

اسلئے کہ اگر ان کا مقصود یہ ہے کہ فائدہ و اجرت کا لینا ذاتاً حرام ہے اور جس طرح فائدہ سے قرض میں سود آجاتا ہے اسی طرح اجرت سے بھی آجائیگا۔ تو یہ اشتباہ ہے بینک کے لئے اجرت لینا بہر حال جائز ہے۔ اور اجرت سے قرض سودی نہیں بنا کرتا۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ جس وقت بینک مقامی تاجر کو "بقدر قیمت" رقم بطور قرض دے رہا ہے اور اسکے بعد اسی رقم سے اس کا قرض ادا کر رہا ہے تو اُسے ادائیگی قرض پر اجرت لینے کا صریحی حق ہے۔ قرض دینے والا قرض دینے کا ذمہ دار ہے۔ قرض کو دوسرے راستوں میں لگانے کا ذمہ دار نہیں ہے۔ یہ بینک کے لئے مزید زحمت ہے جو تاجر کی وجہ سے برداشت کرنا پڑ رہی ہے اس لئے اسے اس زحمت کی اجرت مانگنے کا حق ہے۔ اور تاجر کو بھی اس اجرت کے دینے میں کوئی عذر نہ ہونا چاہیئے۔ اس لئے اگر وہ بینک

سے نقد رقم لیکر باہر بھیجنا چاہے گا تو جس بینک کے پاس بھی جائے گا وہ رقم کو منتقل کرنے کی اجرت ضرور لے گا۔

ہاں اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ قرض پہلے ہی سے سودی ہے اور وہاں فائدہ کی شرط ہو چکی ہے تو یہ بحث صحیح ہو گی کہ اس رقم سے بیرونی تاجر کا قرض ادا کرنے کے بعد اجرت لینے کا حق ہے یا نہیں۔ ؟

لیکن یہاں بھی یہ کہنے کی گنجائش ہے کہ سودی قرض کے بارے میں علماء کے دو قول ہیں۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ صرف بقدر زیادتی باطل ہے اصل قرض صحیح ہے۔ اور بعض کی نظر میں اصل قرض ہی باطل ہے۔ پہلی صورت میں اجرت لینے کا بہر حال حق ہے۔ قرض دینے والے نے قرض لینے والے کی خواہش پر عمل کیا ہے۔ اسے اس کی اجرت ملنی چاہیئے۔ البتہ دوسری صورت میں اجرت ممکن نہیں ہے۔ اس لئے کہ جب اصل قرض ہی باطل ہے تو نہ مال مقامی تاجر کی ملکیت بنے گا اور نہ بینک اس کے مال سے قرض ادا کر سکے گا کہ اسے اس زحمت کی اجرت مانگنے کا حق پیدا ہو۔

ضمیمہ ۱۲

اس مقام پر بینک کے اعتمادی خط لکھنے پر اجرت لینے کی شرعی حیثیت پر نظر ڈالی گئی ہے۔

ہمارے بیانات سے واضح ہو چکا ہے کہ بینک کے کمیشن لینے کیلئے اس کا مقروض ہونا ضروری نہیں ہے جیسا کہ بعض اعلام نے فرمایا ہے کہ جو بینک کی طرف رجوع کرنے والا اگر اسے نقد رقم دے کر اس سے اعتمادی خط لیتا ہے تو بینک کو اجرت لینے کا حق ہے۔ اس لئے کہ اس صورت میں بینک کھاتہ دار کا مقروض ہو جائے گا۔ اور مقروض کا فائدہ لینا جرم نہیں ہے۔ جرم قرض دینے والے کا فائدہ حاصل کرنا ہے۔

تحقیق مطلب یہ ہے کہ اجرت لینا بہر حال جائز ہے چاہے بینک قرض خواہ ہی کیوں نہ ہو۔ اس لئے کہ جو شئے شریعت میں حرام کی گئی ہے وہ مال قرض کے مقابلہ میں کسی فائدہ کا قبول کرنا ہے۔ اس سے ہٹ کر فوائد حاصل کرنا قطعاً حرام نہیں ہے۔ اور اس مقام پر صورت حال یہی ہے کہ بینک نے اعتمادی خط لکھنے کے بعد صاحب حساب کو اختیار دیدیا ہے کہ جس ملک میں چاہے بقدر خطر رقم وصول کر سکتا ہے۔ اور وہ جہاں بھی وصول کرے گا۔ وہیں بینک کا مقروض ہو جائے گا۔ اور قرض کا اصول یہ ہے کہ مقام پر لیا گیا ہے۔

اسی مقام پر ادا کیا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ قرضدار ایسا نہیں کر سکتا۔ لہذا وہ بینک سے خواہش کریگا کہ بیرون ملک رقم دینے کے بعد اندرون ملک قبول کرلے اور بینک کو اختیار ہو گا وہ اس خواہش پر اپنے حق کو ساقط کرنے کا کمیشن وصول کرے۔ یہ کمیشن مال قرض کے مقابلہ میں نہیں ہو گا کہ اسے سود کہدیا جائے بلکہ حقِ ادا کے مقابلہ میں ہو گا جس کو باقی رکھنے یا ساقط کرنے کا مکمل اختیار صاحبِ قرض کو حاصل ہے۔

والحمدللہ اولاً و آخراً
والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ
جوادی